U 7044 3-12

Title - Ginjeena-E-Tehqeeq

Creator - Sayyed Ahmad Bekhud Mohami

Publisher - Urdu Academy (Lucknow).

Date - ~~[illegible]~~ 1979

Pages - 345

Subjects - Urdu Adab - Tehqeeq

گنجینۂ تحقیق

یعنی

حضرت علامہ پروفیسر سید محمد احمد صاحب بیخود (موہانی) ایم، اے
منشی فاضل، پروفیسر شیعہ کالج، لکھنؤ

کے

پانچ انتقادی مضامین کا مجموعہ

باہتمام مرزا محمد جواد

نظامی پریس وکٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ میں چھپا

فہرست مضامین

دیباچہ
تمہید۔ نقادون کی تنقید کے اصول سے بیخبری
گنجینۂ تحقیق کی تدوین کا سبب

مضمون اوّل۔ آئینۂ تحقیق (جلوہ غالب) یعنی دیوان غالب (اردو) کی شرحوں پر ایک ۲-۲۶
سرسری نظر
(۱) پیغمبران سخن کے کلام پر عوام کی رائے سخن سنجان ماضی وحال کی صدائے بازگشت ہے ۱-۲
(۲) دیوان غالب (اردو) مرزا کے کلام فارسی کے خصوصیات کا گلدستہ ہے ״
(۳) کلام غالب کی صرف ایک خصوصیت یعنی مضمون کو معراج کمال تک پہونچا دینا ۲-۳
(۴) مرزا مسافر در وطن تھا ۴
(۵) دیوان غالب کی ۹ شرحون پر اجمالی رائے ۵-۶
(۶) شرح طباطبائی باعتبار شرح کلام سب شرحون سے اچھی ہے مگر اعتراض کرتے وقت مرزا کی جلالت قدر کی طرف سے آنکھ بند کر لی گئی ہے۔ ۷-۸
(۷) غالب کی ایک غزل کا حل اور مولانا شوکت میرٹھی، مولانا طباطبائی اور مولانا حسرت موہانی سے اتفاق و اختلاف ۸-۲۶
(۸) مطلع، شبنم بگل لالہ نہ خالی ز ادا ہے الخ کے حل مین سب سے اختلاف اور جناب طباطبائی اعتراض کا جواب ۱۰-۱۱
(۹) شعر دوم، دل خون شدہ کشمکش حسرت دیدار الخ مین سب سے اختلاف اور شعر کے ۵ دل آویز پہلو ۱۲-۱۵
(۱۰) شعر سوم، شعلہ سے نہ ہوتی الخ پر جناب طباطبائی کے اعتراضات کا جواب ۱۵-۱۶
(۱۱) شعر چہارم، تمثال مین تیری الخ کے دو خوبصورت پہلو ۱۷
(۱۲) شعر پنجم، قمری کف خاکستر و الخ پر شارحین کا تخطیہ شعر کے دو نئے اور دلکش مطالب اور طباطبائی کے اعتراضات کا جواب۔ ۱۷-۱۹
(۱۳) خلاق المعانی خاقانی اور خدائے سخن میر کے ایک ایک شعر کے ۴ و ۵ (۹) پہلو ۱۹-۲۲
(۱۴) شعر ششم، خون نے تری افسردہ کیا الخ جناب طباطبائی کے اعتراضات کا خون ناکفین ۲۳-۲۴

کی زبان سے جواب
(۱۵) شعر ہفتم ، مجبوری دعوی گرفتاری الفت الخ کے حل میں سب سے اتفاق ۲۴
(۱۶) شعر ہشتم ، معلوم ہوا حال الخ کی شرح میں سب سے اتفاق ۲۵-۲۴
(۱۷) شعر نہم ، اے پرتو خورشید الخ ۵ نکتے ۲۶
(۱۸) شعر دہم ، ناکردہ گناہوں الخ کا حل جسے سب شارحین نے چھوڑ دیا تھا ۲۶
(۱۹) شعر یازدہم ، بیگانگی خلق سے الخ کی دلچسپ شرح

مضمون دوم "سرمۂ تحقیق" (حمایت غالب بجواب نقد النقد بیخودی)

مضمون اوّل "آئینۂ تحقیق" پر اودھ پنچ کے اعتراضات ۹۲-۲۸
(۱) تمہید اور اعتراضوں کے رد کرنے کی ضرورت ۳۰-۲۸
(۲) معترض جناب طباطبائی معلوم ہوتے ہیں ، اسلیے کہ اجتہاد بے بنیاد ، دعوی بے دلیل اور احتیاط مفرط اُن کے خصوصیات سے ہیں ۳۳-۳۰
(۳) معترض کا شکریہ اور داد سخن طرازی ۳۴
(۴) میری اُردو پر اودھ پنچ کے اعتراضات اور اُنکا جواب ۶۴-۳۵
تاج دارائی ، لمن الملکی ، ہستی (شخص) معجزہ آرائی غلط ہیں (مرزا خود وجد کرتا ہے اور نکتہ سنجوں کو سجدہ ریزی کی تعلیم) اِس عبارت پر معترض علام کے تین اعتراضات سجدہ ریزی غلط ۔ فعل کا حذف ناجائز ۔ کو بضرورت ۔ آسمان سیر ۔ جذبات ۔ جذبۂ کشش ، تماشا کرنا (دیکھنا) داد کو پہونچنا ہیبت آفرینی ۔ کا فرماجرائی شکسپیر پرستان ہندی نژاد ۔ زبان حال ۔ چھری پھرانا ۔ غیر فصیح یا غلط و بے محل ہیں ۔
اِن تمام اعتراضوں کے جواب میں اساتذۂ ایران و ہند مثلاً قاآنی ، عرفی ، ملا طغرا ، ظہوری ، سعدی ، بیدل ، جامی ، سعدی ، میر ، سودا ، ذوق ، ظفر ، آتش ناسخ انیس ، خواجہ وزیر ، حالی ، شبلی ، آزاد ، اکبر ، مرزا سودا وغیرہ کے تصانیف سے مثالیں پیش کی گئی ہیں
(۶) کلام غالب پر جناب طباطبائی (شرح طباطبائی) کے اعتراضات اور اودھ پنچ کی تائید ۔ صلاح ذات البین ، عہد تجدید تمنا ، تنافر ، اثبات ، پیچ ، تانیث قلم ، املا تم ہی ، ہم ہی ، ہو جو ، چشم جبریل ہی قالب خشت دیوار " غالب کے اِس مصرعہ پر جناب طباطبائی کی صلاح (ڈھیلے جبریل کی آنکھوں کے ہیں خشت دیوار) عمر کو امر لکھنا ، مولانا حالی کی رائے کا ذکر کہ دیوان غالب سے کچھ شعر نکل جاتے تو اچھا تھا ان سب کا مسکت جواب ۹۲-۶۵
محاورہ میں تصرف پر بحث اور کچھ خاص مقامات

(۷) عہد تجدید تمنا اور تجدید عہد تمنا کا نازک فرق ۶۷-۶۹

(۸) اعلان نون بعد عطف واضافت فارسی کی بحث، آج کل کے تسلیم کیے ہوئے اُصول کی بنا پر ۶۹-۸۰

(۹) اعلان نون پر محققانہ اور بالکل نئی بحث، اور آقا محمد علی ایرانی پروفیسر نظام کالج کے قول سے استدلال ۸۰-۸۱

(۱۰) محاورہ میں تصرف کی بحث اور ناسخ و آتش وانیس و ذوق وظفر و سودا میر وغیرہ کے کلام سے مثالیں ۸۲-۹۱

(۱۱) محاورہ پر قیاس کر کے محاورہ بنا لیتے ہیں، اس قول پر جناب طبا طبائی کی شہادت ۹۱-۹۲

(۱۲) التماس اور خاتمہ ۹۲

مضمون سوم (حمایت غالب) سرمایۂ تحقیق ۹۳-۱۰۹

یعنی آرگس بے حجاب بجواب غالب بے نقاب

جناب آرگس نے مجلہ نگار لکھنو میں غالب کے اکثر اشعار کو سرقہ اور توارد کی معجز نمائی قرار دیا۔

(۱) تمہید۔ مدیر نگار کے انداز پر بیخود ناشاد کی رائے ۹۳-۹۶

(۲) جناب نیاز فتحپوری مدیر نگار کی ۱۴ سطروں پر ۱۸ سوال ۹۶-۱۰۰

(۳) لفظ آرگس کی شرح ۱۰۱

(۴) جناب سہائے مجددی اور حضرت آرگس کی خدمت میں التماس ״

(۵) غالب کے ایک قطعے سے مضمون آرگس کی ابتدا اور جناب آرگس کا یہ فیصلہ کہ غالب کے اکثر مضامین حاصل دریوزہ گری ہیں ۱۰۲-۱۰۳

(۶) اسی قطعے سے غالب کی مضمون آفرینی پر دلیل قاطع ۱۰۳

(۸) کلیم ہمدانی ملک الشعرا پایۂ تخت جہانگیری کے قطعہ معذرت توارد سے مرزا کے اسی قطعہ کا مقابلہ ״

(۹) سرقات شعریہ شمس الدین فقیر صاحب حدائق البلاغۃ۔ نواب صدیق حسن خاں صاحب نصاب علامہ غلام علی آزاد، علامہ تفتازانی، ملا جامی کے اقوال ۱۰۵-۱۱۴

(۱۰) حضرت آرگس کے مضمون کا دو حرفی جواب ۱۱۴

(۱۱) غالب کے (۴۲) اشعار کا جناب آرگس کے پیش کردہ اشعار سے مقابلہ، اکثر مقامات پر شعر غالب کو ترجیح اور حضرت آرگس و جناب سہا کا تخطیہ ۱۱۴-۱۰۹

بعض خاص مقامات

(۱۲) آج وان تیغ وکفن الخ اور عرفی کے شعر کا فرق اور غالب کو ترجیح، غالباً یہ شعر بیخود خاکسار نشین نے پہلے پہل حل کیا ہے ۱۲۸-۱۳۰

(۱۳) ترے وعدے پر جئے ہم الخ اور میلی ہروی کے شعر کا تقابل اور میلی کے شعر کی غالب کے شعر پر ترجیح ۱۳۰-۱۳۱

(۱۴) بلائے جان ہے غالب الخ کا ز فرق تا بقدم الخ سے مقابلہ اور شعر غالب کو ترجیح

(۱۵) گلہ ہے شوق کو الخ اور بیدل کے شعر کا فرق اور یہ بتانا کہ دونوں شعروں کا مضمون بالکل جدا ہے اور دونوں شعر اپنے محل پر لاجواب ہیں غالباً یہ شعر بھی بیخود خاکسار نے پہلے پہل حل کیا ہے ۱۳۶-۱۴۳

(۱۶) ہین اور بزم مے سے الخ اور بیگی اور حزین کے اشعار سے مقابلہ ایک ایک لفظ کی تشریح، اور شعر غالب کے ایک ٹکڑے کے ۱۵ پہلو ۱۴۴-۱۴۹

(۱۷) پوچھتے ہین وہ الخ اور نعمت خان عالی کے شعر کا مقابلہ، شعر غالب کی مفصل شرح اور ترجیح۔ ۱۵۳-۱۵۵

(۱۸) مے سے غرض نشاط الخ کا عمر خیام۔ یزید ملعون اور حافظ شیراز کے اشعار سے مقابلہ اور شعر غالب کو ترجیح اور اسکے ۱۵ لطیف نکتے۔ ۱۸۴-۱۸۹

مضمون چہارم مایۂ تحقیق ۱۹۰-۲۲۸

شرح قصائد خاقانی نوشتہ حضرت شادمان لکھنوی پر ایک نظر اور اسکا شرح پروفیسر نامی شرح مولانا شادان بلگرامی اور شرح جناب محشی سے تقابل اور تقابل اختلاف مواقع پر ناقدانہ اظہار خیال

(۱) تمہید اور اجمالی فیصلہ کہ شرح جناب شادمان لکھنوی موجودہ شرحون سے بہتر ہے ۱۹۰-۱۹۳

بعض خاص مقامات

(۲) مطلع، ہر صبح سر زلفتن سودا برآورم الخ کی شرح مین صرف جناب شادمان سے اتفاق، اور دو ضروری باتون کا اضافہ ۱۹۳-۱۹۵

(۳) شعر دوم کے بعض نکات ۱۹۵

(۴) از اشک خون پیادہ الخ مین جناب شادمان سے اختلاف اور جناب شادان سے اتفاق، اور توجیہ لطیف

(۵) اسفندیار این وذر دین الخ مین سب سے بدلائل قطعیہ اختلاف ۲۰۱-۲۰۲

(۶) قندیل دیر چرخ الخ مین سب سے اختلاف ۲۰۳-۲۰۵

(۷) آبستنم کہ چون رسدم الخ مین سب سے اختلاف ۲۱۰-۲۱۳

(۸) چون نائے اگر الخ کے بعض لطائف ۲۱۴-۲۱۳
(۹) چند از نعیم سبعہ الوان الخ مین جناب شادان سے اتفاق اور شعر کی لطافت کا اظہار ۲۲۰-۲۱۹
(۱۰) چون عیش تلخ من الخ مین سبب اختلاف ۲۲۴-۲۲۲
(۱۱) چون آئینہ نفاق نیارم الخ مین سبب اختلاف

مضمون تجسّس آیہ تحقیق

حضرت ابو العلا حلیم ناطق صاحب لکھنوی مدیر اول معیار کے تبصرۂ "صلاح سخن"
(مولفہ شوق سندیلوی) پر ناقدانہ نظر

(۱) خواب و تعبیر خواب ۲۳۰-۲۲۹
(۲) ارشاد ناطق ۲۳۴-۲۳۱
(۳) جناب ناطق کی ۱۶ سطروں پر (۲۷) اعتراض ۲۳۸-۲۳۴
(۴) عبارت نقاد ۲۴۰-۲۳۸
(۵) مطلع شوق، اب اپنا دل تنگ الخ پر جناب نقاد کے تباتے ہوئے عیوب و شبہات ۲۴۱
یعنی تنگیٔ ان تخیل کو کہتے ہین
(۶) دل تنگ کے زندان بنجانے کی علت جوش فراوان ہے، 'اب' اور 'پہ' برا سے
بیت معلوم ہوتے ہین
(۶) تخیل کا عیب ناقد کی غلط نگاہی کی دلیل ہے، فارسی اور اردو پر جناب نقاد کا عبور ۲۴۳-۲۴۱
اُن کو جوش کے معنی ہجوم یاد نہین۔
(۷) لفظ فراوان تعداد کے لیے بھی مستعمل ہے، سعدی کا قطعہ ۲۴۶
(۸) حضرت ناطق نے یہ اصول اصلاح بیکار لکھے، حضرت شوق کو اُن کے اکثر استاد ۲۴۲
اصلاح سے بے نیاز جانتے ہین، اکبر الہ آبادی، ثاقب لکھنوی، سائل دہلوی کے تا ۲۴۶
والا نامونکا اقتباس
(۹) حضرت شوق کے منتہی ہونے پر خود حضرت ناطق کی شہادت ۲۴۷-۲۴۶
(۱۰) نقاد کا یہ قول قابل قبول نہین کہ احسن۔ ریاض۔ نوح اور وحشت کی صلاحین بہت ۲۴۹-۲۴۸
اچھی ہین۔
(۱۱) مطلع کی تخیل غلط ہے، "اب" اور "دل تنگ" شعر کے ضروری اجزا ہین ۲۵۰-۲۴۹
(۱۲) عیوب شعر پر بحث کے متعلق بیخود و خاکسار کی رائے۔ 'آپ'، 'آپ' کا تصادم۔ اپنا ۲۵۱-۲۵۰
مین الف کا گرنا مخل فصاحت ہے اور یہ بیکار ہے
(۱۳) وحشت کی (دوسرے مصرع کی) اصلاح نہایت لطیف ہے، اطہر کی اصلاح اچھی نہین ۲۵۴-۲۵۲

(۱۴) بیشک بیباک اور شوق کی صلاح خوبصورت ہے — ۲۵۳

(۱۵) عیب معنوی (جوش تمنا سے دل تنگ کا زندان بنجانا لازمی نہین) نقاد کے واہمہ کی خلاقی ہے۔ — ۲۵۴

(۱۶) خامہ نقاد سے کلام کے سادہ اور پرمعنی ہونے کی تشریح، — ۲۵۶-۲۵۴
اور یہ خیال کہ حضرت شوق شعر پر ۵ بنا دیئے جانیسے فخر کرتے ہین — "

(۱۷) یہ تفاخر نہین شماتت ہے — ۲۵۶

(۱۸) لاریب حضرت باقی کی صلاح سے لفظی و معنوی عیوب نکل گئے مگر تخیئل مصنف بدل گئی۔ — ۲۵۸-۲۵۷

(۱۹) صلاح نظم سے تخیئل کا عیب واقعی نکل گیا اور یہ صلاح داد کے قابل ہے، اگرچہ مصنف کے خیال کی رو بدل گئی۔ — ۲۵۹-۲۵۸

(۲۰) صلاح نیاز سے تخیئل مصنف بدل گئی اور بہت سے عیوب پیدا ہوگئے۔ — ۲۶۰-۲۵۹

(۲۱) صلاح ناطق مین تین صورتون سے شعر کے معنی بیان کرنے کی کوشش، ہر صورت مین ناکامی اور خود اُن پر اُن کے ارشاد کا انطباق — ۲۶۲-۲۶۰

(۲۲) اگر ناطق کی صلاح صحیح مان لیجائے تو بھی اُس مین ۶ عیب ہین — ۲۶۳-۲۶۲

(۲۳) نقاد کے اس خیال کی تردید کہ مین بجائے صلاح خود ایک شعر کہدیتا ہون (یہی حال غالب کا تھا) نقاد کا شکریہ — ۲۶۵-۲۶۴

(۲۴) مطلع کی تخیئل دو طرح غلط ہے، حدنگاہ ناطق اور مدنگاہ بیخود کا فرق، دفع دخل مقدر اور غالب کے دو شعر — ۲۶۵

(۲۵) اگر دل کو باعتبار تنگی قطرہ کہنا صحیح تھا تو باعتبار جوش طوفان کہنا بھی مناسب ہے، اپنی صلاح کے وجوہ بلاغت کا بضرورت اظہار — ۲۶۷-۲۶۶

(۲۶) مین نے اور جناب ناطق نے تخیئل بدلدی، مگر یہ دیکھنا چاہیے کہ کس نے بربنائے علم و تحقیق ایسا کیا اور کسنے اسکے برعکس۔ — ۲۶۸

(۲۷) شوق نے تخیئل تو بدل دی مگر شعر بامعنی رہا — ۲۶۹-۲۶۸

(۲۸) حضرت باقی کی توجیہہ مین تحریف کرکے اعتراض پیدا کیا گیا ہے۔ یہ بزرگ بھی جوش کے معنی ہجوم سے ناواقف ہین اور یہی حال حضرت شوق کا ہے۔ — ۲۷۰

(۲۹) توجیہات ناطق و نوح و نیاز پر اظہار خیال اور حضرت ناطق کی ایک تمثیل کی داد — ۲۷۲

(۳۰) حضرت ناطق کی اس رائے سے اتفاق کہ اصل کی صلاح صلاح نہین۔ — ۲۷۳

(۳۱) جناب طباطبائی کی دوسری صلاح پر جناب نقاد کا یہ ارشاد کہ سیل عرم کی تلمیح سے واقف ہونے پر بھی شعر سمجھ مین نہ آیا، "دست بداماں" کے معنے نکلنے اور بہار عجم پر نظر — ۲۷۳ تا ۲۷۴

نہ ڈالنے کی وجہ سے ہے

(۳۲) جناب طباطبائی کی اصلاح مین عیب غرابت نہین ۲۷۵

(۳۳) سیل عرم کی تلمیح کا نظم کرنا ادب اردو پر احسان ہے ”

(۳۴) ایک مقلد مجتہد کے لباس مین ”

(۳۵) شعر دوم، کیا ڈالین کسی آرزو تازہ کی بنیاد الخ کوئی دوسرا پہلو نہین رکھتا، دنیا کی ۲۷۶ تا
عام حالت اور فن ادب سے اُس کی دلیل۔ ۲۷۷

(۳۶) شعر، یارب چشمہ الست الخ تشبیہ ناقص کی وجہ سے اِس مرتبہ کا نہیں بلکہ انداز بیان ۲۷۷ تا
اور مضمون شعر کی ندرت کے سبب سے جناب نقاد کے قول پر ۶ اعتراض ۲۸۰

(۳۷) میری اصلاح پر جناب نقاد کا ارشاد غلط ہے، جب پڑنی لگی، مین ذم ہے تخئیل ۲۸۱
بدل گئی۔ شعر کا اثر کم ہوگیا۔ شعر کے دوسرے پہلو نے کہ عاشق کے لیے تمنا نہ کرنا تا
محال ہے، پہلے مصرع کا آخری لفظ بنیاد اور دوسرے مصرع کا آخری لفظ یاد ہے ۲۸۳

(۳۸) پہلے مصرع کا مضمون فطرت کے خلاف ہے حضرت ناطق تخئیل کے بے عیب یا ”
پست سے بلند ہوجانے کو تخئیل کا بدلنا کہتے ہین، شعر مین کوئی دوسرا پہلو نہین، اثر
میری اصلاح مین زیادہ ہے۔

(۳۹) پہلوے ذم کے متعلق دو گروہ، ذم کی طرف خیال جانے کے اسباب۔ اگر ۲۸۴ تا
جب پڑنے لگی مین ذم ہے تو حضرت ناطق کی اصلاح "کیا رکھے" مین بھی یہی ۲۸۵
عیب ہے۔

(۴۰) اصلاح شفق پر نقاد کا اعتراض اور اُسکا جواب۔ ۲۸۵ تا ۲۸۶

(۴۱) بیشک اصلاح شوق عطیہ ہے۔

(۴۲) اصلاح نیاز مین، اسلوب نظم کے بدلنے اور لفظ بنیاد کے نکال دینے سے نہ بیان کی خستگی ۲۸۷ تا
پیدا ہوئی نہ حسن بلکہ شعر غلط ہوگیا ہان اُسکا ایک ٹکڑا داد کے قابل ہے۔ ۲۸۸

(۴۳) احسن اور آرزو کی اصلاح دلآویز ہے۔ ۲۸۸

(۴۴) ریاض نے ایک اچھا شعر خود کہدیا ہے دل کی اصلاح بھی اچھی ہے ۲۸۹

(۴۵) اصلاح ناطق بھی لطیف ہے، بشرطیکہ وہ "کیا رکھتے" مین ذم کے قائل نہین ۲۹۰

(۴۶) اصلاح جگر کے متعلق نقاد کی رائے معقول ہے۔ ۲۹۰

(۴۷) اصلاح سائل پر غلط اعتراض کیا گیا ”

(۴۸) اصلاح نظم پر تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ نقاد سے اتفاق ۲۹۱

(۴۹) شعر سوم ہچکی کی صدا الخ کے متعلق نقاد نے "یہ، وہ" کی بحث بیکار چھیڑی ۲۹۲-۲۹۳

ضمانت کیسا۔

(۵۰) صلاح سائل پر تعریض بیجا ہے۔ انکا یہ ٹکڑا "سمجھے ہوئے بیٹھے ہیں" محاورہ دانی کا ۲۹۴
امتحانی سوال ہے۔ تا ۲۹۵

(۵۱) صلاح شفق پر دونوں اعتراض صحیح نہیں۔ ۲۹۵-۲۹۶

(۵۲) مضطر نے "یہ" کو غلط سمجھ کر نہیں نکالا ۲۹۷-۲۹۸

(۵۳) نیاز کی صلاح سے دو نقص پیدا ہو گئے۔

(۵۴) صلاح محشر کے دو عیب۔ ناطق کا "یاران سرِ پل" اور "یاران طریقت سے بڑا" ۲۹۸-۲۹۹

(۵۵) اپنی سہل انگاری کا اعتراف ۳۰۰

(۵۶) شعر چہارم، "جز خواب نہیں الخ" میں ربط کو کمزور۔ شعر کو دو لخت کہنا۔ اور مصرع ثانی کو
اور وہم کی تشبیہ کو صحیح نہ سمجھنا غلطی ہے۔ میری صلاح کی توجیہہ، اب یہ شعر غالب
کے اس شعر (جز نام نہیں صورت عالم الخ) کے انداز کا ہو گیا۔

(۵۷) میری صلاح کا عیب ۳۰۵

(۵۸) صلاح سائل سے تخیل بدل گئی اور دل کشی بڑھ گئی۔ ۳۰۶

(۵۹) صلاح ناطق میں الفاظ تناسب جمع ہو گئے مگر دو جزو میں جز نے شعر کو غلط کر دیا ۳۰۶

(۶۰) ایک عطف اور دو اضافتوں سے ناطق کی صلاح گنجلک (یہ لفظ حضرت ناطق
ہی کا ہے) نہیں ہوئی۔ اگر تین سے زیادہ اضافتیں بھی اپنے محل پر ہوں تو حسن
پیدا کرتی ہیں، لوائح جامی سے مثال

(۶۱) صلاح افضل سے تخیل شعر حالت میں صحیح ٹھہرتی ہے نقادوں کے دو تین سوال ۳۰۹
اہمیت نہیں رکھتے۔

(۶۲) صلاح نظم پر اعتراض صحیح نہیں ۳۱۰-۳۱۱

(۶۳) نوح کی صلاح بہتر ہے مگر توازن الفاظ بذر تغافل ہو گیا ۳۱۱

(۶۴) صلاح نیاز پر ناقد کا اعتراض بجا ہے۔ مگر عبارت میں تناقض ہے۔ ۳۱۲

(۶۵) صلاح جگر میں ہم کا ہونا ہی بہتر ہے۔ ۳۱۳

(۶۶) شعر پنجم، "تیری نگہ لطف الخ" میں محبت سے پہلے "میری" کو محذوف بتانا ۳۱۴
صحیح نہیں، شوق اور تمنا کو ہر محل پر مترادف سمجھنا غلطی ہے، عشاق معشوق تا ۳۱۶
کو بیوفا کہتے ہیں، مگر عشق میں بیوفائی کا وجود نہیں۔

(۶۷) ایک زمانہ میں عشق و ہوس میں امتیاز نہیں کیا جاتا تھا، اور معشوق اور شاہد بازاری ۳۱۷
مترادف تھے تا ۳۱۸

(۶۸) عاشقانہ اشعار کی مثالین، عاشق و معشوق ایک ہین — ۳۱۸
(۶۹) اِس قول مشہور سے اختلاف کہ بمقتضائے غیرتِ عشق عاشق و معشوق اپنے کو عاشق کہتے ہین۔ — "
(۷۰) نکتہ — "
(۷۱) شاہان بازاری مین بھی وفا معدوم نہین — ۳۱۹
(۷۲) شوق و تمنا ہر مقام پر مترادف نہین۔ گریان، میر، غالب، ذوق، داغ اور خواجہ وزیر کے کلام سے مثال۔ — ۳۱۹ تا ۳۲۲
(۷۳) تھی اور ہے کی مفصل بحث — ۳۲۵-۳۲۳
(۷۴) پہلے مصرع مین 'تھی' کے محل پر 'ہے' چاہیے تھا — ۳۲۵
(۷۵) میری صلاح سے شعر مین کیا بات پیدا ہوگئی — ۳۲۵-۳۲۶
(۷۶) صلاح عزیز لکھنوی مین لفظ مظالم سے شیرینی و نرمی زبان مین فرق آگیا اور عیب تنافر ہے، اتنا اور ہے کہ تھی اور ہے کا ساتھ اس مقام پر ٹھیک نہین۔ — "
(۷۷) صلاح مومن ناطق کے لیے موجب امتنان اور فن کے لیے موجب حیف ہے — ۳۲۷
(۷۸) صلاح ناطق مین 'نگہ' کے نظر سے بدل جانے کی وجہ سے لطف شعر کم ہوگیا، عنوان کی جگہ طومار ہونا چاہیے۔ — ۳۲۷ تا ۳۲۹
(۷۹) صلاح نیاز مین 'ہو' نے حسن پیدا کر دیا ہے۔ یہان بھی عنوان کی جگہ طومار ہونا چاہیے۔
(۸۰) شعر ششم 'اے قافلہ یاس' الخ مین صرف تعقیب کا عیب نہین بلکہ قافلۂ یاس کو مخاطب کرنا خلاف عقل و فطرت ہے — ۳۳۰ تا ۳۳۲
(۸۱) عجب نہین جسے تمنا سمجھتے ہین وہ دعا ہو — ۳۳۲
(۸۲) میری صلاح مین اثر زیادہ ہے۔ — ۳۳۳
(۸۳) صلاح کے معاملہ مین میری رائے یہ ہے کہ ذہین آدمی کے لیے استاد کا نہ ملنا بہتر ہے — ۳۳۴
(۸۴) بعض لوگ صلاح بھی لیتے ہین اور خالی ہاتھ رہتے ہین — "
(۸۵) مقطع 'اے شوق نہ کیون' الخ پر یہ ارشاد غلط ہے کہ ثقات کلیجہ مل کے معنون پر نہین بولتے۔ — ۳۳۵ تا ۳۳۷
میر۔ غالب۔ ذوق۔ داغ۔ امیر کے کلام سے مثالین۔
(۸۶) اساتذہ کلیجہ تو کلیجہ چھاتی اور سینہ بولتے ہین اور دل مراد لیتے ہین — ۳۳۸

(۸۷) اصلاح ناطق سے مصنف کا کچھ مفہوم کم ہو گیا ۳۳۹

(۸۸) نوح نے حشو خوب سیمٹا ہے ۳۴۰

(۸۹) اصلاح فضل سے شعر کا مزہ بڑھ گیا، تخیل مصنف بدل گئی ۳۴۱

(۹۰) بیباک کی اصلاح سے شعر مین بیساختگی پیدا ہو گئی، مصنف کی تخیل بدل گئی

(۹۱) اصلاح ریاض سے شعر کا مزہ بہت بڑھ گیا۔

(۹۲) اصلاح نظم کو حضرت ناطق نہین سمجھے تو کوئی مضائقہ نہین، انھون نے اصلاح نظم مین تحریف کی ہے

(۹۳) حضرت ناطق تا بمقدور حضرت طباطبائی کی اصلاحون کو ناقابل فہم بتانے مین سعی جمیل فرماتے ہین اور صرف اسیلیے کہ جناب طباطبائی کی نقادانہ حیثیت، ادبی قابلیت کا ہندوستان معترف ہے، افسوس کہ حضرت ناطق کی یہ کوشش ناکام ہے اور ناکام رہیگی۔

بیخود موہانی

ہدیۂ شوق

مین گنجینۂ تحقیق کے جواہر خمسہ ذوق وشوق کی کشتی مین لگا کر
شہنشاہ ادب و انتقاد کی بارگاہ گوہر بار مین پیش کرتا ہون، جسکی
برقِ نگاہ کی چھوٹ پڑتے ہی ہر جوہر تابدار، ہر گوہر آبدار کا
آب ورنگ، تاب وسنگ اپنے اصلی رنگ مین جگمگا اٹھتا
ہے، ادھر خمسۂ نجبا کے صدقہ مین یہ نذر قبول ہوئی اُدھر
ہر ایک الماس ریزہ الماسِ آفتاب ہر ایک جواہر پارہ
دنیائے آب وتاب بنا رکھا ہے۔

بندہ ناچیز

بیخود موہانی

دیباچہ

بیا تا گل برافشانیم و می در ساغر اندازیم
فلک را سقف بشگافیم و طرح نو در اندازیم

یہ دور ہندوستان کیلیے انقلاب کا دور ہے، دنیا کی دنیا بدلی نظر آتی ہے، اور کچھ ایسے مناظر پیش نظر ہین کہ حسرت وقف حسرت اور حیرت محو حیرت ہے، ذوق شعری ابد کی نیند سو رہا ہے، نا آشنایان رموز تحقیق کے ہاتھون تنقید کا خون ہو رہا ہے، کل کسی بابی بیداد نے کس تاجدار نکتہ سنجی کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے، آج کسی جلاد نے کسی شہریار نکتہ پروری کی لاش قبر سے نکال کر پامال کر ڈالی، کہین ایک تودے کو آگ دکھائی گئی اور خواجہ آتش علیہ الرحمہ کی خاک بازیچہ صبا نظر آئی، کہین ایک سر نگ اڑائی گئی اور مرزا غالب اعلی اللہ مقامہ کی قبر گرد و غبار کا تپلا نظر آئی، کوئی ایک تقویم پارینہ کے بل پہ ہنگامہ پرداز کہ میر اپنے معاصرین کے صید زبون تھے کوئی اپنی کج طبعی و کج نگاہی کے زور پر غلغلہ انداز کہ سودا سودائی جنون تھے، نغمہ سنجان تدقیق کی زبانین بند ہین ہر طرف آنا آنا کی صدائین بلند ہین۔

قصہ مختصر اردو (شہنشاہان تیموریہ اور تاجداران اودھ کی ناز پروردہ اردو) بے یار و مددگار اردو تیرون کے دور تلوارون کے حلقہ مین گھری ہو یہان کے اکثر ادیب ادب نا آشنا، یہان کے اکثر نقاد تنقید کے مفہوم سے بے پروا، کچھ ملٹن کے سنگیت اور شکسپیر کے ترانون سے میر کی بہار اور دیباچہ سودا کی ملتانی اور ہنڈول کا مقابلہ کرنے والے، کچھ عشق و ہوس مین موازانہ کرنے والے، بعض کا یہ عالم کہ تعریف پر اتر آئے تو کلام عامی کو وحی ربانی بنا دیا، تنقیص کی ٹھانی تو کلام الہامی کو

شعر سوقی سے بھی پست بتا دیا، کوئی مروت سے سر بہ درگلو، کوئی عداوت سے برق پارہ، کسی کو محاورہ اور لغت میں امتیاز نہیں، کوئی تشبیہ اور استعارہ کا محرم راز نہیں، کوئی گلابی اردو کا موجد، کوئی اردوئے معرب کا موید۔

اب وقت آگیا ہے کہ اگلے خاک نشینوں اور موجودہ نکتہ آفرینیوں سے گوشہ انزوا چھوٹے اور شعبدہ بازان انتقاد کا باندھا ہوا طلسم ٹوٹے یہی ضرورت تھی اور یہی ضرورت ہے کہ مجھ خاکسار کے احباب نکتہ سنج کے اصرار نے حکم کی صورت اختیار کرلی اور مجھے اپنے تنقیدی مضمونوں کا مجموعہ کتاب کی صورت میں شائع کرنا پڑا معترضین کا جواب دیتے وقت تحقیق و تدقیق کا کوئی دقیقہ تا حد امکان فروگزاشت نہیں کیا گیا ایک ایک لفظ کی سند میں اساتذہ معتبر کے تصانیف سے متعدد مثالیں پیش کی گئی ہیں اور اہتمام کیا گیا ہے کہ مخالف کو جائے دم زدن نہ رہے، اور ادائے مطلب کے لیے انتخاب الفاظ میں اپنی بساط بھر کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی گئی، یہ ضرور ہوا ہے کہ بعض مضامین کی تمہیدیں کچھ مشکل ہوگئی ہیں، مگر آخر زبان قلم پہ کوئی کہاں تک پہرے بٹھائے۔

ابتدا کے تین مضمون آئینہ تحقیق، سر تحقیق اور سرمایہ تحقیق غالب عدیم المثال کے ان احسانات کا حق ادا کرنے کی نظر سے لکھے گئے ہیں جو انھوں نے اردو علم ادب پر کئے ہیں۔

مضمون اول آئینہ تحقیق:۔ اس میں دیوان غالب کی ۹ شرحوں کے متعلق اجمالی رائے اور غالب کی ایک غزل کا حل ہے اور جناب مجلہ دالسنہ مشرقیہ حضرت شوکت میرٹھی اور جناب نواب حیدر یار جنگ نظم طباطبائی لکھنوی اور جناب مولانا حسرت موہانی کے بیان کردہ مطالب پر نظر ڈالی گئی ہے پہلے پہل یہ مضمون سنہ ۱۹۲۰ء میں روزنامہ ہمدم کے ذریعہ سے ارباب نظر تک پہونچا اور دیکھا اس طرح اسکی داد ملی کہ شکر نعمتہائے تو چندانکہ نعمتہائے تو کا ترانہ برسوں فراموش نہوا پھر سنہ ۱۹۲۵ء میں مدیر الناظر لکھنو نے اسے شائع کیا۔

مضمون دوم سر تحقیق:۔ (آئینہ تحقیق پر اودھ پنچ کے اعتراضات کا جواب) اس مضمون

مین شعرائے کرام و ادبائے عظام کے تصانیف سے سند مین پیش کرنیکا خاص التزام کیا گیا ہے۔

لیکن ادوھ پنچ کے مضمون پر مین نے جہان تک غور کیا مجھے تو یہ نظر آیا ؎

ہم پر جفا سے ترکِ وفا کا گمان نہین　　اک چھیڑ ہے وگرنہ مراد امتحان نہین

مضمون سوم سرمایۂ تحقیق ۔ (آرگس بیجا نبحے ابغالب بے نقاب) حضرت آرگس نے "نگار" لکھنؤ مین ایک طولانی مضمون لکھا جس مین دکھایا گیا کہ غالب نے اساتذہ ایران و ہند کے مضامین کا سرقہ کر کے اپنے دیوانکو گلدستہ بنادیا ہے، سرمایۂ تحقیق مین اکثر اشعارِ غالب کو اشعار اساتذۂ فارس پر ترجیح دیگئی ہے، اسکا اصل سبب یہ ہے کہ جناب آرگس نے فارسی اشعار کا انتخاب اچھا نہین کیا، بعض اشعار کے متعلق بتایا گیا ہے کہ یہان مرزا کا کام ہے بعض اشعار کے متعلق دکھایا گیا ہے کہ ان مین موزانہ صحیح نہین اور بحمداللہ اب نگار کی رفتار بدل گئی ہے۔

یہ مضمون "نیرنگ خیال" لاہور اور "جام جہان نما" لکھنؤ مین شائع ہو کر مقبول اہل ذوق ہو چکا ہے۔

مضمون چہارم مایۂ تحقیق (شرح قصائد خاقانی نوشتہ حضرت شادمان لکھنوی پر ایک نظر) مین شرح حضرت شادمان لکھنوی پروفیسر مدرسہ ریاست عالیہ رامپور، حضرت پروفیسر شادان بلگرامی اور حضرت نامی پروفیسر الہ آباد یونیورسٹی کا موازنہ ہے اور قابل اختلاف مواقع پر ناقدانہ اظہار خیال کیا گیا ہے، یہ مضمون "نیرنگ" رامپور اور مرقع لکھنؤ مین شائع ہو کر مطبوع اہل نظر ہوا۔

مضمون پنجم آئینۂ تحقیق ۔ (مدیر سابق مبصر لکھنؤ کے تبصرۂ اصلاح سخن کی حقیقت) ابھی غالب بے نقاب کا کفن میلا نہوا تھا کہ حضرت ناطق لکھنوی نے حضرت شوق سندیلوی کی مرتب فرمائی ہوئی کتاب "اصلاح سخن" (جسمین حضرت شوق نے اپنی پندرہ سولہ غزلون پر مشاہیر شعرائے ہند کی اصلاحین جمع کردی ہین) کی ایک منتخب غزل بیابانِ تمنا عنوان تمنا کی اصلاحون پر تنقید فرما کر دنیائے ادب مین ہلچل ڈالدی، آئینۂ تحقیق مین اسرارِ سخن سنجی کی پردہ کشائی کیگئی ہے اور دکھایا گیا ہے کہ تنقید کا پایہ کس قدر بلند ہے یہ ۱۱۷ صفحہ کا مضمون پہلے پہل شائع ہو رہا ہے۔

ابتدا کے چار مضمون مناسب ترمیم و حذف و اضافہ کے بعد شائع کئے گئے ہین میرا خیال یہ ہے کہ ابتک اردو مین گنجینۂ تحقیق کے انداز کی صرف ایک قابل ذکر کتاب مناظرہ شرر و چکبست ہے خدائے عز و جل میری اس ناچیز تصنیف کو جام جمشید اور آئینہ سکندر کا مرتبہ کرامت فرمائے۔

بندۂ ناچیز
بیخود موہانی

آئینۂ تحقیق

دیوان غالب کی شرحون پر ایک سرسری نظر

از نجود موہانی

بیا اے عشق رسوا اے جہانم کن کہ یکچندے
نصیحتہائے بیدردان شنیدن آرزو دارم

اردو شاعری کے آدم اوّل ہین حضرت امیر خسرو دہلوی اور آدم ثانی ہین (بربنائے شہرت عام) حضرت ولی دکنی۔ متقدمین مین اقلیم سخن کا نظم و نسق میر تقی میر اور میرزا رفیع سودا کے ہاتھون مین دیا گیا اور متاخرین مین تاج دارائی میرزا غالب کے سر پر جلوہ افگن ہوا۔

زبان پہ بار خدایا یہ کسکا نام آیا ۔۔۔ کہ میرے نطق نے بوسے مری زبان کے لیے

شعرائے اردو کے تذکرون پر بالاستیعاب نظر کرنیسے حقیقت بے نقاب ہو جاتی ہے کہ میر و سودا و غالب وغیرہ کے کوس لمن الملکی بجانے کا اعتراف اُن باکمال ہستیون کو ہے جن کا قول قول، جن کا فیصلہ فیصلہ تھا جنکی تعریف تمغائے افتخار و طغرائے اعتبار تھی اور

آج ہندوستان کے بچہ بچہ کی زبان پر جو اِن حضرات کی یکتائی کا ترانہ ہے۔ وہ حقیقت مین سخن سنجان ماضی و حال کے فیصلہ کی صدائے بازگشت ہے۔ ماہریان سحر حلال (اساتذۂ سخن) کے مرتبہ کا ادراک طبقہ عوام کو ہو نہیسے رہا۔ ان سے ایسی اُمید رکھنا کفر کے ایمان اور ایمان کے کفر بنجانے کی اُمید ہے اور بہرحال دلیل تنگ نظری۔ اِن نگانہ دہر افراد کے نقطۂ عروج کی حقیقی معرفت محال ہے جب تک اہل ذوق اساتذۂ ایران کی معجزہ آرائیون پر ایمان نہ لا چکے ہون اور اُنکی بیخزان بہار سے نگاہ کا دامن گلچین کا دامن نہ بن چکا ہو۔ خاصکر مرزا غالب کی قوتِ پرواز و قدرت ابداع و اختراع مضمون بلکہ انتخاب الفاظ و طرز ادا کی داد اُسوقت تک دی ہی نہین جاسکتی جب تک عرفی شیرازی، نظیری نیشاپوری کلیم ہمدانی، طالب آملی، شوکت بخاری، فغانی شیرازی۔ بیدل عظیم آبادی۔ ظہوری ترشیزی میر اکبر آبادی، سودائے دہلوی کے دیوان پیش نظر نہ رہ چکے ہون۔ یہ واقعہ ہے کہ مرزا نے فارسی مین وہ کچھ کر دکھایا ہے جو انھین کا حق تھا۔ عرفی وہ ظالم ہے کہ زمین پر پاؤن ہی نہین رکھتا۔ نظیری کی غزل ترانہ باربدی کا جواب ہے۔ بیدل کی فکر آسمان سیر ہے۔ ظہوری کا کلام جانِ معنی و جہان معنی ہے۔ مرزا جب انکا جواب لکھتا ہے تو خود وجد کرتا ہے اور نکتہ سنجون کو سجدہ ریزی کی تعلیم، اِن اُستادون کی غزل پر غزل کہنے کا سہرا متاخرین مین اگر ہے تو مرزا ہی کے سر ہے، پھر غزل بھی ایسی کہ اُس سے بالاتر محال نہین تو مشکل ضرور ہے۔

اب رہا دیوان اُردو۔ وہ جہان مختصر ہے وہان منتخب بھی ہے۔ ہان اس مین کلام نہین۔

شعر اگر اعجاز باشد بے بلند و پست نیست
در ید بیضا ہمہ انگشتہا یکدست نیست

یہ دیوان بھی مرزا کے کلام فارسی کے خصوصیات سے مالا مال ہے۔ مین اس وقت غالب لاجواب کی صرف ایک خصوصیت کا ذکر کرنا چاہتا ہون اور وہ یہ ہے کہ مرزا اکثر جس

مضمون پر قلم اُٹھاتے ہین اُسے انتہا کو پہونچا دیتے ہین - ہر پہلو پر نظر رہتی ہے اور کچھ اِس طرح کہہ جاتے ہین کہ اُسکا جواب لکھتے وقت نظر کردگان قدرت ایجاد سپر انداختہ نظر آتے ہین ہاتھ سے قلم چھوٹ پڑتا ہے۔ اجزائے شعر بکھرنے لگتے ہین ۔مثلاً

(حد شوق میکشی)

گو ہاتھ کو جنبش نہین آنکھون مین تو دم ہے　　رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے

(حد لذت تقریر)

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اُسنے کہا　　مین نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل مین ہے

(حد نا اُمیدی)

منحصر مرنے پہ ہو جس کی اُمید　　نا اُمیدی اُس کی دیکھا چاہیے

(بے اعتباری اہل دنیا)

کیا کیا خضر نے سکندر سے　　اب کسے رہنما کرے کوئی

مرزا کو مبدأ فیاض سے صرف فلسفی کا دماغ اور شاعر کا قلم ہی نہین عطا ہوا تھا بلکہ الہام نصیبون کا دل بھی، جو آورون کا آسمان ہے وہ مرزا کی زمین ہے ۔ مرزا کے خیالات وجذبات و اخلاق کا پایہ اس قدر بلند ہے کہ جو اُنکے بدیہیات ہین وہ اورون کے نظریات بھی نہین ! اور یہی وجہ ہے کہ اکثر حضرات مرزا کے واردات قلب سے اِس قدر متاثر نہین ہوتے جس حد کا اثر مرزا کی معجز بیانی نے اُن اشعار مین ودیعت رکھا ہے ۔مرزا کے اکثر اشعار وہ آئینہ تصور نما ہین جن مین مرزا اپنے دل پر گزرنے والے کیفیات کا مرقع بن کر اپنا عکس ڈال چکا ہے ، جن لوگون پر وہی گزری یا گزر رہی ہے وہ ایسے اشعار پر نظر پڑتے ہی دل تھام کر رہجاتے ہین یہ واقعہ ہے کہ مرزا کے پہچاننے والے کم تھے ۔ کم ہین ۔ اور کم رہینگے ہر شخص

مرزا کے کلام سے بقدر فہم لذت یاب ہوتا ہے۔ چنانچہ اس طرف اشارہ بھی کیا گیا ہے۔

دل حسرت زدہ تھا مائدۂ لذّتِ درد　　　کام یاروں کا بقدر لب و دندان نکلا

مرزا ایک ہی وقت مین خوش نصیب بھی تھا اور بدنصیب بھی۔ اُسکے واردات کی دنیا الگ تھی اُس زمانے کی دلّی اہل کمال کی سجی سجائی محفل ضرور تھی مگر مرزا کی نگاہین جن مناظر لاجواب کے مزے لوٹتی تھین دورباش ادب کی ہیبت آفرینیان اُن تک دوسری نگاہون کو قدم نہ بڑھانے دیتی تھین اور مرزا غریب اس اعتبار سے مسافر در وطن تھا آخر اپنے جذبات سے مجبور ہو کر حسرت بھرے لہجہ مین فریاد کر اُٹھا۔

بیاورید گر اینجا بود زباندانی　　　غریب شہر سخنہائے گفتنی دارد

تا ز دیوانم کہ سرمستِ سخن خواہد شدن　　　این مے از قحط خریدارے کہن خواہد شدن

ہندوستان کی بدنصیبی پر کہان تک رویئے رہا سہا ادبی مذاق تک چل بسا۔ مرزا کیا کسی اُستاد کے جگرپارون کو کلیجہ سے کون لگائے۔ فارسی برائے نام کالجون کے نصاب مین داخل تو ضرور ہے مگر اکثر جس طرح پڑھائی اور پڑھی جاتی ہے وہ اہل خبر سے پوشیدہ نہین۔ اس طرح کے پڑھنے والے (باستثنا البعض) اپنے نصاب ہی کو خوب سمجھتے ہین۔ پھر مرزا کی بلند پروازیون کی داد کو پہونچنا اُن کے بس کی بات کہان۔ کتابین یون دیکھی جاتی ہین جس طرح زچہ تارے دیکھتی ہے مگر اب زمانہ کروٹ بدل رہا ہے اور شکسپیرستان ہند ہی نژاد اپنے اُجڑے ہوئے گھرون اور بھولے ہوئے خزانون کی دیکھ بھال کی طرف متوجہ نظر آتے ہین اور یہ ایسا انقلاب ہے جسپر سجدۂ شکر واجب ہے۔ ارباب حل وعقد نے اب اس حقیقت کو سمجھ لیا ہے کہ جبتک اپنی زبان پر قدرت نہو دوسری زبان کے خزانون پر تصرف غیر ممکن ہے۔ ہر یونیورسٹی مین اُردو کی تعلیم ضروری قرار پاتی نظر آتی ہے۔ اب

وقت آگیا ہے کہ مرزا کے دیوان کی شرح ایسی لکھی جائے کہ دیوان خود بزبان حال پکار اُٹھے
کہ حق شرح ادا ہوگیا۔ اس سے یہ مطلب نہین کہ مین نے ایسی شرح لکھدی۔ مین اپنی کورسوادی کا
معترف ہون مگر جب و نیا اظہار خیال کے لیے آزاد ہے تو مجھے بھی جو کچھ کہنا تھا کہہ گزرا۔
سخن فہم ہمیشہ کم تھے اور اب تو زمانہ کج راہہ روکی بیداد سے نایاب ہوتے جاتے ہین
یہ لوگ سمجھتے ہین اور وجد کرتے ہین۔ اب رہے متوسطین و عوام وہ کلام غالب کو خود تو کہین
کہین سمجھتے ہین باقی کے لیے اُن کو موجودہ شرحون کی ورق گردانی کرنی پڑتی ہے جن مین
احباب نکتہ پرور نے بقدر قدرت داد سخن فہمی دی ہے۔ اسوقت دیوان غالب کی مندرجہ
ذیل کامل یا ناقص شرحین موجود ہین۔

(۱) وثوق صراحت واکہ دکنی (۲) شرح محمد والسنہ مشرقیہ حضرت شوکت میرٹھی۔
(۳) شرح مولانا حسرت موہانی (۴) شرح جناب نظامی بدایونی (۵) شرح جناب سید علی حیدر
صاحب حیدر نظم طباطبائی لکھنوی (۶) یادگار غالب حضرت حالی مرحوم (۷) شرح جناب
مولوی عبدالباری صاحب آسی (۸) شرح جناب سہا (۹) شرح جناب آجد دکنی۔

اِن شرحون مین جہان کہین کہین داد سخن فہمی دیگئی ہے وہین بعض بعض اشعار
کی شرح خواب تعبیر دشمن بن کر رہ گئی ہے اور جو شخص خود نہ سمجھتا ہو اُسکے دل مین (خاکم بدہن)
مرزا کی طرف سے سوظن پیدا ہوتا ہے۔ انشاء اللہ میری شرح کے مقدمہ مین جہان کلام مرزا
کی تنقید ہوگی وہین ان شرحون پر بھی مفصل تبصرہ ہو جائیگا۔

(۱) وثوق صراحت۔ مختصر سے مختصر اشارات کا مجموعہ ہے۔ شارح کے لیے اسکا
مفید نہونا ظاہر ہے۔

(۲) شرح مولانا حسرت۔ میرے خیال مین مولانا کی شرح اس قدر مختصر ہے کہ اُس پہ

اشارات کی لفظ صادق آتی ہے. مبتدی اُس سے کوئی خاص فائدہ نہین اُٹھا سکتا۔ بعض مقامات پر متحیرین کی سی رفتار ہے جیسی اور شرحون مین بھی نظر آتی ہے اور یہ مکمل شرح بھی نہین ہے ایسے مولانا نے آغاز شباب مین لکھا تھا جب خرد خردہ کار کے شباب کا زمانہ آیا تو شاہد سیاسیات کی پرستش جزو ایمان ہوگئی۔ اب جیسی نظر ثانی کی ضرورت ہے ویسی فرصت کہان ہے

زندہزار شیوۂ را طاعت حق گران نبود   لیک صنم بسجدہ در ناصیہ مشترک نخواست

(۳) شرح جناب شوکت۔ مجدد السنۂ مشرقیہ کی شرح کے متعلق بصد ادب اتنا ہی عرض کرتا ہو کہ آپ وہ پہلے شخص ہین جسنے اس عقدۂ مالاینحل کی طرف توجہ فرمائی، لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ شرح اکثر مقامات پر کافر ماجرائیون کا طلسم ہے۔ اشعار کہین کہین مسخ ہوگئے ہین مگر تحریف کاتب کا بھی ایسا علاج کیا ہے کہ باید و شاید۔ سب اشعار اس شرح مین بھی نہین۔ کہین کہین اعتراض بھی فرمائے ہین انکی تنقید کا انتظار کیجیے۔

(۴) شرح جناب نظامی بدایونی۔ اسکے متعلق اتنا ہی کافی ہے کہ یہ شرح بعض شرحون کی عکسی تصویر یا صدائے (گراموفون) کا نغمہ ہے اس سے تعرض مناسب نہین۔

(۵) یادگار غالب ازحالی مغفور" اس مین بعض بعض اشعار کا خلاصہ مطلب ہے وہ بھی کسی خاص مطلب کے اظہار یا ثبوت کے لیے اور بس اس سے بھی فی الحال تعرض مناسب نہین

(۶) شرح جناب طباطبائی اس شرح کو دیکھ کر ایک آتش مزاج دیکھنے والے کی زبان پر یہی آتا ہے "اگرچہ عوام مین یہ کتاب لاجواب مشہور ہے مگر مین اظہار حق مین سکوت حرام سمجھتا ہون۔ میرے نزدیک یہی وہ شرح ہے جسنے ہرکس و ناکس کو جناب غالب کی جناب مین دریدہ دہنی کا سبق دیا۔ یہی وہ شرح ہے جسنے غالب عدیم المثال کو قبر مین تڑپا یا ہو تو

جائے حیرت نہین اور یہی وہ شرح ہے جس کی بے گناہ کشی سے اشعار غالب سیاہ پوش نظر آرہے ہین اور دیکھیے اس گھر سے یہ ماتم کب نکلتا ہے۔ افتتاحیہ مطلع کے متعلق مہمل ہونیکا فیصلہ صادر فرمایا گیا اور تا حدامکان تمام شرح مین اصلاح فرمانے اور حرف رکھنے کی سعی بلیغ سے نکتہ سنج شارح کہین غافل نہین رہا۔ کہین تشبیہہ مہمل بتائی گئی کہین تخئیل لایعنی دکھائی گئی کہین انتخاب الفاظ کے گلے پر چھری پھرائی گئی۔ کہین طرز ادا کے خرمن پر بجلی گرائی گئی۔ اہل دل جب اس شرح پر نظر ڈالتے ہین تو بیساختہ علامہ فیضی کا یہ شعر اُنکی زبان پر آجاتا ہے ؎

خوئے عتاب آمیز را با لطف پیوندے بدہ　　ہم غمزہ را مشقے بکن ہم عشوہ را پندے بدہ

اور مزہ یہ ہے کہ ناآشنایان رموز نکتہ سنجی و محرومان ذوق سلیم بعض اشعار کی شرح مین شارح کو جی کھول کر داد دیتے ہوئے دیکھ کر گمان کرتے ہین کہ حق تنقید ادا کیا جا رہا ہے مگر مجھے حیرت ہے کہ اگر تنقید کلام یہی ہے تو تنقیص کمال کسے کہتے ہین۔ قصہ مختصر اس شرح مین انانیت اور پندار کے بادل جھوم جھوم کے اُٹھے ہین اور ٹوٹ ٹوٹ کے برسے ہین۔

مگر بیخود ناشاد نے جہان تک اس شرح پر نظر ڈالی ہے اُسے تو یہ کہنا مناسب نظر آتا ہے کہ سادگی اور جوش طبیعت مزاج شارح کے خاص جوہر ہین اسلئے ہر جگہ اپنے دل کی ترجمانی کی ہے وہ جہان برس پڑنے مین طوفان ہے وہان تعریف کرنے مین آندھی ہے۔ اگر کچھ شکایت فاضل شارح سے کی جاسکتی ہے تو اتنی کہ زیادہ نہ سہی غالب کو اپنا ہی سا نکتہ شناس محقق سمجھا ہوتا اور ایراد و اعتراض کو شک یا سوال کے قالب مین ڈھال دیا ہوتا۔ میری رائے مین جہان نکتہ سنج شارح نے دقت نظر سے کام لیا ہے وہان نکتہ رسی کا حق ادا کر دیا ہے اور

اُن مقامات کی داد نہ دینا مشرب انصاف مین کفر ہے مثلاً

قفس مین مجھسے رُوداد چمن کہتے نہ ڈر ہمدم | گری ہے جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیان کیون ہو
مجھ کو پوچھا تو کچھ غضب نہ ہوا | مین غریب اور تو غریب نواز

ہان جن مقامات پر سرسری نظر ڈالی ہے۔ اور جہان غالب فقید المثال کی شان فراموش ہوگئی ہے وہان بہت کچھ کہنے کی گنجائش ہے بہت سے اشعار کی شرح اُتنی ہی مشکل ہو جتنا اصل شعر کہین کہین بے پناہ شعر صرف تحسین فرماکر چھوڑ دیئے گئے ہین اور ایراد کرتے وقت مرزا کی جلالت قدر کا واجبی احترام نہین کیا گیا۔

مین ادب الکاتب والشاعر کے مؤلف اور ساقی نامہ شقیقیہ کے مصنف (نواب حیدر یار جنگ جناب سید علی حیدر صاحب حیدر) نظم طباطبائی کی قابلیت علمی کو دارائے اہمیت سمجھتا ہون اُنکی عروض دانی کا معترف اور پروفیسر نظام کالج حیدرآباد کی حیثیت سے اُنکی جلالت قدر کا معترف ہون مگر کرون کیا اس محل پر جناب طباطبائی کے احترام کے خیال سے خاموش رہنے کے معنے یہ نکلتے ہین کہ مرزا غالب ایسے یگانۂ دھر کی تنقیص کمال مجھے منظور رہے۔ اور یہی وہ خیال ہے جس کی بنا پر میرا ایمان خاموشی کو گناہ قرار دیتا ہے۔ باقی شرحون کے متعلق مجھے اسوقت کچھ کہنا نہین ہے۔ میرے احباب کو مطمئن رہنا چاہیئے۔ مین انشاءاللہ جادۂ انصاف سے نہ ہٹون گا۔ غلط اعتراض کے اُٹھانے کی کوشش کرونگا اور صحیح ایراد پر تسلیم خم کرون گا۔ دنیا مجھے اپنی صحیح رائے کے سامنے سربسجدہ پائیگی۔ مین مدت سے شرح کی داغ بیل ڈالنے کا ارادہ رکھتا تھا مگر ہمیشہ مجھے اپنی ناتندرستیون اور مجبوریون کا احترام سکوت پر مجبور کر دیتا تھا۔ لیکن جب سے یہ سمجھ مین آیا کہ میری زندگی نام ہے ناکامی ابد پیوند کا، میری زندگی

نام ہے ناتندرستیون کے سلسلہ نامتناہی کا بقول مخلصی مولانا رعب اعلی اللہ مقامہ[۹]

میرا افسانۂ غم مصداق ناتمامی   میری شب مصیبت مفہوم لاتناھی

مین نے خدا کا نام لیکر کشتی دھارے پر چھوڑ دی ۔ ع

ہرچہ بادا باد ما کشتی در آب انداختیم

الحمد للہ کہ اب شرح دیوان تمام ہوگئی ہے ۔ مین اب ایک غزل کا حل لکھتا ہون اور ساتھ ہی ساتھ موجودہ شرحون کی تنقید بھی کرتا جاؤنگا ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شبنم بہ گل لالہ نہ خالی ز ادا ہے   داغ دل بیدرد نظرگاہ حیا ہے

شوکت ۔ لالہ پر جو شبنم ہے وہ ادا سے خالی نہین ۔ بیدرد کا داغ اسکی حیا کا نظرگاہ ہے یعنی لالہ کو شبنم حیا کی نظر سے دیکھ رہی ہے کہ مین تھوڑی دیر مین مٹجاتی ہون اور لالہ کا داغ نہین مٹتا ۔ یہ بات از حد قابل شرم ہے ۔

تنقید ۔ کاش فاضل شارح نے شعر کی نثر ہی پر اکتفا فرمائی ہوتی ۔ اس فقرے سے کہ یہ بات از حد قابل شرم ہے یہی سمجھا جاسکتا ہے کہ لالہ کے لیے قابل شرم ہے اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ شبنم کیلیے ۔ مگر ان مین سے کوئی بات بھی الفاظ شعر کو مد نظر رکھتے ہوئے سمجھائی نہین جاسکتی شعر سے زیادہ شرح کا سمجھنا مشکل ہے ۔

حسرت موہانی ۔ گل لالہ پر شبنم کے قطرے نہین ہین بلکہ عرق شرم ہے ۔ شرم اس بات کی کہ لالہ کے دل مین داغ تو ہے لیکن درد نہین ہے ۔

حاشیہ ۔ جناب حسرت وہی فرماتے ہین جو جناب طباطبائی ۔ اس لیے تنقید بھی

وہین بھر رہے گی۔

جناب نظم طباطبائی۔ گل لالہ پر اوس کی بوندین ایک مطلب ادا کر رہی ہین وہ یہ کہ جس دل مین درد نہو اور داغ ہو جائے شرم ہے یعنی لالہ کے داغ تو ہے مگر درد عشق سے خالی ہے یہ بات اُسکے لیے باعث شرم ہے اور اسی شرمندگی سے اُسے عرق شرم آگیا ہے۔ مصرع مین "ہے" کے ساتھ "نہ" خلاف محاورہ ہے "نہ" کے بدلے "نہین" کہنا چاہیے۔

تنقید۔ پر وردگارا یہ داغ ہوا اور درد نہو کیا چیز ہے۔ اگر اس شعر کا یہ مطلب کہا جائے تو یہی سمجھ مین آئے گا کہ شاعر نے لالہ مین داغ بھی دیکھا اور شبنم بھی۔ سوال پیدا ہوا کہ ایسا ہے کیون۔ پھر اُسکی غیور طبیعت نے خود ہی وہ جواب دیا جو مولانا طباطبائی کے حل مین مذکور ہے مگر اسپر یہ کہا جاسکتا ہے کہ دیکھنے والے نے یہ کیون نہ سمجھ لیا کہ دلمین داغ ہو تو نہ رونا کیا معنی۔ یعنی جو داغ اُٹھائے گا بے روئے نہ رہے گا۔ اگر اُسکا جواب یہ دیا جائے کہ شاعر شاہراہ عامہ سے الگ جاتا ہے اس حالت مین داغ کے ہوتے ہوئے درد کا نہونا ادعائے محض ٹھہرتا ہے یہ صحیح ہے کہ ادعا شاعری مین ممنوع نہین مگر جب تا بلیف متین مطلب بے تکلف نکل آئے تکلف کی ضرورت ہی کیا ہے۔

آگے بڑھکر ارشاد ہوتا ہے کہ پہلے مصرعہ مین (ہے) کیساتھ (نہ) خلاف محاورہ ہے۔ مگر مین بادب عرض کرونگا کہ یون نہ کہتا تو ایا یون کہتا "شبنم بگل لالہ نہ خالی از ادا نہین ہے" اس صورت مین اہل ذوق سمجھ سکتے ہین کہ "شبنم" پھر "بگل لالہ" کے بعد "خالی از ادا نہین ہے" کہنا شعر کو ہیولی بنائے دیتا ہے۔ روابط کے سوا تمام شعر فارسی کے قالب مین ڈھلا ہوا ہے۔ صرف "ہے" اور "ہست" سے بدل دین تو شعر کا شعر

فارسی ہوا جاتا ہے اور ع موزون دہن پہ خوب ہے جوشِ جہان کی ہے۔

اُستاذ الکل فی الکل مرزا رفیع سوؔدا فرماتے ہین ؎

یان نہ ذرہ ہی چمکتا ہے فقط گرد کے ساتھ ‏ ‏ ‏ جلوہ گر نور ہے خورشید کا ہر فرد کے ساتھ

بیخود موہانی۔ حل۔ بیدرد۔ سنگدل جسے دوسرون کی مصیبت پر ترس نہ آئے نظرگاہ۔ اُمیدگاہ۔ مرزا صاحب فرماتے ہین کہ لالہ پر اوس کی بوندین یہ مطلب ادا کر رہی ہین کہ بیدردون کے داغ ہی سے حیا کی اُمیدین وابستہ ہین یعنی اہل دل جب یہ حالت دیکھتے ہین تو اُنکا خیال بیدردون کی ایک حالت خاص کیطرف منتقل ہو جاتا ہے اور وہ یہ کہ جب اُنکا (خواہ معشوق مرد ہو یا کوئی اور ظالم) دل خود کوئی صدمہ اُٹھاتا ہے۔ مثلاً کسی پر عاشق ہو جانا۔ مبتلائے فراق ہونا۔ کسی مصیبت مین پڑ جانا۔ کسی عزیز کا مر جانا۔ تو اُنکو عاشقون یا مظلومون کی تکلیف کا احساس ہوتا ہے اور یہی احساس اُنکو اپنے گذشتہ بیدردانہ طرز عمل پر شرمندہ کرتا ہے اور اُنکی آنکھون مین اشک ندامت جھلکنے لگتے ہین۔ جوش پشیمانی سے پیشانی عرق آلودہ ہو جاتی ہے اور اُنکی یہی ادا ہے کہ اہل دل اُسکے صلہ مین اُنکی تمام برائیون پر خاک ڈال دیتے ہین اور اُنکو اُس پشیمان ظالم پر پیار آنے لگتا ہے۔ اِس شعر سے توبہ کی حقیقت پر چھانون پڑتی ہے مرزا کے اخلاق کریمانہ کی تصویر آنکھون مین پھرنے لگتی ہے مصیبت بے رحمون کے لیے رحمت ہے اسلیے کہ رقت قلب پیدا کرتی ہے۔ مرزا نے فارسی مین بھی ایسا ہی کچھ کہا ہے ؎

نازنینان بجلند ار چہ جفا نیز کنند ×
زو فلسے کہ نکردند حیا نیز کنند

دل خون شدۂ کشمکش حسرت دیدار آئینہ بدست بتِ بدمست حنا ہے

مولانا شوکت۔ دل کشمکش حسرتِ دیدار سے بت بدمست حنا کے ہاتھ مین آئینہ بنا ہوا ہے یعنی اُسکے تغافل کو کھول رہا ہے کہ وہ حنا تو لگانے کے شوق مین بدمست ہے اور یہان حسرت دیدار مین دل کا کس قدر خون ہو رہا ہے بدمستِ حنا بُت کی صفت ہے۔

تنقید جناب شارح نے خیال نہین فرمایا کہ اس طرح مطلب کہنے مین شعر کا مفہوم گونگے کا خواب ہوا جاتا ہے۔

جناب حسرت موہانی (۱) دل اور آئینہ کی رسائی قسمت کا مقابلہ کرتا ہے کہ ایک ہمارا دل ہے خون شدۂ کشمکش حسرت دیدار ہے اور ایک آئینہ ہے جو اُس بدمستِ حنا کے ہاتھ مین ہے۔

(۲) دل حسرت دیدار مین خون ہو کر بصورت حنا اُسکے ہاتھ مین آئینہ بن گیا۔

تنقید مطلب اوّل ظاہر مین تو دل کو لگتی ہوئی بات ہے مگر اس مین مصیبت یہ ہے کہ لفظ "حنا" حشو محض ٹھہرتا ہے۔ حالانکہ مرزا کے یہان زوائد ہونگے بھی تو دفع نظر بد کیلیے۔ علاوہ برین بدمست حنا یہان بالاضافت نہین ہے۔ (۲) مطلب ثانی وہی ہے جو شوکت نے لکھا ہے۔

نظم طباطبائی۔ آئینہ دل مہندی بنگیا ہے یعنی حسرت دیدار نے اُسے پیس ڈالا اور اُسکے جگر کو لہو کر دیا۔ دل کو آئینہ بنا کر پھر اُسے حنا بنا دینا بہت ہی تصنع ہے اور بے لطف۔

تنقید۔ جناب طباطبائی کی شرح پر ناطقہ سر بگریبان ہے تو خامہ انگشت بدندان۔

رہی تنقید وہ دل لہو کیے دیتی ہے۔ دونون کی حقیقت حل مین آئینہ ہوئی جاتی ہے۔

تمہید۔ ہے یون کہ مرزا کا یہ شعر معشوق کی خود پرستی اور جمال کی محویت کے متعلق جواب نہین رکھتا۔ مطلب صاف ہے مگر نظر کون کرے بعض حضرات کو سمجھنے سمجھانے مین اسلیے دقت پیش آئی کہ اُنھون نے بدست حنا کو اضافت کے ساتھ پڑھا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اِس شعر مین تشابہات بھی جمع ہو گئے ہین۔ مثلاً دل اور آئینہ کی تشبیہ عام ہے۔ دل خون شدہ اور حنا مین تشبیہ موجود ہے۔

بیخود موہانی "دل حسرت دیدار کی کشمکش سے خون ہے آئینہ بت بدست کے ہاتھ مین حنا ہے۔ یعنی دل پاک صاف عاشق اِس قابل تھا کہ معشوق اُسے اپنا جلوہ زار بناتا۔ مگر برا ہو بدمستی کا کہ اُس ظالم نے اُسے حنا بنا دیا۔ مختصر یہ ہے کہ اُسنے دل کو آئینہ بنانے کے بدلے لہو کر دیا۔ اس شعر سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ خدا نہ کرے کہ کوئی قابل قدر چیز کسی قدر ناشناس کے ہاتھ پڑے۔"

(۲) معشوق اپنے جمال کی دلربائیون کے نظارہ مین ایسا محو و بیخود و مست و مدہوش ہو رہا ہے کہ آئینہ اُسکے ہاتھ مین یون بے حس و حرکت قائم ہے جیسے رنگ حنا کف دست پر اور حسرت دیدار کی کشمکش نے عشاق کے دلون کو لہو کر رکھا ہے یعنی معشوق خود اپنی صورت پر فریفتہ ہے وہ کیا جانے کہ کوئی مشتاق دید بھی ہے اور ہے تو اُس پر کیا بن رہی ہے۔

(۳) معشوق اپنے مہندی لپے ہوئے ہاتھون کو اس محویت سے دیکھ رہا ہے جس محویت سے بتان خود پرست آئینہ دیکھتے ہین۔ اور حسرت دیدار عشاق کا دل لہو کیے دیتی ہے

(۴) کشمکش حسرت دیدار مشتاقان دید کے دل لہو کیے دیتی ہے اور معشوق کو

خود آرائی (سنگار) کا اس قدر شوق ہے کہ آئینہ اُسکے ہاتھ مین مہندی بن کر رہ گیا ہے یعنی کسی وقت اُسکے ہاتھ سے چھوٹتا ہی نہین ایسا ہی کچھ ایک جگہ اور فرماتے ہین ؎

آرائش جمال سے فارغ نہین ہنوز　　پیش نظر ہے آئینہ دائم نقاب مین

فریفتگی معشوق کے متعلق مزید توثیق اور ضیافت طبع ناظرین کے لیے دو چار شعر اور لکھے جاتے ہین ؎

(لاادری)

باصد کرشمہ آن بت چم دست میبرد　　خود میکند خرام و خود از دست میرود

(غالب)

بخود رسید نشان از ناز بسکہ دشوار است　　چو ما بدام تمنائے خود گرفتار است

(حالی)

صید افگندہ و خود دست و بازوے خود است　　این جوان بود کہ شکار خویشتن خواہد شدن

(۵) حنا اُس بدمست کے ہاتھ مین آئینہ بنی ہوئی ہے یعنی صاف ظاہر کر رہی ہے کہ عشاق کے دل کشمکش حسرت دیدار سے لہو ہو رہے ہین یعنی آہ وہ اپنے غرور حسن سے بدمست ہو رہا ہے نہین تو رنگ حنا جو خون کا ہمرنگ ہے اُس پر ظاہر کر دیتا کہ عذر حنا کرنے سے مشتاقان دید کے دل لہو ہوئے جاتے ہین۔

حاشیہ۔ آئینہ کو بے حس و حرکت ہونے کی بنا پر حنا کہنا یا حنا کو معشوق کی محویت کے اعتبار سے آئینہ قرار دینا وہ انداز تکلم ہے۔ جو وہی شاعرون کے سوا کسی کو نصیب نہین ہوتا شعر کے الفاظ نہین شاطر نے سمجھ کر مُہرے ڈال دیے ہین ایک لفظ سے دوسرے لفظ کو زور پہونچ رہا ہے۔ لفظ کشمکش سے دل کے لہو ہونے کی تصویر کھچوں

مین بھپنے لگتی ہے۔ کشمکش یہ ہے کہ معشوق کی محبوبیت کا تقاضا ہے کہ اس تمنا سے درگزر دا اور حسرت دید کہتی ہے کہ بے دیکھے ٹلنا حرام ہے۔

شعلہ سے نہوتی ہوس شعلہ نے جو کی — جی کسقدر افسردگیٔ دل پہ جلا ہے

اس شعر کے حل مین مجھے زیادہ اختلاف نہین مین جناب طباطبائی کا ایراد نقل کرکے جواب دیئے دیتا ہون۔

طباطبائی فرماتے ہین "جی جلنا" اُردو کے محاورہ مین ناگوار ہونے کے معنی پر ہے۔ یہان یہ معنی مقصود نہین بلکہ جی کڑھنا مقصود ہے مصنف نے اپنی عادت کے موافق ادل سوختن کا ترجمہ کرلیا ہے۔ فارسی مین کہین گے کہ بربے برگیش دلم می سوزد۔ لیکن اُردو مین یہ کہنا کہ اُسکی بیکسی پر دل جلتا ہے اچھا نہین ہے۔ افسردگی دل سے اُسکا شعلہ عشق سے خالی ہونا مراد ہے

تنقید۔ جناب شارح نے غور نہین فرمایا۔ مرزا "جی جلنا" ناگوار ہونے اور غصہ آنے ہی کے معنے پر فرمارہے ہین" بیکسی پر دل جلنا" یہ مثال قیاس مع الفارق کا حکم رکھتی ہے۔ کجا بیکسی کجا پست ہمتی۔ کسی کی بیکسی پر غصہ آتا ہے بیرحمون اور بودون کو۔ اور اپنی کم جراُتی پر غصہ آتا ہے اہل دل کو (۲) ہان مرزا مجتہدین فن یعنی میرتقی میر و مرزا رفیع سودا کی طرح فارسی محاورون کا ترجمہ جائز ہی نہین ضروری سمجھتے ہین (۳) دل کی افسردگی سے اُسکا شعلۂ عشق سے خالی ہونا مراد نہین بلکہ پست ہمتی مراد ہے جسے اصطلاح علم اخلاق مین بیدلی کہتے ہین۔ دل جلنا دل کڑھنے کے معنون پر بھی ہے۔ مرزا رفیع سودا فرماتے ہین ؎

بیکس کوئی مرے تو جلے اُسپہ دل مرا ۔ گویا یہ ہے چراغ غریبان کی گور کا

بیخود موہانی ۔ دل کی بجھی دبنے حوصلگی پر حد کا غصہ آتا ہے اسکے ہاتھوں دل کی ایسی بربادی ہوئی کہ عشق کے چلتے نہوتی ۔ کوئی اُستاد کہتا ہے ؎

نہ زخم تازہ می خارد نہ داغ کہنہ می کاود
بدہ یارب دلے کاین صورت بے جان نمیخواہم

تمثال مین تیری ہو وہ شوخی کہ بصد ذوق ۔ آئینہ باندازِ گل آغوش کشا ہے

جناب حسرت و شوکت و طبا طبائی نے پورے طور پر حق شرح ادا نہین کیا ۔ مین صرف جناب طبا طبائی کی عبارت نقل کیے دیتا ہون ۔ اسلیے کہ عبارت واضح نہین ہے

جناب طبا طبائی ارشاد فرماتے ہین کہ تیرے عکس عارض کا رنگ ایسا شوخ ہے یا تمام تمثال مین ایسی شوخی بھری ہے کہ آغوش آئینہ آغوش گل بن گیا ہے اور تیرا عکس آئینہ کو گل کی طرح شگفتہ کر کے نسیم کیطرح اسکے آغوش سے نکل گیا ۔ یہان عکس کی شوخی بیان کرنیسے خود معشوق کا بچپن اور شوخ ہونا بالالتزام ظاہر ہوا ۔

تنقید ۔ جناب غالب نے آئینہ کی آغوش کشائی کو گل کی آغوش کشائی سے تشبیہ دی تھی جسنے جناب شارح کو اپنی شرح مین عکس کو نسیم تشبیہ دینے پر ابھارا اور اُس مین اتنی محویت ہوئی کہ مطلب کے ادا نہونے کیطرف توجہ فرمانے کا موقع نہ ملا ۔ صرف اتنا ہی نہین ہے کہ مرزا التشبیہ پر تشبیہ دیتا چلا جاتا ہے بلکہ اس تشبیہ سے مرزا کا خاص مطلب ہے جو حل مین بیان کیا جائیگا ۔ یہ نظریہ ہے کہ پھول کھلنے کے بعد پھر کلی نہین بن سکتا

ہان جناب طباطبائی کا یہ ارشاد ضرور صحیح ہے کہ یہان عکس کی شوخی بیان کرنے سے معشوق کا چنچل ہونا بالالتزام ظاہر ہوا۔

حل بیخود موہانی   تمثال۔ عکس۔ تصویر

(۱) آئینہ مین چوکھٹا ہوتا ہی ہے مگر عاشق کو چنچل معشوق کی شوخیون سے متاثر ہونیکی حالت مین ایسا نظر آرہا ہے کہ اسکے عکس مین ایسی شوخی ہے کہ اُسکے اثر سے بیتاب ہوکر آئینہ اُسکی تمثال کو کلیجے سے لگا لینے کیلیے گل کی طرح آغوش کھولے ہوئے ہے۔

(۲) تو اتنا چنچل ہے کہ آئینہ ادھر اُٹھایا ادھر رکھ دیا۔ تیری شوخی سے بیتاب ہوکر آئینے نے آغوش کھولا تو پھر گل کی طرح کھولے ہی رہ گیا۔ یعنی حیرت شوق آئینہ پر طاری ہوئی تو ہمیشہ کیلیے طاری ہوئی جس طرح کلی کھلجانے کے بعد پھر کلی نہین بن سکتی۔

قمری کف خاکستر و بلبل قفس رنگ   اے نالہ نشان جگر سوختہ کیا ہے

شوکت قمری جل کر راکھ کی مٹھی بن گئی اور بلبل کا رنگ قفسی یعنی سیاہی مائل ہے۔ اے نالہ اُن کے جگر سوختہ کا بھی کچھ نشان ہے۔ قمری کا رنگ خاکستری اور بلبل کا سیاہ (آہنی پنجرے کے ہمشکل) ہوتا ہے اور دونون نالہ کرتی ہین اور اور نالہ ہی نے اُنکو جلا دیا۔ تمام نسخون مین قفس رنگ بالاضافت غلط طبع ہوا ہے۔ بلکہ "قفسی رنگ" ہے۔

تنقید۔ اس حل مین اے نالہ اُن کے جگر سوختہ کا کوئی نشان بھی ہے عجیب صرفہ ہے۔ اتنی کاوش ہوئی مگر بیت جیسی عقیم تھی ویسی ہی عقیم (بانجھ) رہی۔

حسرت۔ جگر سوختہ کا کوئی نشان سوائے نالہ کے باقی نہین ہے۔ پہلا مصرع

بطور تمہید کے لکھا ہے کہ جس طرح قمری عشق سرو مین ایک کف خاکستر اور
بلبل عشق گل مین صرف رنگ ہی رنگ رہ جاتی ہے۔ اسی طرح ہمارے
جگر سوختہ کا کوئی نشان بجز نالہ کے باقی نہین رہا۔

تنقید۔ اگر جناب حسرت کا حل صحیح مانا جائے تو یہ مصیبت پیش آتی ہے کہ کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ اگر ہمارے جگر سوختہ کا نشان سوا نالہ کے کچھ باقی نہین ہے اور اتنا ہی کافی ہے تو یہ بات یعنی نالہ کشی تو بلبل و قمری مین بھی پائی جاتی ہے۔ پھر مرزا سا نبض شناس لفظ و معنی قمری کو کف خاکستر اور بلبل کو قفس رنگ کہکر معنی و حسن شعر مین کیا اضافہ کرتا ہے۔ اور جب ایسا نہین ہے تو ع

این دفتر بے معنی غرق مے ناب اولے

جناب طباطبائی۔ قمری مین بسبب نالہ کشی کے کچھ خاکستر جگر پائی جاتی ہے اور بلبل مین کچھ رنگ جگر کا ملتا ہے باقی جگر کا کچھ پتہ نہین۔ مطلب یہ ہے کہ نالہ کشی ایسی چیز ہے کہ جگر کو جلا کر نابود کر دیتی ہے اور قفس بمعنی سبد بھی ہے۔ وہی معنی یہان مراد ہین قمری کو کف خاکستر فارسی والے باندھا کرتے ہین لیکن (۱) بلبل کو سبد رنگ کہنا نئی بات ہے مگر بے لطف ہے۔

(۲) نالہ کو مخاطب بنانا بھی بے مزہ بات ہے اور جگر سے بظاہر بلبل و قمری کا جگر مراد ہے۔ احتمال یہ بھی ہے کہ اپنے جگر سوختہ کا نشان شاعر پوچھ رہا ہے شعر مین جہان دوسرے معنی کا احتمال پیدا ہوا وہ سست ہو گیا۔

تنقید۔ مفہوم شعر کے متعلق مین طول کے خوف سے کچھ نہ لکھونگا۔

(۱) بلبل کو قفس سے جیسی مناسبت ہے ظاہر ہے پھر بلبل کو قفس رنگ کہنا یا قفس رنگ

کہنا بلبل کے مضمون پر ایک لطیف وجدید لفظ کا اضافہ ہے جیسے لیلی کو جان مجنون کہنا۔ اور اسکی داد اہل ذوق پر واجب ہے۔ یہ صحیح ہے کہ جسطرح سُرخی اور اگری وغیرہ رنگون کے نام ہین اُس طرح قفسی کسی رنگ کا نام نہین ہے مگر رنگ سیاہ کی جگہ پر قفسی رنگ کہنا اور پھر بلبل کے متعلق ضرور داد کے قابل ہے

(۲) خبر نہین نالہ کو مخاطب بنانا کیون بے مزہ ہے اسلیے کہ غیر ذی روح اشیاء سے جانداروں کی طرح خطاب کرنا ایران و ہند کی شاعری مین عام ہے اور انگریزی مین بھی نایاب نہین۔

(۳) یہ ارشاد کہ شعر مین جہان دوسرے معنی کا احتمال پیدا ہوا وہ سُست ہو گیا۔ بجا ہے مگر جب احتمال ہو بھی جب تغیر لہجہ یا کسی اور صورت سے کئی مفہوم بے تکلف نکلین تو داد کے قابل ہین۔ خواہ وہ مطالب مصنف کے ذہن مین شعر کہتے وقت موجود ہون یا نکات بعد الوقوع کے تحت مین آئین اور یہ تو شاعری کا معجزہ ہے کہ شعر دو متضاد معنے رکھتا ہو اور دونون اپنی جگہ لطیف و مضبوط ہون جس طرح تصویر کی آنکھ بنانے مین کمال مصور یہ ہے کہ ایسی آنکھ بنائے کہ انسان جس سمت سے تصویر پر نظر ڈالے یہی سمجھے کہ صاحب تصویر مجھی کو دیکھ رہا ہے رخاص کر توریہ کے محل پر ایسا کلام کمال زبان آوری کیلیے مایۂ ناز ہے) خلاق المعانی حضرت خاقانی فرماتے ہین۔

ہمسایہ شنید نالہ ام گفت　　　خاقانی را دگر شب آمد

(۱) ہمسایہ نے میرا نالہ سُنکر کہا، لو پھر رات ہوئی کمبخت نے کل کی رات نیند حرام کر دی تھی آج کی رات بھی آنکھون مین کٹتی نظر آتی ہے۔

(۲) ہمسایہ کا مطلب یہ ہے کہ خاقانی رات اس درد و کرب سے رو رہا تھا کہ رات

کٹنے کی اُمید نہ تھی تعجب ہے کہ ابتک زندہ ہے۔

(۳) ہمسایہ ہمدردانہ لہجہ مین کہتا ہے کہ خاقانی بیچارے کی رات بڑی مصیبت سے کٹتی ہے۔ لو پھر رات ہوئی اور پھر اُس پر دہی شدائد گزرنے لگے۔ ہائے کیسی مصیبت کی زندگی ہے۔

(۴) ہمسایہ بنظر استہزا کہتا ہے کہ لیجیے پھر رات ہوئی اور پھر وہی ادھم ہونے لگا۔

(خدائے سخن میر)

جو پوچھا کہ کتنا ہے گُل کا ثبات   کلی نے یہ سُنکر تبسّم کیا

(۱) حل۔ کلی نے بتا دیا کہ گُل کا ثبات بقدر یک تبسّم ہے

(۲) کلی اس بات پر مسکرائی کہ میری بہار عُمر کی بے ثباتی سے مجھے کس لطیف پیرایہ مین آگاہ کیا۔

(۳) کلی پوچھنے والے کی سادگی پر مسکرائی کہ مین تو ابھی کلی ہون مین کیا جانون کہ گل کا ثبات کتنا ہے یہ پوچھنا ہے تو گل سے پوچھیے۔

(۴) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضور کے نصیحت فرمانے کی ضرورت نہین مین خود اپنی بے ثباتی سے واقف ہون

(۵) مسکرانے کی وجہ یہ تھی کہ چلے ہین اسوقت آغاز بہار و شباب مین نصیحت کرنے جس وقت کوئی کسی کی نہین سنتا۔

مین پھر غالب کا اصل شعر لکھے دیتا ہون۔

قمری کفِ خاکستر و بلبل قفس رنگ   اے نالہ نشانِ جگر سوختہ کیا ہے

نتیجہ دستمری بھی نالہ کش ہے اور بلبل بھی۔ قمری سوز عشق سے جلکر کف خاکستر

اور بلبل خاک سیاہ۔ اور اس طرح دونون اپنے سوز عشق کا مرقع بنی ہوئی ہین۔ ان کا دعوی عشق مسلم ہے۔ لے نالہ مین اپنے سوز دل کے ثبوت مین دنیا کو کیا دکھاؤن خالی نالہ دعوی بے دلیل ہے اور موجب رسوائی۔ کمال عشق یہ ہے کہ عاشق ہمہ تن سرتا سر ایا شعلہ بنکر رہ جاے۔ مراد یہ ہے کہ مین شیدائیون کی صف مین آتے ہوئے شرماتا ہون اسلیے کہ میرا سوز سوز ناتمام ہے۔ مثال کے طور پر کچھ شعر لکھے جاتے ہین ؎

(غالب)

اُس شمع کیطرح سے جسکو کوئی بجھا دے	مین بھی جلے ہوون مین ہون داغ ناتمامی

(سودا)

سودا قمار عشق مین مجنون سے کوہکن	بازی اگرچہ لے نہ سکا جی تو کھو سکا
کس منہ سے پھر تو آپ کو کہتا ہے عشقباز	خانہ خراب تجھسے تو یہ بھی نہ ہو سکا

(۲) اگر مصرعہ ثانی کو تحقیر کے لہجہ مین پڑہین تو ایک مفہوم اور بھی نکلتا ہے:
انسان اشرف المخلوقات ہے ظرف اُسے اپنی حیثیت کے موافق عطا ہوا ہے۔ اے نالہ تو قمری کو خاکستر اور بلبل کو خاک سیاہ دیکھ کر مجھسے میرے جگر سوختہ کا نشان پوچھتا ہے مین تجھے کیا بتاؤن میرے جگر سوختہ کا نشان ہی کیا۔ مین بلبل و قمری کا سا اوچھا نہین۔ مجھے جیسا سوز عطا ہوا ہے ویسا ہی ضبط بھی۔ (دوہا)

آہ کرون تو جگ جلے اور جنگل ہو جل جائے	یہ پاپی جیرا جلے کہ جہین آہ سمائے

(شیخ ناسخ علیہ الرحمہ)

قسمت کیا ہر ایک کو قسام ازل نے	جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا
بلبل کو دیا نالہ تو پروانہ کو جلنا	غم ہم کو دیا سب سے جو مشکل نظر آیا

(کوئی اُستاد کہتا ہے)

بلبل نیم کہ نعرہ زنم درد سر کنم | قمری نیم کہ طوق بہ گردن در آورم
پروانہ نیستم کہ بہ یکدم عدم شوم | شمعم کہ جان گداز نم ودم بر نیاورم

(۳) قمری مین سوز دل تھا وہ جل کے راکھ کے رنگون ہوگئی۔ بلبل سیاہ پڑکر رہ گئی۔ مگر ہم ایسے بدنصیب ہین کہ سوز دل نے کلیجہ پھونک دیا اور دنیا نے نہ جانا کہ ہم پر کیا گزری۔

(دوہا)

لکڑی جل کوئلہ بھئی اور کوئلہ جل بھئی خاک | مین پاپن ایسی جلی نہ کوئلہ بھئی نہ راکھ

(۴) جب کوئی چیز جلجاتی ہے تو کوئلہ ہو جاتی ہے اور جب بالکل جلجاتی ہے تو راکھ ہو جاتی ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ ایک کالا نگ خاکستری ہے دوسرے کا سیاہ۔ آخر ان دونون مین ترجیح کسکو ہے یعنی میرے نزدیک تو قمری کو بلبل پر ترجیح ہے۔

خو نے تری افسردہ کیا وحشت دل کو | معشوقی و بے حوصلگی طرفہ بلا ہے

جناب شوکت۔ تیری خو مین اسقدر شوخی بھری ہے کہ اُسکے سامنے وحشت دل افسردہ ہے۔ خوئے معشوق اور وحشت کی بے حوصلگی دونون میرے لیے عجیب بلائین ہین۔

تنقید۔ اگر مطلب یہی ہے تو اس مین خوبصورتی کا نام نہین، اسلیے کہ برہنہ لفظون مین اسکے معنے یہی تو ہوئے کہ معشوق کی گرماگرمی عاشق کی بیتابیون اور اُمنگون سے بڑھی ہوئی ہے۔ یہ واقعہ بھی ہو تو کہنے کی بات نہین۔

جناب طباطبائی۔ معشوق ہو کر ایسا پھیکا پن، ایسی ٹھنڈی طبیعت، نہ ناز و ادا کا حوصلہ، نہ چھیڑ کا مزہ۔ طرفہ بلا ہے۔ یعنی قابل نفرت ہے خو سے بیدماغی و بدمزاجی مراد ہے۔ لفظ وحشت اس شعر مین مصنف نے ذوق و شوق کی جگہ پر باندھا ہے اور اصل مین وحشت و نفرت کے معنے قریب قریب ہین وہ یہان بنتے نہین کیونکہ مطلب یہی ہے کہ تیری بدمزاجی سے دل کو وحشت ہو گئی نہ کہ وحشت دل افسردہ ہو گئی۔ غرض ان کو یہ کہنا چاہیے تھا کہ افسردہ کیا خواہش دل کو یا حسرت دل کو جب لفظ مطابق معنی ہوتا

تنقید:۔ (۱) "طرفہ بلا ہے" کے یہ معنی صحیح نہین کہ قابل نفرت ہے بلکہ عجیب (انمل) بے جوڑ یا تماشے کی بات ہے اور بس۔ ایسے محل پر قابل نفرت وہ بڈھے کہہ سکتے ہین جن کا معشوق جوان ہو، یا بادشاہ تندمزاج کہہ سکتا ہے جسکا جواب شیرین کی زبان سے سنیے۔ ترا شاہی سے تو نے عشقبازی

(۲) وحشت کے معنی یہان ولولے اور اُمنگ کے ہین جسے معشوق اپنی زبان مین وحشت کہتے ہین جب عاشق معشوق کو چھیڑتا ہے یا ابتیا بیان کرنے لگتا ہے تو عشوہ اکثر اسکی زبان سے ایسے الفاظ نکلوا دیا کرتا ہے جیسے یا وحشت۔ مرزا نے معشوق کی زبان سے نکلا ہوا صرف ایک لفظ یعنی "وحشت" دوہرا کر عاشق و معشوق کی خلوت عاشق کی چھیڑ چھاڑ اور معشوق کے جواب کی تصویر کھینچ دی جسکا لطف کچھ اہل ذوق ہی جانتے ہین اپنی تنقید کی توثیق کے لیے مرزا ہی کا ایک مطلع اور جناب طباطبائی کی شرح نقل کیے دیتا ہون ؎

عشق مجھکو نہین وحشت ہی سہی — میری وحشت تری شہرت ہی سہی

جناب طباطبائی اس شعر کا مطلب یہ تحریر فرماتے ہین یعنی تو میرے اظہار عشق پر کہتا ہے کہ تو دیوانہ ہو گیا ہے۔ تو اسکا جواب یہ ہے کہ عشق مجھ کو

نہین وحشت ہی سہی۔

(۲) تیری بد مزاجی سے دل کو وحشت ونفرت ہو گئی۔ یہان یہ فقرہ بھی عاشق کی زبان سے کچھ اچھا نہین معلوم ہوتا۔ خاصکر جب الفاظ مصنف کانون پر ہاتھ دھرے ہین۔ مراد قائل ابا کر رہی ہے۔ طبع شاعر آمادہ ہر بلا ہے

(۳) وحشت دل کو خواہش دل یا حسرت دل سے بدل تو دین مگر مذاق سلیم کی پیشانی شکن آلود ہو جائے گی۔

بیخود۔ تیری بے دماغی ہتیرے روکھے پھیکے پن سے دل کی امنگین کو کم اور ولولون کا جوش ٹھنڈا ہو گیا۔ معشوق ہو کر چھیڑ چھاڑ سے ایسی نفرت۔ تو یہ

[illegible]

مجبوری و دعوائے گرفتاری الفت دست تہ سنگ آمدہ پیمان وفا ہے

بیخود۔ مجھے اس شعر کے مطلب مین کسی سے اختلاف نہین ہے۔

حل۔ مرزا صاحب فرماتے ہین کہ ہم حالت مجبوری مین محبت نباہ رہے ہین۔ ہمارے پیمان وفا کی مثال ایسی ہے جیسے پتھر کے نیچے کسی کا ہاتھ دب گیا ہو اور نکالتے نہ بنے اس مین ایک لطیف نکتہ یہ بھی ہے کہ عہد کرتے وقت ہاتھ پہ ہاتھ مارتے ہین۔ گویا ہم اور معشوق سے پیمان وفا نہین ہوا ہے۔ بلکہ مجبوری ہے۔ (یہان مجبوری ذی روح تصور کی گئی ہے)

معلوم ہوا حال شہیدان گزشتہ تیغ ستم آئینۂ تصویر نما ہے

گزارش۔ اس شعر کے مطلب مین مجھے کسی سے اختلاف نہین۔ ہان اتنا عرض کر دینا ہے

تو ادائے مطلب مین قاصر نہین ۔ خبر نہین کہ جناب طبا طبائی نے ادائے مطلب کا معیا
کیا قرار دے رکھا ہے ۔

حل ۔ کسی مجروح یا تماشائی کی نظرون مین معشوق (یا کسی ظالم) کی تیغ ستم کا انداز
دیکھ کر اگلے شہیدون کی تصویر پھر گئی ہے ۔ او ر وہ کہتا ہے کہ تیری تلوار تلوار نہین ایک
آئینہ تصویر نما ہے یعنے اِس سے پتہ چلتا ہے کہ اِس تلوار کے گھاٹ اُترنے والون
پر کیا گزری ہوگی ۔

اے پرتو خورشید جہانتاب اِدھر بھی　　سایہ کی طرح ہم پہ عجب وقت پڑا ہے

پرتو خورشید ۔ رحمت پروردگار ۔ یا جناب رسالتمآب ۔ کرم و جلوہ معشوق ۔ مرشد

حل ۔ اے تمام دنیا کے روشن کرنیوالے آفتاب کے نور ، ایک نظر کرم ادھر بھی ۔ ہم پر سایہ
کی طرح عجب وقت پڑا ہے ۔ اِس شعر مین بہت سے لطیف نکتے ہین

(۱) دھوپ جب سایہ پہ آجاتی ہے تو وہ بھی دھوپ ہو جاتا ہے ۔ یعنی ہم کو اپنے
رنگ مین رنگ دے ۔

(۲) سایہ کی تشبیہ تعریف سے بے نیاز ہے ۔ وہ یون کہ سایہ کی مصیبت آفتاب
کے سوا کسی کے ٹالے ٹل نہین سکتی ۔ یعنی ہمارے درد کا علاج تیرے سوا کسی کے
بس کی بات نہین ۔

(۳) آفتاب کو سایہ کے چمکا دینے مین کوئی دقت ہوتی ہے نہ تکلیف یعنی
تیرے ادنیٰ اشارہ مین ہمارا کام بنجائیگا ۔

(۴) عجب وقت پڑا ہے یعنی سخت سے سخت مصیبت ہے جسکے اظہار کیلیے

الفاظ ہی نہین ملتے نہ کوئی اُس مصیبت کا صحیح اندازہ کر سکتا ہے۔

ناکردہ گناہون کی بھی حسرت کی ملے داد
یارب اگر ان کردہ گناہون کی سزا ہے

جناب شوکت کی شرح مین یہ شعر نہین جناب حسرت نے صرف نثر فرمادی ہے جناب طباطبائی نے صرف تحسین و تمجید پر اکتفا فرمائی (یعنی میر تقی کو بھی حسرت ہو گی کہ یہ مضمون مرزا نوشہ کے لیے بچ رہا) حالانکہ یہی شعر بیت الغزل (غزل کی جان) ہے۔

حل۔ کوئی گنہگار دنیا مین اپنے اعمال کا محاسبہ کرتے وقت یا میدان حشر مین پرسش اعمال کے موقع پر کہتا ہے کہ اے میرے پروردگار اگر میرے کیے ہوئے گناہون کی سزا دیتا ہے تو جن گناہون کی حسرت رہگئی (یعنی جو گناہ قدرت نہ ہونے کی وجہ سے یا تیرے خوف کے سبب سے یا تیری خوشنودی کے خیال سے نہین کیے) پہلے اُسے نکال دے پھر جو سزا جی چاہے دے لے مین خوشی سے بھگت لونگا۔

حاشیہ۔ اِس شعر مین مرزا نے انسان کے ذوق گناہ کی انتہا دکھائی ہے۔

(۲) پروردگار اگر میرے کئے ہوئے گناہون کی سزا دینا ہے۔ تو خیر لیکن جن گناہون کی حسرت رہ گئی (اور ناکامیون نے میرے دل پر جو قیامتین توڑی ہین) تو اُن سے خوب واقف ہے جو گناہ قدرت نہونے کیوجہ سے مین نے نہین کیے اسپر جو تکلیف میرے دل کو ہوئی عجب نہین جو وہی میرے گناہونکا کفارہ ہوگئی ہو۔ اور جو گناہ تیرے خوف سے نہین کئے اور جن لذتون کو تیری خوشنودی کے لیے ترک کیا اُن کا اجر ملنا چاہیے فیصلہ کرنے مین یہ تمام امور مد نظر رہین عجب نہین کہ مین جزا کا مستحق ٹھیرون سزا کیسی۔

حاشیہ۔ مرزا نے بازپرس قیامت کے لیے قیامت کا جواب پیدا کیا ہے اور کس بلیغ انداز سے اپنا مطلب ادا کیا ہے۔

بیگانگیِ خلق سے بیدل نہ ہو غالب — کوئی نہین تیرا تو مری جان خدا ہے

حل۔ اے غالب اگر تجھے دنیا نے چھوڑ دیا تو ہراسان ہونیکی کون سی بات ہے اگر کوئی تیرا شریک حال نہین ہے نہ سہی خدا تو ہے۔ یہ شعر پڑھتے وقت ایک ایسے ناامید مجبور و ردکردہ دوستان و مبتلائے آفات کی تصویر نظرون مین پھرنے لگتی ہے جسے اُمید کا فرشتہ تسکین دے رہا ہو۔

مُرِ تحقیق

(بجواب)

نقدِ انتقادِ بیخودی

پاے من و بند سخت قلبِ من و دردِ صعب
شورِ زنجیرِ من و نالۂ دلم آہے بس است (بیخود موہانی)

اپریل کی بائیسوین (۱۹۲۵ء) کو اودھ پنچ مین ادبار الشعرا کے فرضی نام سے ایک مضمون شائع ہوا، جسکی سُرخی نقدِ انتقادِ بیخودی تھی، اس مین میرے اُس مضمون پر نکتہ چینی کی گئی تھی، جو الناظرین " دیوان غالب کی شرحون پر ایک سرسری نظر" کے عنوان سے نکلا تھا، مگر یہ وہ زمانہ تھا جب مجھے اپنے گود کے پالے، اپنی آنکھون کے تارے (سب سے چھوٹے بھتیجے) کی آخری نازبرداریون مین سر و پا کا ہوش نہ تھا۔ ہر شام آفت کی شام تھی اور ہر صبح قیامت کی صبح۔ یاس و اُمید مین ردّ و بدل ہو رہی تھی۔ دن چارہ گرون کے در کی خاک چھانتے گزرتا۔ رات آنکھون مین کٹتی۔

ابھی بیمار کی نبض دیکھ رہا ہوں، ابھی اُسکی سانس پر نظر ہے۔ اِس ننھی سی جان پر وہ تکلیف تھی کہ خدا دشمن کو نہ دے۔ سانس یوں چلتی تھی جس طرح آرے چلتے ہیں اور میں ؎

تپش صرفِ خلیدن پہلو نفس تنگ و نبض نشتری

کے خیال کو دل سے بھلانا چاہتا تھا، مگر نہ بھولنا تھا جسے آخرکار موت نے مرض کا لباس اُتار پھینکا اور اب صاف نظر آنے لگا کہ جسے ہم بیماری سمجھے ہوئے تھے وہ ملک الموت کا ایک بھیانک روپ تھا۔ مختصر یہ کہ ماں کی گود اسکے جھولے کیطرح خالی ہو گئی اور چاہنے والوں کو یہ کہکر چپ ہو جانا پڑا ؎

دیوانہ چل کھڑا ہوا دامن کو پھاڑ کے سمجھانے والے بیٹھ رہے ہاتھ جھاڑ کے

جب وہ پیاری صورت جب وہ موہنی مورت خاک میں مل چکی میرا یہ عالم ہوا کہ راہ چلتے گھر بیٹھے، سوتے جاگتے مجھے اُسکے کراہنے کی آواز سنائی دینے لگی اور ؎

دنیا کراہنے کی صدا بن کے رہ گئی میں دل کو مرتے دیکھ کے آفت میں پڑ گیا

کا مفہوم میری سمجھ میں آنے لگا، اور گھر کیا دنیا کی ایک ایک چیز سے اُسکا تعلق نظر آنے لگا، اور میرے دل کی حالت ہوئی ؎

تھا کچھ نہ کچھ ضرور ہر اک شے میں دل کا رنگ جس چیز پر نگاہ پڑی میں نے آہ کی

تو وہاں کا قیام ترک کرنے کے سوا کوئی صورت نظر نہ آئی۔ اور میں لکھنؤ آیا۔ یہاں مجھے بائیسویں اپریل کا پرچہ (اودھ پنچ) مکرمی جناب شیخ ممتاز حسین صاحب عثمانی مدیر اودھ پنچ سے ملا۔ مگر میں بھی اپنے حواسوں کو رو رہا تھا کچھ لکھ نہ سکا۔ اسکے بعد محبی جناب حکیم آشفتہ صاحب کی عنایت سے چھٹی مئی کا اودھ پنچ ملا۔ میں نے عترا مضمون پنچ کی

تو مجھے نہایت افسوس ہو کہ معترض نقاد نے نہ تو مرزا غالب کی غزل کے حل پر قلم اُٹھایا تھا نہ مری کسی ناچیز رائے پہ کوئی مدلل تقریر کی تھی بلکہ میری اُردو دانی پر بچون کے کھیلنے والے طعنے کسے تھے۔ جی مین آیا سے

(بدم گفتی و خورسندم عفاک اللہ نکو گفتی
جواب تلخ می زیبد لب لعل شکر خارا)

پڑھوں اور خاموش ہو رہوں، لیکن میرے احباب نے نہ مانا اور جواب لکھنے پر آمادہ ہی مجبور کیا، جیسا جناب سید علی حیدر صاحب نظم طباطبائی لکھنوی سابق پروفیسر نظام کالج رکن دار الترجمہ حیدرآباد کو اُن کے احباب نے میرے مضمون پر خامہ فرسائی کیلیے مجبور کیا تھا۔ یہ بھی مجھے گوارا نہوا کہ فاضل مضمون نگار میری خاموشی کو اپنے مضمون کا جواب سمجھکر اپنی توہین قرار دے اور اپنے احترام کا ماتم کرے۔ یہ بھی اچھا نہ معلوم ہوا کہ عوام غلط فہمی مین مبتلا رہین، میرے سچے چاہنے والے آزردہ ہون یہ بھی پسند نہ آیا کہ بے وجہ دشمن بن بیٹھنے والون کی زبان سے خواجہ آتش علیہ الرحمہ کے لاجواب نغمہ کی تانین فضا مین گونجین سے

بڑا شور سنتے تھے پہلو مین دل کا
جو چیرا تو اک قطرۂ خون نہ نکلا

اور اب خاموشی میرے بس کی بات نہ رہی۔

مجھے معتبر ذریعون سے معلوم ہوا کہ یہ اعتراض جناب طباطبائی بالقابہ کی ندرت آفرین دماغ سوزیون کا نتیجہ ہین، نمک مرچ مُدیر اودھ پنچ نے لگایا ہے اور قیاس بھی اسکا مقتضی ہے۔ اس مضمون مین تین باتین ایسی ہین جنسے کم از کم مجھکو تو یہ خیال ضرور رہوتا ہے سے

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش
من انداز قدت را می شناسم

پہلی بات۔ عبارت کا یہ خاص انداز مثلاً "ابوالفضل بھی اس راہ کا سالک ہے" پھر

بوئے جہالت آئی" جتنے ملحقات اس لفظ کے ساتھ ہین سب کے مطالب کسی نہ کسی طرح انصاف وعدل کی طرف منجر ہوتے ہین" "جہالت، جہال، جاہل۔ یہ الفاظ سارے مضمون مین نظر آتے ہین اور مجھے کسی اُستاد کا یہ شعر بار بار یاد آتا ہے ؎

دیکھیو میرے بدزبان کی ادا　　　بات کرنے مین گالیان دے ہے

دوسری بات :۔ معترض علام کی غیر معمولی موشگافی اور حداعتدال سے گزری ہوئی احتیاط مثلاً "تاج دارائی کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ دارا ایران کا تاجدار تھا سکندر نے اُس کا تاج چھین لیا تھا ایسا تاج قابل مدح نہین ہو سکتا"

(اودھ پنچ ۲۲ اپریل ۱۹۲۵ء صفحہ ۴ کالم ۱)

ایسی احتیاطین جناب طباطبائی کے خصوصیات مین داخل ہین مین اس وقت صرف اُن جناب کی شرح دیوان غالب سے ایک مثال دینا کافی سمجھتا ہون۔ شعر غالب

جوہر تیغ بسر چشمہ دیگر معلوم　　　ہون مین وہ سبزہ کہ زہراب اُگاتا ہے مجھے

ارشاد جناب طباطبائی :۔ مصنف مرحوم نے غفلت کی یہان۔ ایران مین زہراب اہل زبان پیشاب کو کہتے ہین۔ اس لفظ سے بچنا چاہئے تھا۔

(شرح طباطبائی صفحہ ۲۴۵۔ الناظر پریس لکھنؤ)

اے میری اُردو پہ چین بہ جبین ہونے والے، تجھے اپنی بے نیازی و بے ادائی کا واسطہ ایک نظر ادھر بھی۔ دیکھ تو حضرت طباطبائی نے اتنی سی عبارت مین یہان کہان پہ لکھ دیا ہے ؟ ایران مین کہنے کے بعد اہل زبان کہنا کہانتک صرف بامحل ہے۔ اب اگر ایرانیون اور ہندوستانیون کے کلام سے صرف وہ اشعار لے لیے جائین جن مین "زہراب" کا لفظ آیا ہے تو ایک دفتر بنجائے اِن اُمور پر نظر فرمانے کے لیے

میری شرح کا انتظار فرماتے ہیں۔ اب صرف اُسکا چھپ جانا ہی باقی ہے۔ اُسکی اشاعت میری بے سروپائی کی کمند میں گرفتار ہے اور اُسکے چھپنے میں فقط لطیفۂ غیبی کا انتظار ہے۔

تیسری بات :۔ اجتہاد بے بنیاد اور دعوے بے دلیل جناب طباطبائی کا خاص انداز ہے۔ چنانچہ اس مضمون میں بھی ارشاد ہوا ہے۔

مثال اجتہاد بے بنیاد "قدیم محاورات میں کوئی تغیر جائز نہیں۔ محاورہ کبھی نہیں بدلتا۔" (اودھ پنچ ۲۲ اپریل ۱۹۲۵ء صفحہ ۶ کالم ۴)

مثال دعوے بے دلیل۔ معجزہ آراست وسجادہ رنگینت فارسی والوں نے بھی نہیں کہا۔ خواہ وہ ہندی نژاد ہوں یا ایرانی۔ آپ کون ہیں ؟

(اودھ پنچ ۲۲ اپریل ۱۹۲۵ء صفحہ ۶ کالم ۴)

میں نے اِس اجتہاد اور اِس دعوے کی حقیقت پر آگے بڑھ کر بحث کی ہے۔ آپ کی شرح میں ایسے دعوؤں کی بھرمار ہے۔ میں اس وقت صرف ایک مثال پر اکتفا کرتا ہوں آپ غالبؔ کے اِس شعر کی شرح میں رقم طراز ہیں ؎

وضع میں اسکو اگر سمجھیے قافِ تریاق
رنگ میں سبزۂ نوخیز مسیحا کہیے

"(سمجھیے) کا لفظ اس طرح نظم ہوا ہے کہ میم ساکن اور جیم متحرک ہو گیا ہے۔ اس لفظ کو اس طرح کسی نے موزون نہیں کیا۔ اور نہ اس طرح محاورہ میں ہے۔"

(شرح طباطبائی صفحہ ۳۱۳)

اس دعوے کی حقیقت ظاہر کرنے کے لیے میں اس وقت دو شعر لکھے دیتا ہوں ایک تو مرزا کے معاصر مومن مرحوم (دہلوی) کا ہے اور ایک شاہ عالم بادشاہ دہلی آفتاب تخلص

نوراللہ مرقدہ کا۔

(مومن)

(بیان کرتا ہے ہکلانے کا اُس بہت کے عالم — ولے کیا سمجھیے پیچیدہ ہے تقریر شیشے کی)

(آفتاب)

آئے جو خواب میں بھی وہ یوسف لقا تو پھر — اے آفتاب دولت بیدار سمجھیے

میرا خیال یہ ہے کہ حضرت طباطبائی نے جب ایسے دعوون کا قصد کیا تھا تو کم سے کم معاصرین غالب کے دیوان دیکھ لیے ہوتے حضرت آفتاب سے زیادہ اردوے معلی کے جاننے کا دعوے کسکو ہوسکتا ہے؟ قلعہ معلّی کے رہنے والے وہ سودا اور شاگردان سودا کی آنکھیں دیکھنے والے وہ انشا کو اپنی صحبت میں جگہ دینے والے وہ اس شعر میں یہ لفظ (سمجھیے) ردیف واقع ہوا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ صورت نظم اتفاقی نہ تھی اس شعر کو صاحب تذکرۂ گلشن بیخار نواب مصطفی خان شیفتہ و حسرتی ارشد تلامذۂ مومن نے انتخاب میں لیا ہے۔ یہ امر بھی اس لفظ کے صحیح ہونے کی قاطع دلیل ہے۔ اگر سودا و میر کا کلام دیکھا جائے تو معلوم ہو کہ یہ لفظ اس طرح کتنے مقامون پر نظم ہوا ہے۔

بہرحال یہ مضمون جناب طباطبائی کی دنیا سے نرالی طبیعت کا آفریدہ ہو جناب میر اودھ پنچ کا رجز، یا اور کسی عنایت فرما کے زور قلم کا نتیجہ۔ اب میں بادل ناخواستہ اُسکے جواب کیطرف متوجہ ہوتا ہون۔ لیکن یہ عرض کردون کہ میرا یہ مضمون ایسا نہیں ہے جیسے مضمون کی توقع میرے جاننے والون کو ہوگی۔ اس لیے کہ مین پھر موہان میں ہون۔ یہان کتابون کا قحط ہے اور اب یہان خاک اُڑتی ہے ؎

جہان اب سانس چلنے کی صدا آتی ہے مشکل سے — وہ زندان گو بختا رہتا تھا آواز سلاسل سے

(بیخود موہانی)

مگر انصاف چاہتا ہے کہ مضمون کے شروع کرنے سے پہلے فاضل معترض کی عنایت کا شکریہ ادا کر دیا جائے اور کمال انشا پردازی کا اعتراف کر لیا جائے۔ اس لیے کہ مین نے ایسے مضامین کے لیے ایک نیا انداز نکالا ہے۔ تمہید، شکریہ، داد، اصل مدعا اور التماس جسکے اجزا ہین۔

شکریہ (۱) مجھ سے ہیچ‌دان، مجھ سے (ہیچمیرز) کو قابل خطاب سمجھنا ہی وہ احسان ہے جس کے شکریہ سے عہدہ برآ ہونا مشکل ہے۔

(۲) مین اس گرمی اور اس اختلاج مین اتنی کتابین ہرگز نہ دیکھ سکتا یہ صرف معترض نقاد کی عنایت ہے کہ مجھے دیکھی ہوئی کتابین قہراً دیکھنا پڑین، اور بہت سے ایسے مسائل مستحضر ہو گئے جو گلدستۂ طاق نسیان بن چکے تھے۔

(۳) مجھے اس امر کا موقع دیا کہ مین جناب طبا طبائی کے بعض اجتہادات کی حقیقت ظاہر کر سکا ورنہ ان سے دنیا اُس وقت تک بیخبر رہتی جب تک اس ناچیز کی شرح شائع نہو جاتی۔

داد معترض بے بدل نے ۱۶ کالم دو پرچون مین لکھے اور سبھی کچھ اچھا لکھا۔ مگر مجھے تین جملے بہت پسند آئے۔ اگرچہ جو مفہوم اُن مین ادا کیا گیا ہے اُسکی صحت کا مجھے یقین کیسا گمان تک نہین۔ مگر اُن کی دل کشی و دل آویزی مین شک کرنا مشرب انصاف مین حرام ہے۔ اس لیئے جو الفاظ ان کی جان ہین اُن پر خط کھینچ دیئے ہین۔

(۱) سجدہ کوئی رینی نہین اولتی نہین، نہ جبین ملاح کی لنگوٹی ہے۔

(اودھ پنچ ۲۲ اپریل صفحہ ۴ کالم ۳)

(۲) البتہ ابکار افکار سے معجزہ آرائیان ہیبت آفرینیان کا فرماجرائیان اور اسی خاندان کی دوسری پھل پائیان یعنے عقدہ پیرائیان مرحلہ پیمائیان غلبہ زائیان

پیدا ہوئین۔ (اودھ پنچ ۲۲ر اپریل ۱۹۲۵ء صفحہ ۶ کالم ۲)

(۳) زچہ نے لمحہ بھر تارے دیکھے، طالب علم نے چند دقیقہ مطالعہ کیا وہ "اللہ اللہ بھائی کے" کہتی ہوئی پردہ مین داخل ہوئی یہ صیغہ گردانتے مکتب پہونچا وہ بامراد رہی یہ نامراد رہا۔ (اودھ پنچ ۲۲ر اپریل ۱۹۲۵ء صفحہ ۶ کالم ۴)

ردِّ اعتراضات

اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا لڑتے ہین اور ہاتھ مین تلوار بھی نہین

اعتراض اوّل "تاج دارائی" پر ہے۔ مین نے لکھا تھا کہ متاخرین مین تاج دارائی مرزا غالب کے سر پر جلوہ افگن ہوا۔ خلاصۂ عبارت اعتراض۔

"ہم جس دارا سے واقف ہین۔ وہ ایران کا تاجدار تھا۔ سکندر نے اُس کا تاج چھین لیا تھا۔ ایسا تاج قابل ہجو ہے قابل مدح نہین ہے۔ خواہ وہ دارائی اقلیم سخن سے متعلق ہو یا نہ ہو۔ دارا کے معنی مالک وصاحب کے بھی ہین لیکن اس مقام پر یہ معنی نہین لیے جا سکتے" (اودھ پنچ ۲۲ر اپریل ۱۹۲۵ء)

جواب۔ دارائی کے معنی ہین سلطنت رانی اور فرمانروائی تاج دارائی اور تاج شاہی مین کوئی فرق۔ یہ کیونکر سمجھا گیا کہ تاج دارائی کے معنی دارا کا تاج ہین۔ اگر ایسا ہی ہوتا تو اعتراض کا کوئی محل نہ تھا۔ ایرانی (جو دارا سے تاج کیانی چھن جانے کے سیکڑون برس بعد پیدا ہوے اور دارا کی حسرت خیز روداد سے ہم ہندوستانیون کے مقابلہ مین کچھ زیادہ واقف ہین) دارا کو خدا۔ مالک۔ صاحب۔ بادشاہ کے معنون پر استعمال کرتے ہین۔ اور بادشاہون کی مدح مین بھی اُن کو دارا کہہ کر خطاب کرتے تھے ہین۔ اور یہی شیوۂ اساتذہ ہند کا ہی مین فاضل معترض

کی تسکین کے لیے کچھ شواہد پیش کیے دیتا ہوں۔ واللہ یہدی من یشاء۔

خاقانیِ ہند ملک الشعرا محمد ابراہیم ذوق دہلوی مدحیہ مسدس بادشاہ کے سامنے پڑھتے ہیں اور یہی منحوس لفظ استعمال کرتے ہیں مگر دتی کا نکتہ رس تاجدار اسے ہجو یا بد دعا نہیں سمجھتا، اسکے تیور دن پر بل تک نہیں پڑتے۔ ذوق نے تو یہاں تک غضب کیا تھا کہ دارا، تاج، اور سکندر سب کا نام ساتھ ہی ساتھ لے لیا تھا ؎

(ذوق)

ہے دارا کو تا نام آوری تاج کیانی سے | سکندر تا ہو نامی سکۂ کشور ستانی سے
ہے نام سلیمان تا نگین حکمرانی سے | ہے نام فریدون تا درفش کاویانی سے

ترا اے خسرو والا حشم عالم مسخر ہو
سریر سلطنت پر تو ہمیشہ دادگستر ہو

(مُلّا طغرائے مشہدی)

دارا۔ ہنگامیکہ دارائے ہند سبزہ پروری یعنی جہانگیر بہار سراز جھروکۂ نیسانی بر آورد[۵۱]

" دارائے عرش مرتبہ سلطان مرادبخش | حاجت روائے زینت اورنگ آسمان [۵۲]

(حکیم قاآنی)

" توئی غالب توئی قاہر توئی باطن توئی ظاہر | توئی ناہی توئی آمر توئی داور توئی دارا [۵۳]

اس قصیدہ کا مطلع یہ ہے۔

بگردون تیرہ ابرے بامدادان بر شد از دریا | جواہر خیز گوہر ریز گوہر بیز گوہر زا

---

[۵۱] فردوسیہ ملا طغرا (رسائل طغرا) صفحہ ۸۔ [۵۲] تاج المدائح صفحہ ۶، [۵۳] کلیات حکیم قاآنی

(گفتم ز شوق درگہ دارائے روزگار — بہرا سحم از نسیم دے و باد آذرا [ا])

مطلع — دوشینہ چون کشیدہ شہ زنگ لشکرا

افسر دارا۔ تاج دارا کا مرادف

تا جکے از مشکِ تر گذاشتہ بر سر — غیرتِ تاج قباد و افسر دارا [۲]

تاج دارائی

گرفتہ تاج دارائی ز دارا — بفرمان بردنش چون موم خارا [۳]

کاش معترض نقاد نے دیکھ لیا ہوتا کہ دارا صرف خاندان کیانی کے کسی فرد خاص ہی کا نام ہے یا قیصر و خاقان کی طرح لقب ہے۔ دارائے اکبر و دارائے اصغر کا ذکر تو برہان قاطع مین بھی ہے اور یہ بھی صاف ظاہر ہے کہ اکبر و اصغر اسلیے لکھا ہے کہ باپ بیٹے کا فرق ظاہر ہو۔ شان و شکوہ کی کمی زیادتی کا فرق مدنظر نہین۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی دیکھ لینا تھا کہ تاریخ کیا کہتی ہے۔

مضمون کے طولانی ہوجانیکا خوف نہوتا تو مین اتنی مثالین لکھتا کہ گنی نہ جاتین۔ حیرت ہے کہ فاضل معترض مجھ (جیسے) ایسے بے بضاعت سے ایسی احتیاط کی توقع رکھتا ہے جو حکیم قاآنی اور ملّا طغرا ایسے باکمالون سے نہو سکی۔ ملّا طغرا کو جناب طباطبائی بھی مستند سمجھتے ہین چنانچہ مرزا کے اس شعر کے تحت مین ؎

ساقی گری کی شرم کرو آج ورنہ ہم — ہر شب پیا ہی کرتے ہین مے جسقدر ملے

ساقی گری کی سند خود جناب مولانا نے ملّا طغرا کے اس شعر سے دی ہے۔

---

[۱] کلیات حکیم قاآنی [۲] کلیات حکیم قاآنی [۳] تاج المدائح (رسائل طغرا) صفحہ ۸۱

(طغرا)

کند حق صوفی گری را او ا — بیک چشم بیند بشاہ و گدا

(شرح جناب طباطبائی صفحہ ۱۷۔ الناظر پریس لکھنؤ)

مگر مجھے حیرت ہے کہ جناب شارح نے ملا طغرا کے شعر مین یکچشم پر اعتراض نہین فرمایا حالانکہ مرزا غالب کے اس شعر پر نہایت دلکش عبارت تحریر فرما دی ہے۔

جو مدعی بنے اُسکے نہ مدعی بنیئے — جو نا سزا کہے اُسکو نہ ناسزا کہیے

ارشاد طباطبائی "اس شعر مین بنیے کا نام آجانا مذاق اہل لکھنؤ مین گران گزرتا ہوگا۔ اور البتہ بُرا معلوم ہوتا ہے"

غالباً اس خیال سے معاف فرما دیا کہ اُدبائے ایران (شاعری اور زبان آوری جنکی گھٹی مین پڑی ہے) کا مذاق اتنا لطیف نہین جتنا اہل لکھنؤ کا۔

اعتراض (۲) کو س لمن الملکی۔ اعتراض کی عبارت

"لمن الملک الیوم۔ ایک آیت ہے مگر لمن الملکی جہال کہتے ہین جن کو معلوم نہین کہ لمن الملکی بالکل فصاحت سے گرا ہوا جملہ ہے۔ ذی علم لمن الملک الیوم ہی کہتا ہے"

جواب۔ میرے نزدیک ذی علم حضرات کوس لمن الملک الیوم اور کوس لمن الملکی دونون یکسان بے تکلفی سے بولتے اور لکھتے ہین۔ ایک صورت اور بھی ہے یعنی لمن الملک مین ہر صورت کی مثال لکھے دیتا ہون اور فیصلہ معترض علامہ پر چھوڑتا ہون۔

لمن الملک الیوم

(۱) از رقعہ غالب "سُنو عالم دو ہین ایک عالم ارواح اور ایک عالم آب و گل

حاکم اِن دونوں عالموں کا وہ ایک ہے جو خود فرماتا ہے "لمن الملک الیوم"۔

(یادگار غالب صفحہ ۱۶۴)

(۲) سودا۔ " و بر دل آگاہ ایشان روشن است جمعے کہ در فن سخن لبہائے ویڑ پنہان دوختہ کوس لمن الملک الیوم کوفتہ از دار الفنا بدار البقا پیوستہ اند"۔

(کلیاتِ سودا۔ صفحہ ۲۶)

کوس لمن الملک

(۱) "کوس لمن الملک بجاتے ہوئے آئے"۔ بند ۴۹۔ مطلع۔
کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے (مرزا دبیر اعلی اللہ مقامہ)

(۲) "اور اکثر شاہان یونان کوس لمن الملک بجاتے تھے اور سر پُر غرور پیش سلطان جہان نہ جھکاتے تھے"۔

(مرقع عبرت۔ مرزا رجب علی بیگ سرور لکھنوی مصنف فسانہ عجائب)

کوس لمن الملکی

"ابو علی شیخ ابو علی حسن بن عبد اللہ بن سینا شہیر بہ شیخ الرئیس است حق آنست کہ وے در حکمائے اسلام رشک افلاطون و ارسطا طالیس است۔ در عمر شانزدہ سالگی بعد فراغ از تحصیل علوم عقلیہ و نقلیہ تصنیف قانون در علم طب پرداختہ و در علوم فلسفیہ کوس لمن الملکی بلند آواز ساختہ"۔

(صبح گلشن تذکرہ شعرا صفحہ ۱۲۔ از نواب سید علی حسن خاں صاحب جانشین نواب صدیق حسن خاں صاحب مرحوم)

(۲) انشا۔ "لختے در فنون رسمیہ مہارتے داشتہ در ہر فن شعر کوس لمن الملکی با آوازہ تمام می نواختہ"۔

(گلشن بیخار شیفتہ تذکرہ شعرا صفحہ ۲۹)

نواب مصطفےٰ خان شیفتہ کے متعلق جناب طباطبائی بھی اچھی رائے رکھتے ہین اور فرماتے ہین کہ شیفتہ صاحب تذکرۂ شعرا مین مشہور شخص ہین۔ (شرح طباطبائی صفحہ ۸۶)

(۳) "امیر خسرو در چہل سالگی علم موسیقی را شروع نمودہ در چند مدت رشک معاصران گردیدہ چنانچہ تاحال کوس لمن الملکی می نوازد"۔

(ثمرات البدائع مرزا قتیل صفحہ ۲۰۴ مطبع محمدی)

اعتراض (۳) ہستی کے معنی شخص کے اردو مین نہین سُنے گئے۔

جواب۔ مین اسکے جواب مین حضرت عزیز لکھنوی کا شعر لکھے دیتا ہون جن کی شاعری پر آج لکھنؤ تو ضرور ناز کرتا ہے اب آپ اُن کی زبان کو اردو کہیے یا ترکی سے

اک نظر گھبرا کے کی اپنی طرف اُس شوخ نے
ہستیان جب مٹ کے اجزائے پریشان ہو گئین

(گلکدہ دیوان جناب مرزا محمد ہادی صاحب عزیز لکھنوی)

اعتراض (۴) معجزہ آرائی۔ خلاصہ عبارت اعتراض۔

"انجمن نہین میدان نہین معرکہ نہین۔ آراستن کا استعمال انھین الفاظ کے ساتھ ہو سکتا ہے جنکو آرائش سے علاقہ ہو ستم آرا پر معجزہ کا قیاس نہین ہو سکتا"۔

(اودھ پنچ ۲۲ راپریل ۱۹۲۵ء صفحہ ۴ کالم ۲ و ۳)

جواب۔ طراز۔ آرائش و نقش و آرائندہ۔ معجز طراز۔ معجزہ طراز۔ سجدہ طراز

(برہان قاطع صفحہ ۲۵۴ مطبع علوی علی بخش خان)

سجدہ طراز (رقعات بیدل صفحہ ۱۸ مطبع حسینی محمود نگر لکھنؤ)

معجز طراز۔ مسیحائے معجز طراز از مُردگان تمنائے وصال اصدقائے عالی مقام الخ

(ثمرات البدائع مرزا قتیل مغفور)

اعجاز طراز ۔ الحق درین جز و زمان طرز اعجاز طرازی وسحر پردازی بر ذاتش ختم گردیده۔
(ثمرات البدائع مرزا قتیل مغفور)

معجزہ طراز :۔ ؎
صد سالہ مردہ زندہ ہو گر اپنی بات پر — آجائے اُس صنم کا لب معجزہ طراز
(کلیات مومن دہلوی صفحہ ۱۹۴)

معجزہ طراز اور معجزہ آرا کے معنون مین کوئی فرق نہین اگر اُس پر اعتراض ہوسکتا ہے تو اس پر بھی۔ اگر مجھے اپنے حافظہ کی قوت اور اپنی نظر کی وسعت پر اتنا اعتماد ہوتا جتنا جناب طبا طبائی کو ہے تو مین کہہ دیتا کہ یہ ترکیب پہلے پہل میرے قلم سے نکلی ہے مگر ایسا دعوے کرتے ہوئے میرا دل کانپتا ہے۔ اختراع و ابداع ترکیب کے مسئلہ مین اس ناچیز کا مسلک وہی ہے جو عرفی، نظیری، خاقانی، مرزا جلال، اسیر، شوکت بخاری، غالب و مومن وغیرہم کا ہے یعنی اگر اجزائے ترکیب کسی مفہوم کو صحیح طور پر ادا کر دیتے ہین اور اُن دو یا زیادہ لفظون کے ملنے مین کوئی قباحت نہین تو ایجاد ترکیب مین پس و پیش نہ کرنا چاہیے اور سراج المحققین نواب سراج الدین علی خان آرزو کی بھی یہی رائے ہے۔

اعتراض ۵:۔ میری اس عبارت پر کہ مرزا خود وجد کرتا ہے اور نکتہ سنجون کو سجدہ ریزی کی تعلیم" یہ اعتراض ہین۔

آگے آئی آیت۔ اے حضرت سجدہ ریزی بھی معجزہ آرائی سے لغویت مین کم نہین۔ سجدہ لوئی ریزی نہین اُلٹی نہین نہ جبین ملاح کی لنگوٹی ہے۔ معجزہ آراست۔ سجدہ ریخت فارسی والون نے بھی نہین کہا خواہ وہ ہندی نژاد ہون یا ایرانی۔ آپ کون ہین۔ اس فقرہ مین فعل کا حذف

بھی ناجائز ہے آپ نے فعل حذف کردیا۔ اور حرف عطف ہے۔ لہذا جملہ یون ہوگا "مرزا خود وجد کرتا ہے اور نکتہ سنجون کو سجدہ ریزی کی تعلیم کرتا ہے" زرہی عطف معطوف کا بیان کتب نحو مین دیکھئے۔ کو کے ساتھ کرتا ہے بھی مہمل ہے بامحاورہ نہین ہے۔ یون کہہ سکتے ہین "مرزا خود وجد کرتا ہے اور نکتہ سنجون کو سجدہ ریزی کی تعلیم دیتا ہے"

جواب۔ (سجدہ ریزی) سجدہ ریز، اساتذہ کے کلام مین دائر وسائر ہے۔ اسکی سند مانگنے اور اسپر اس شد ومد سے اعتراض کرنے کا سبب یا تو میری کم مائگی کا اعتقاد، یا ساری دنیا کے جہل پر اعتماد یا خدا ناکردہ نقص استعداد ہے۔ مین کچھ مثالین لکھے دیتا ہون اہل نظر فیصلہ فرمالینگے۔

(سجدہ ریز)۔ سجدہ ریز (بہار عجم صفحہ ۸۸ مطبع نولکشور)

جبین ہر دو عالم بر در او سجدہ ریز آمد کہ باشد حلقۂ در خاتم دست سلیمانش

(ناصر علی سرہندی)

غالب بریزش سجدہ

تو ہوا جلوہ گر مبارک ہو ریزشِ سجدۂ جبینِ نیاز

جناب طبا طبائی اس شعر کی شرح مین لکھتے ہین۔

"تو آیا اب میرا سجدہ کرنا تجھے مبارک ہو" (شرح طبا طبائی صفحہ ۲۷)

تعجب ہے کہ جناب طبا طبائی نے ریزش سجدہ پر یہان اعتراض نہین کیا اب یہ خدا جانے کہ مرزا پر اعتراض کرتے کرتے تھک گئے تھے یا اُن کی کور سوادی پر رحم کیا۔ افسوس ہے فاضل معترض ادھر پہنچ نے یہان جناب طبا طبائی کی تحقیق پر

حسب عادت اعتماد نہین کیا اور اعتراض جڑ دیا۔

سجدہ ریز :۔ فرق از سجدہ مالامال ارادت بر زمین سر افگندگی سجدہ ریز ساختہ

(پنج رقعہ ارادت خان صفحہ ۱۵۱)

سجدہ ریزی ۔ ۵

اوّل اوس در پہ سجدہ ریزی کر تا ملے مفت جاہ کیوانی

(کلیات مومن صفحہ ۴۳)

"سجدہ ریزی ہائے خامۂ تسلیم سرشت بہولے جناب معنی آرائیست کہ مضامین بے نیازی از معمائے کیفیتِ خیالش ناکشودہ روشن است"

(رقعات بیدل صفحہ ۱۳)

اعتراض (۶)۔ اس فقرہ مین فعل کا حذف نا جائز ہے ۔

اعتراض (۷)۔ کو کے ساتھ کرتا ہے بھی مہمل ہے ۔

جواب ۶ و ۷ ۔ مین حذف فعل کی کچھ مثالین دیتا ہون اور یہ بھی عرض کئے دیتا ہون کہ اسے اکتفا بالاولی کہتے ہین:

فعل کا حذف ۔ جناب طبا طبائی غالب کے اس شعر کی شرح مین فرماتے ہین

نہ گل نغمہ ہون نہ پردۂ ساز مین ہون اپنے شکست کی آواز

یعنی نشاط و طرب سے مجھے کچھ تعلق نہین مین سراپا درد ہون اور اپنی ہی مصیبت مین"

(شرح طبا طبائی صفحہ ۱۷)

مین کے بعد ہون حذف کر دیا گیا۔

از رقعہ غالب ۔ " جب ڈاڑھی مونچھ مین بال سفید آگئے تیسرے دن

چیونٹی کے انڈے گالون پر نظر آنے لگے۔ اس سے بڑھ کر یہ ہوا کہ آگے کے دو دانت ٹوٹ گئے۔ ناچار مسی بھی چھوڑ دی اور ڈاڑھی بھی۔"

(یادگار غالب صفحہ ۱۶۷)

چھوڑ دی محذوف ہے یعنی بڑھا دی۔

کو کے ساتھ تعلیم کرنا :-

"غرضکہ شاہ غریب مرحوم نے اِس اکلوتے بیٹے کو ناز و نعمت سے پالا تھا۔ اور اُستاد و ادیب نوکر رکھکر تعلیم کیا تھا۔"

(آب حیات آزاد دہلوی صفحہ ۴۰۲)

کی مجھ کو ہاتھ ملنے کی تعلیم ورنہ کیون غیرون کے آگے بزم مین عطر مل گیا

(کلیات مومن صفحہ ۵۲)

اعتراض (۸)۔ فکر آسمان سیر۔ میرا فقرہ یہ تھا " بیدل کی فکر آسمان سیر ہے۔ اُسپر یہ ارشاد ہوا ۔ عبارت اعتراض :-

" دیکھیے پھر بوئے جہالت آئی۔ آسمان سیر ایک رکیک ترکیب ہے۔ پڑھے لکھے آدمی 'آسمان سیر' کہتے ہین۔ آپ نے شاید چوک مین جو 'فلک سیر' بکتی ہے اُسپر قیاس فرمایا۔ ایسے قیاسات سے اردو کی مٹی خراب نہ کیجیے۔ احسان ہوگا۔ ہمپر نہین۔ اسلیے کہ ہم نے ایسا زمانہ پایا تھا کہ اردو ایک لطیف زبان بھی جاتی تھی۔ آیندہ نسلون پر احسان کیجیے۔"

جواب :- مین کیا میری نظر کیا۔ مگر جہان تک مین نے دیکھا ہے پڑھے لکھے آسمان میر اور آسمان سیر بے تکلف سے لکھتے ہین۔ اور اتنا ہی نہین فلک سیر کہتے بھی

نہین جھجکتے ۔ اور کہنے والے بھی وہ جن کو جناب طبا طبائی بھی کلمہ خیر سے یاد کرتے ہین اگرچہ ادب سے یاد نہ کرین۔ چنانچہ فرماتے ہین۔

" میرانیس کی زبان موج کوثر ہے " شرح طبا طبائی (۳۲۸ صفحہ)

کمیت فلک سیر۔ " برفرت کا ہم نسب تھا کمیت فلک سیر "

بند ۸ مرثیہ مرزا اوج علیہ الرحمہ جانشین دبیر اعلی اللہ مقامہ "

مطلع " کس کام کی زبان جو صدق آشنا نہو ۔ (از معراج الکلام)

اسپ فلک سیر۔ بیت

غیرت یوسف و رشک ملک حور ہین یہ طور تو اسپ فلک سیر ہے اور نور ہین یہ

بند ۹ ۔ مطلع " غل ہے اعدا مین کہ زینب کے پسر آتے ہین "

(صفحہ ۵۵ ۔ جلد سوم میر انیس علیہ الرحمہ)

" طور تھا اسپ فلک سیر تو وہ شعلہ طور "

بند ۴۶ ۔ مطلع " مومنو مرنے کو ہمشکل نبی جاتا ہے "

(صفحہ ۱۰۹ ۔ جلد سوم ۔ انیس)

" پیدل تھے ملک اسپ فلک سیر کے ہمراہ "

بند ۳۰ ۔ مطلع جب رو چکے حضرت علی اکبر سے لپٹ کر ۔

(صفحہ ۱۹۵ ۔ جلد سوم ۔ انیس)

شبدیز فلک سیر ۔ " شبدیز فلک سیر سے اترا وہ نکوکار "

بند ۲۳ ۔ مطلع ۔ جب باغ حسینی پہ خزان آگئی رن مین ۔

(صفحہ ۱۱۳ ۔ جلد چہارم ۔ انیس)

زخش فلک سیر:-

پہونچے اس زخش فلک سیر زمین پیما کو   نہ منجم کا خیال اور نہ مہندس کا قیاس

(دیوان ذوق صفحہ ۱۰۱ - مطبع نامی لکھنؤ)

آہ آسمان سیر:- "ہر چہ از برشتگی جگر و افسردگی طبع و بالا دوی آہ آسمان سیر . . . . بمن نوشتہ بودید"

(ثمرات البدائع مرزا قتیل صفحہ ۱۳۶)

مژدہ آہ آسمان سیر مرا ضائع مکن   آخر این سر بلند از باغ جان برخاستہ است

(ثمرات البدائع مرزا قتیل ۱۳۰)

عقل فلک پیما و عرش سیر:- "و اعجوبہ نغز و معماے عقل فلک پیما عرش سیر فلاطون فطنتان روزگار با دراک کنہش سر بر آستان اعتراف عجز می سایند"

(ثمرات البدائع مرزا قتیل صفحہ ۴۰)

عقول آسمان سیر:- "و تیز گامیست کہ ہنگام طے ابعاد گوئے سبقت از عقول آسمان سیر فلسفیان ربایند"

(ثمرات البدائع مرزا قتیل صفحہ ۴۴)

جبکہ مرزا قتیل - سید انشا - اور سعادت یار خان رنگین کی رنگین صحبتون کا علم ہے وہ نہیں کہہ سکتا کہ قتیل اس سے واقف نہ تھے کہ فلک سیر جو چوک مین بکتی ہے اسکے معنے کیا ہین پھر بھی احتیاط نہ کرنا ظاہر کرتا ہے کہ وہ فاضل معترض کیطرح دقیقہ نظر سے بہرہ یاب نہ تھے ورنہ ایسی رکیک ترکیب سے احتراز کرتے سب سے زیادہ حیرت انگیز امر یہ ہے کہ میر انیس مرحوم نے بھی رحمٰن کی زبان کو حضرت طباطبائی بھی موج کوثر کہتے ہین)

فلک سیر کی بھرمار کرنے مین کچھ تامل نہ فرمایا۔

اعتراض (۹) جذبات۔

مین نے لکھا تھا کہ مرزا کے "خیالات و جذبات" اس پر اعتراضون کی توپون سے وہ آتشباری ہوئی کہ پناہ بخدا۔ مجھے مرزا داغ علیہ الرحمہ کا یہ شعر بیساختہ یاد آگیا۔ ؎

غصہ آیا، ستم ٹوٹا، قیامت ہو گئی برپا　　یہ پوچھا تھا کہ تم مجھسے خفا اے میری جان کیون ہو

خلاصہ عبارت اعتراض :۔

"آجکل جو یہ ایک بیہودہ سا لفظ لوگون کی زبان پر چڑھ گیا ہے اسکے کیا معنی ہین، کیا مصر مین جو سیکالوجی کی کتابین ترجمہ ہوئی ہین اُن مین جذبات کا استعمال ایسے محل پر ہوا ہے بھلا وہ لوگ زبان کی حفاظت کی خدمت انجام دینے کے اہل ہو سکتے ہین جو ہر ایک شخص کی زبان سے ایک لفظ سنتے ہی بغیر غور و فکر استعمال کرنے لگتے ہین۔ کورانہ تقلید کے سر پر سینگ نہین ہوتے تقلید کورانہ کے مرتکب محقق یا صاحب نظر نہین کہلاتے۔"

جواب :۔ جذبات کا لفظ غلط نہین اور غلط بھی ہو تو غلط عام ہے غلط عوام نہین اب ہی یہ بات کہ اسکی جمع جذبات کیونکر بن گئی۔ اسے برنبائے شہرت عام لکھنؤ کے سرمایۂ ناز مولانا مرزا محمد ہادی صاحب مرزا و رسوا پی۔ ایچ۔ ڈی پروفیسر سابق عربی و فارسی کرسچین کالج لکھنؤ و رکن رکین دارالترجمہ حیدرآباد دکن مصنف اُمراؤجان ادا۔ شریف زادہ مثنوی اُمید و بیم۔ مرقع لیلے مجنون۔ خونی شہزادہ۔ خونی مصور وغیرہ خوب سمجھا سکینگے جناب موصوف مکرمی شیخ ممتاز حسین صاحب عثمانی اڈیٹر اودھ پنچ کے اُستاد، جناب طباطبائی کے عنایت فرما اور حریف ہین۔ یہ بھی مشہور ہے کہ جہانتک ترجمہ کا تعلق ہے

آج ہندوستان مین کوئی اُن کا جواب دینے والا نہین اور علوم عقلیہ و نقلیہ کے جاننے والے اعتراف کرتے ہین کہ وہ انگریزی، فارسی، عربی اور اُردو پر یکسان قدرت رکھتے ہین اسی شہرت کی بنا پر میرے نزدیک نہ آپ پوچھیں نہ مین بتاؤن، حضرت طباطبائی مرزا صاحب سے حیدرآباد ہی مین پوچھ لین۔ سیکالوجی کا علم ہو یا مصر کے ترجمے یہ سب مرزا رسوا کی ہمہ دانی کا دم بھرتے ہین۔ اگر فاضل معترض مرزا رسوا کو بھی جاہل سمجھنے کی جرأت کرسکتا ہے تو" انا للہ و انا الیہ راجعون۔ رضا بقضائہ و تسلیماً لامرہٖ"

ہان ایک بات رہ گئی۔ اگر کوئی بات مرزا سے پوچھنے مین مانع ہو تو حکیم قاآنی سے پوچھ لیجئے، اور کیون پوچھ لیجئے اِسکا سبب اسی اعتراض کے جواب سے ظاہر ہو جائیگا

اب مین کچھ مثالین لکھتا ہون کہ معترض نقاد اور ہندوستانیون کا تو کیا ذکر، نہ دلی کے مصنفون کو جاہل بناتے جھجکا، نہ لکھنؤ کے شاعرون اور انشا پردازون کو۔ اور یہ اعتراض نہین ایک حمام ہے جہان سب ننگے نظر آتے ہین۔

لفظ جذبات کی مثالین اتنی ہین کہ اُن کے لکھنے کے لیے انسائیکلوپیڈیا کی سی جلدین کافی ہوسکتی ہین۔ مین چند مثالون پر اکتفا کرتا ہون۔

قلمِ جذبات کی وسعت ملاحظہ ہو۔

"وہ شخص جو مجھے گود مین لیے تھا میرے عہد طفلی کے جذبات کو سمجھ گیا"۔

(یوسف و نجمہ۔ صفحہ ۳۔ مولوی عبدالحلیم صاحب شرر)

شمس العلما مولوی شبلی نعمانی نے شعرالعجم جلد اول کے ابتدائی بارہ صفحون مین اسے بیس جگہ لکھا۔ اور اگر شعرالعجم کی سب جلدون اور حضرت شبلی کی کل ادبی اور علمی تصنیفون مین دیکھا جائے تو خدا جانے کتنے بار یہ لفظ اُنکے قلم سے نکلا ہوگا۔ (شعرالعجم شبلی جلد اول و چہارم صفحہ ۱۲-۱)

مدیر معارف (اعظم گڈھ) نے تقریظ گلکدہ مین یہ لفظ پانچ بار لکھا
(گلکدۂ عزیز)

مُدیر مخزن نے ساڑھے چار سطرین گلکدہ کی تقریظ مین لکھین اور یہ لفظ دو مرتبہ لکھا
(گلکدۂ عزیز)

مولوی عبد الماجد صاحب بی۔ اے دریابادی مترجم سابق دار الترجمہ حیدرآباد دکن نے اپنی ایک کتاب کا نام فلسفۂ جذبات رکھا جو علم نفس پر ہے۔ اور کون بتائے کہ یہ لفظ کتنے مرتبہ لکھا۔

لسان العصر اکبر الہ آبادی مرحوم نے گلکدۂ عزیز کی تقریظ مین پانچ صفحے لکھے اور پانچ ہی بار یہ لفظ لکھا مین صرف دو فقرہ لکھے دیتا ہون جس مین جذبات فارسی اضافت کے ساتھ لکھا ہے۔

"انھین جذباتِ مسرت والم کے اظہار کی مزاولت سے انسان شاعر ہوجاتا ہے۔" (گلکدہ)

"پھر وہ اپنی جوانی کا زمانہ یاد کرتا تھا، اپنا سُرخ و سفید چہرہ، سڈول ڈیل بھرا بدن، رسیلی آنکھین، موتی کی لڑی سے دانت، اُمنگ مین بھرا ہوا دل جذباتِ انسانی کے جوشون کی خوشی اُسے یاد آتی تھی۔"

(سرخی مضمون "گزرا ہوا زمانہ" از سر سید احمد خان دہلوی مرحوم ایل ایل ڈی)

"انگریز اپنی اولاد کو کشادہ پیشانی سے پالتے ہین اور اُن کو خوش رکھتے ہین اور اُن کے جذبات کی شگفتگی کے کھیل کھلاتے ہین۔"

(از معاشرت انگریزی شمس العلما مولوی ذکاء اللہ دہلوی مغفور)

"جب بات کا سچا ولولہ دل مین اُٹھے خواہ اُسکا منشا خوشی ہو یا غم حسرت یا ندامت یا اور کوئی جذبہ جذبات انسانی مین سے"

(مقدمہ شعر و شاعری شمس العلما حالی مغفور)

" انکھڑیان - یہ لفظ جذبات محبت سے خاص وابستگی رکھتا ہے"

مضمون "متروکات مین غلط فہمی" از محبی سید انور حسین صاحب آرزو لکھنوی

("پیام یار" لکھنؤ - ماہ اگست ۱۹۲۰ء)

" انسان کے خیالات مین نت نئے تغیرات پیدا ہوجاتے ہین اس سے طرح طرح کی وجدانی کیفیتین اور جذبات ظہور پذیر ہوکے جذب یا ہرب کے لیے تحریک ہوتی ہے"۔

(خونی شہزادہ - مرزا و رسوا لکھنوی مرزا محمد ہادی صاحب پی - ایچ - ڈی)

" یہ بھی ممکن ہے کہ پہلے ہی سے عشق نے تاثیر کرنی شروع کی ہو مگر ذکی اُس سے واقف نہو کیونکہ اکثر جذبات آدمی کے دل مین پیدا ہوجاتے ہین اور وہ اُن سے مدت تک بے خبر رہتا ہے"

(افشائے راز - صفحہ ۴۰ - مرزا محمد ہادی صاحب مرزا و رسوا لکھنوی)

اب نظم کی مثالین ملاحظہ ہون - باضافت فارسی :-

نکالا قدرتِ جذباتِ حسن و عشق نے ملکر ۔۔۔ مہ کنعان کو اپنے گھر سے اور لیلیٰ کو محمل سے

(از کاظم حسین صاحب محشر لکھنوی)

خدا محفوظ رکھے عشق کے جذباتِ کامل سے ۔۔۔ زمین گردون سے ٹکرائی جہان دل ملگیا دل سے

(جناب مرزا محمد ہادی صاحب عزیز لکھنوی)

عشق ہے اک مؤثر حرکات　　عشق ہے اک محرک جذبات

(لسان القوم جناب صفی لکھنوی)

یہ تو فرمایئے کہ حکیم قاآنی اور حکیم مومن خان دہلوی کے شعر میں جذبہ کن معنوں پر آیا ہے؟

گاہے چو کرم پیلہ کشی طیلسان بسر　　گاہے ز روئے حیلہ کنی پیرہن قبا

یعنی بجذبہ ایم نہ شوریدہ از جنون　　یعنی بخلسہ ایم نہ پیچیدہ در ردا

(کلیات حکیم قاآنی - مطلع قصیدہ :- دوشم ندا رسید ز درگاہ کبریا)

جھڑتے ہیں جذبہ قلق سے شرار　　ہے نفس سنگ و سنگ آتشبار

(کلیات مومن صفحہ ۳۰۴)

ملا جامی علیہ الرحمہ لوائح جامی میں ارشاد فرماتے ہیں :-

" مادام کہ آدمی در دام ہوا و ہوس گرفتار است دوام این نسبت از وے دشوار است اما چون آثار جذبات لطف وے ظہور کند وشغل محسوسات و معقولات را از باطن وے دور افگند "

(لائحہ یازدہم - لوائح جامی صفحہ ۹ سطر ۱۲)

(مطبع نولکشور لکھنو)

اعتراض (۱۰) جذبہ کشش کے معنی میں بھی مستعمل نہیں ہے۔

جواب :- یہ لفظ اسی معنی میں ایک نہیں ہزار جگہ آیا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں :-

جسم خاکی ہو گیا داخل گڑھے میں گور کے　　کھنچ گئی آخر یہ کشتی جذبہ گرداب سے

(دیوان دوم خواجہ آتش علیہ الرحمہ صفحہ ۱۶۱)

یہیں عدو کے سوئے بغل سے مری اُٹھے وہ کیا کہ سب کو جذبہ دل سے عجب ہوا

(کلیات مومن علیہ الرحمہ ۷۱)

(غالب)

میں بلاتا تو ہوں اُس کو مگر اے جذبۂ دل اُس پہ بن جائے کچھ ایسی کہ بن آئے نہ بنے

(شرح طباطبائی کے صفحہ ۲۱۴ میں درج ہے)

الہی جذبہ دل کی مگر تاثیر اُلٹی ہے کہ جتنا کھینچتا ہوں اور کھنچتا جائے ہے مجھ سے

(شرح طباطبائی کے صفحہ ۲۳۱ میں درج ہے)

جذبۂ بے اختیار شوق دیکھا چاہیئے سینۂ شمشیر سے باہر ہے دم شمشیر کا

(شرح طباطبائی کے صفحہ ۲ میں درج ہے)

جناب طباطبائی آخری شعر کی شرح میں لکھتے ہیں:۔

"میرے اشتیاق قتل میں ایسا جذب و کشش ہے کہ تلوار کے سینے سے اُسکا دم باہر کھنچ آیا"

(حکیم سنائی)

بودہ چو یوسف بچہ و رفتہ باز تا فلک از جذبۂ حبل المتین

(ظہیر فاریابی)

ہے یوں کہ زندہ زبانوں میں نئے الفاظ داخل ہوتے رہتے ہیں۔ یہ کچھ ضرور نہیں کہ جس لفظ کی سند سودا و میر و درد کے یہاں نہ ملے وہ زبان کا لفظ ہی نہ سمجھا جائے۔

اعتراض (۱۱) :- مین نے لکھا تھا " ہر شخص مرزا کے کلام سے بقدر فہم لذت یاب ہوتا ہے چنانچہ اس طرف اشارہ بھی کیا گیا ہے ۔ غالب

دل حسرت زدہ تھا مائدۂ لذت درد ۔ کام یارون کا بقدر لب و دندان نکلا

اس پر ارشاد ہوا ہے

" غالباً آپ کا مقصود یہ ہے کہ یارون سے اغیار مراد ہین۔ کوئی ہونٹ چاٹ کر رہ جاتا ہے کوئی ایک آدھ ڈاڑھ گرم کر لیتا ہے۔ حالانکہ دلی کے محاورہ مین یارون کا لفظ نفس متکلم پر دلالت کرتا ہے۔ چنانچہ اس شعر کی شرح مین ؎

نہوا پر نہ ہوا میر کا انداز نصیب ۔ ذوق یارون نے بہت زور غزل مین مارا

یہ بات مشہور ہے کہ ذوق نے یارون سے اپنی ذات مراد لی ہے یعنی مین نے بہت زور مارا "

جواب :- دلی ہی نہین لکھنو مین بھی 'یارون' کا لفظ نفس متکلم پر دلالت کرتا ہے یہ مثل سب کی زبان پر آتی "آنکھ بچی اور مال یارون کا"

اغیار و احباب کے معنے کی مثال ؎

نہ فرصت ہے نہ رحمت ہے غزل اے داغ کیونکر ہو ۔ مگر کیا کیجئے مجبور ہو ارشاد یارون کا

(گلزار داغ صفحہ ۴ مطبع تیغ بہادر)

اور سب سے زیادہ پُر لطف جواب یہ ہے کہ جناب طباطبائی بالقابہ بھی اس شعر کی شرح مین 'یارون' کا سے وہی سمجھے ہین جو یہ ناچیز سمجھا ہے۔

" یعنی جس مین جتنی قابلیت تھی اُس نے اُسی قدر لذت درد کو حاصل کیا

ورنہ یہاں درد کی کچھ کمی نہ تھی"۔ (شرح طبا طبائی صفحہ ۷)

اعتراض نمبر (۱۲) تماشا کرنا۔ دیکھنا (خلاصہ عبارت اعتراض)

" غالب مرحوم کا یہ مصرعہ اہل زبان نے کبھی پسند نہیں کیا ع

حیرانیٔ نگاہ تماشا کرے کوئی

تماشا بازیگر کرتے ہیں"۔

جواب :۔ فاضل معترض بھولتا ہے یہ مصرع غالب کا نہیں مولانا مرزا محمد ہادی صاحب رسوا و مرزا لکھنوی کا ہے۔

(رسوا)

حیرانیٔ نگاہ تماشا کرے کوئی صورت وہ سامنے ہے کہ دیکھا کرے کوئی

(خونی شہزادہ صفحہ ۲۲)

خانہ ویران سازیٔ وحشت تماشا دہ کرین کیا مبارک ہین مرے سامان بربادی مجھے

(گلکدۂ عزیز صفحہ ۹۰)

مرزا غالب کا شعر یون ہے ؎

ناکامیٔ نگاہ ہے برق نظارہ سوز تو وہ نہین کہ تجھکو تماشا کرے کوئی

اب حضور کا یہ ارشاد کہ اہل زبان نے میرزا کا یہ مصرعہ کبھی پسند نہین کیا، مجھ ناچیز کی سمجھ مین نہین آتا آپکے نزدیک لکھنؤ کے مشہور شعرا تو ضرور اہل زبان ہونگے اُن کے طرز عمل پر نظر فرمائیے۔ پسند کرنا کیسا اُن کو یہ اتنا محبوب ہوا کہ خود وہی کہنے لگے۔ میرا خیال ہے کہ مرزا رسوا کی پسند تو آپکے نزدیک بھی کوئی معمولی پسند نہ ہوگی، اور اگر اہل زبان سے غریب دلّی والے مراد ہین جن پر جناب طبا طبائی نے اپنی شرح مین

لکھنؤ والون کی تقلید واجب قرار دی ہے تو جناب نے کسی کا قول پیش نہین کیا جس پر نظر کی جائے۔ مجھے خوب معلوم ہے کہ یہ لفظ اسی معنی مین میر سے استاد کے یہان نظم ہوا ہے

اعتراض (۱۳) داد کو پہونچنا۔

میری عبارت یہ تھی " پھر مرزا کی بلند پروازیون کی داد کو پہونچنا ان کے بس کی بات کہان اس پردہ آتش افشانی ہوئی کہ دید کے قابل ہے۔

عبارت اعتراض:-

" داد کو پہونچنا شاید دادرسی کا ترجمہ ہے۔ اُردو کا محاورہ داد دینا ہے فارسی مین داد کے معنی عدل وانصاف ہین اور جتنے ملحقات اس لفظ کے ساتھ ہین سب کے مطالب کسی نہ کسی طرح انصاف و عدل کی طرف منجر ہوتے ہین مثلاً دادگستر، دادگر، دادآور، دادآفرید، دادآفرین داددہ، دادستان، دادفرمائے وغیرہ۔ افسوس اسوقت اردو عجب آفت مین مبتلا ہے اگر اس آفت سے بچی تو گویا اللہ کے گھر سے پھری مگر نہین بچنے کی اُمید بیکار ہے۔ اس قسم کے ترجمے سے اُردو لغت مین کوئی زیادتی یا فصاحت مین کوئی ترقی ممکن نہین البتہ مہملیت دن دونی رات چوگنی بڑھتی جاتی ہے "

جواب :- رجز سب نے سن لیا۔ کیا غضب ہے کہ سرکار نے کلام اساتذہ پر کبھی غلط انداز نظر بھی نہ ڈالی اسپر دعوون کی بلند آہنگی کا یہ عالم ہے۔ مقام عبرت ہے آپ فرماتے ہین کہ شاید دادرسی کا ترجمہ ہے۔ بیشک ایسا ہی ہے۔ مگر یہ ترجمہ بیخود ناشاد نے نہین کیا۔ مرزا رفیع سودا کے کلام کو دیکھیے تو یہ ترجمہ آپ کو

دہان بھی نظر آئے یہ محاورہ دو مضمون پر آتا ہے اور اُردو معلّےٰ کا ٹکسالی محاورہ ہے۔
داد پانا۔ فریاد کو پہونچنا۔

پہونچینگے اس چمن مین کبھی داد کو نہ ہم
جون گل یہ چاک جیب سلایا نہ جائیگا
(کلیات سودا صفحہ ۱۹۳)

گُل داد عندلیب کو پہونچا تو کیا ہوا
فریاد کو مری ہے پہونچنا ترا عجب
(کلیات سودا صفحہ ۲۰۹)

کب تری داد کو پہونچے ہے فلک اے بلبل
زخم گل کو جو رکھے بخیہ و مرہم سے دور
(کلیات سودا صفحہ ۲۲۲)

ایک دن مین جو ناگہان پہونچا
داد کو میری آسمان پہونچا
(مومن دہلوی)

سمجھو تو کوئی داد کو پہونچو
عاشق کی فریاد کو پہونچو
(میر تقی میر)

اعتراض (۱۴) زچہ تارے دیکھتی ہے
میری عبارت یہ تھی کہ "کتابین یون دیکھی جاتی ہین جس طرح زچہ تارے دیکھتی ہے"
عبارت اعتراض:۔
سُبحان اللہ کتاب دیکھنے کی تشبیہ اس سے بہتر ملنی مشکل ہے۔ زچہ کی گود مین بچہ طالب علم کی بغل مین کتاب۔ زچہ نے لمحہ بھر تارے دیکھے اور طالبعلم نے چند دقیقہ مطالعہ کیا۔ وہ اللہ اللہ بھائی کے کہتی ہوئی پردہ مین داخل ہوئی یہ صیغہ گرداننے مکتب پہونچا، وہ بامراد رہی یہ نامراد رہا۔ یہ معلوم نہین

کہ جننے اور کوستھنے کی تکلیف زچہ کی طرح طالب علم نے اُٹھائی یا نہین"۔

جواب :۔ اِس مین شک نہین کہ یہ عبارت دلکش ہے اگرچہ اعتراض یہ بھی ویسا ہی ہے جیسے اور سب ہین صرف وجہ شبہ عرض کردون ۔ وہ یہ کہ سمجھ کر نہ دیکھنا صرف رسم ادا کردینا ، اگر جناب کی موشگافیان معیار قرار دی جائین تو مرد شجاع اور شیر کی نہایت مشہور اور پُرانی تشبیہ بھی غلط ہو جائے ۔ اسلیے کہ شیر مین شجاعت ہے مگر ڈھال تلوار نہین باندھتا ۔ مین حضرت آزاد کی ایک ایسی ہی عبارت نقل کیے دیتا ہون ۔

"آجکل کے لوگ پڑھتے بھی ہین تو اس طرح صفحون سے عبور کر جاتے ہین
گویا بکریاں ہین کہ باغ مین گھس گئی ہین جہان منہ پڑگیا ایک بکٹا بھی بھر لیا
باقی کچھ خبر نہین"۔ (آب حیات صفحہ ۴۱)

آزاد خوش نصیب تھے کہ اُن سے کسی نے ایسے سوال نہین کیے جو میری قسمت مین تھے مین معترض علام کی تسکین کے لیے جناب طباطبائی کی شرح کا ایک مقام نقل کرتا ہون شاید اُسے یاد آجاے کہ ہر تشبیہ تام نہین ہوتی ؎

نہ پوچھ وسعت میخانۂ جنون غالب ۔۔۔ جہان یہ کاسۂ گردون ہے ایک خاک انداز

جناب طباطبائی فرماتے ہین ۔

" خاک انداز وہ آلہ ہے جس سے مٹی کھود کھود کر پھینکین لیکن یہان یہ
وصف مقصود نہین ہے بلکہ آلہ خاک انداز کا محقر ہونا وجہ شبہ ہے اور
اُسکا فقط خاک سے بھرا ہونا مقصود ہے"۔ (شرح طباطبائی صفحہ ۶۷ و ۶۸)

آگے بڑھنے سے پہلے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے آجکل کے پڑھنے والون سے

معذرت کرون ۔مین نے اُنکے مطالعہ کے متعلق یہ لکھ دیا تھا کہ کتابین یون دیکھی جاتی ہین
جس طرح زچہ تارے دیکھتی ہے مگر اودھ پنچ کے یہ پرچے دیکھنے سے مجھے عبرت ہوئی
اور معلوم ہوا کہ صرف آج کل کے طلبا ہی نہین بلکہ وہ لوگ بھی اسی طرح کتابین دیکھتے ہین
جن کا دعوے یہ ہے

"ہم نے ایسا زمانہ پایا تھا کہ اُردو ایک لطیف زبان سمجھی جاتی تھی"۔

(اودھ پنچ ۲۲ اپریل ۱۹۲۵ء صفحہ ۴ کالم ۲)

مین جانتا ہون کہ اِن الفاظ (جینے اور کوتھنے) سے زندہ دل معترض کو صرف زندہ دلی
کا اظہار مقصود تھا، اور مین اِن کے متعلق کچھ نہ لکھتا مگر معترض صاحب نے اعتراض کا نمبر
دیدیا تھا مجھے بھی کچھ کہنا ہی پڑا۔

اعتراض (۱۵) ہیبت آفرینی، معجز آرائی، کافرماجرائی وغیرہ

خلاصہ اعتراض:۔ "یہ ترکیبین نہین ٹھیل پائیان ہین"

جواب:۔ ترکیب کا میدان نہایت وسیع ہے اور اُسکی وسعت کا اندازہ کرنا
ہو تو خاقانی، قاآنی، نظیری، عرفی، ظہوری، شوکت، جلال، اسیر، غالب اور مومن
وغیرہ کے کلام پر نظر کر لی جائے مین دو چار مثالین دیکر آگے بڑھتا ہون۔

رقیب آفرینی

رشک فغان کی ہائے رقیب آفرینیان
محشر نے خفتگان لحد کو جگا دیا

(کلیات مومن صفحہ ۷۹)

سجدہ ارم آفرین۔ "نسیم جہان آباد دلش اگر بہار بیشہ و چمن می گزشت
قشقہ ہندوے سوسن بداغ سجدہ ارم آفرین بدل می گشت"

(جلوسیہ طغرا (رسائل طغرا) صفحہ ۱۳۲ و ۱۳۳)

نزاکت آفرینی :۔ "برق در نزاکت آفرینی برق است"

(صبح گلشن صفحہ ۵، تذکرۂ شعرائے فارسی)

نفسِ مرگ آرا

منت بازیچۂ عیسےٰ مکش سحرِ حیات
ارزشِ مُردن بپرس از نفسِ مرگ آرائے من

(قصائد عرفی صفحہ ۲۶)

قیامت آرا

تنگیٔ عشق وحشت افزا تھی
تپشِ دل قیامت آرا تھی

(کلیات مومن صفحہ ۲۸۹)

کافر ماجرائی

ادا ہوا احتسابِ پارسائی
بنے دیندار کافر ماجرائی

(کلیات مومن صفحہ ۴۱۳)

دو ترکیبیں اور ملاحظہ ہوں :۔

خاطر نگہدار درویش

کہ خاطر نگہدار درویش باش
نہ در بند آسائش خویش باش

(بوستان بلبل شیراز علیہ الرحمہ)

خونِ دل آشامی

"باکاوِ کاوِ غمزہ نظیری اثر نماند
فارغ نشین کہ خونِ دل آشامی تو رفت"

(دیوان نظیری صفحہ ۷۵)

اعتراض (۱۶) شیکسپیر پرستان ہندی نژاد

خلاصہ عبارتِ اعتراض :۔ "سامنے سیدھا سادہ اُردو لفظ موجود ہے مگر ادبدا کے انگریزی جھاڑ یا عربی فارسی پتھر کھینچ مارتے ہیں ایسی حالت میں اُردو ٹاٹ کی انگیا مونج کی بخیہ ہوئی جاتی ہے الخ"

جواب :۔ ٹاٹ کی انگیا مونج کی بخیہ سہو کاتب سے لکھ گیا یا خدا ناکردہ بالغرض قلم ہے اسلیے کہ اس مثل کا مفہوم یہ ہے کہ جیسی معمولی چیز ہو ویسی ہی اُس کا

معمولی سامان ہونا چاہئے آپ نے اِسے بے جوڑ (اَن مل) کی جگہ پر لکھدیا ہے۔ بہرحال مجھے اصل اعتراض کے جواب سے بحث رکھنی چاہئے۔

بندہ نواز میں نے جہان تک اُردو پر نظر کی ہے مجھے تو یہ معلوم ہوا ہے کہ جس طرح اِس زبان مین فارسی عربی کے پُر شوکت الفاظ کلام کے دبدبہ کو بڑھا دیتے ہین اُسی طرح ہندی کے نازک اور سیدھے سادے الفاظ مزہ پیدا کر دیتے ہین۔ آپ خود اپنے مضمون کی قسط اوّل مین فرماتے ہین۔

"معجزہ آراست۔ سجدہ ریخت فارسی والون نے بھی نہین کہا خواہ وہ ہندی نژاد ہون یا ایرانی"

دیکھئے سیدھا سادہ جملہ یون ہو سکتا تھا کہ "خواہ وہ ہندی ہون یا ایرانی" مگر میری طرح آپ کے قلم سے بھی ہندی کے ساتھ نژاد نکل ہی گیا۔

"اُسی پرچہ مین آپ فرماتے ہین کہ داد کے جتنے ملحقات ہین سب کے معنے کسی نہ کسی طرح انصاف وعدل کی طرف منجر ہوتے ہین"۔

۶ رمئی کے پرچہ مین جناب نے لکھا ہے " ابوالفضل بھی اسی راہ کا سالک تھا " سیدھا سا جملہ یون ہو سکتا تھا کہ ابوالفضل کا بھی یہی انداز یا طرز تھا۔

اور کچھ آپ ہی پر موقوف نہین اردو کی شان ہی یہی ہے اب مین اُن لوگون کے کلام سے کچھ مثالین دینا چاہتا ہون جو قلم و زبان آور ہین کو س انا ولاغیری بجاگئے
قمر منخسف:-

رہے ہے جون قمر منخسف سدا بے نور   سیاہ بختون کے بالین قبر کی قندیل

(دیوان ذوق صفحہ ۲۵)

مالک الرقاب "گردن جھکائے روتا ہے وہ مالک الرقاب"

بند ۵۱ مطلع :- یارب کسی کا باغ تمنا خزاں نہ ہو (جلد سوم میر انیس صفحہ ۱۷۱)

عزم بالجزم " سے

عزم بالجزم تھے کیا فاطمہ کے پیاروں کے
چھوٹی سی تیغ سے دم بند تھے کفاروں کے

بند ۴۲ مطلع :- غل تھا اعدا میں کہ زینب کے پسر آتے ہیں (جلد سوم میر انیس صفحہ ۲۵)

لاریب فیہ مصحف ناطق " لاریب فیہ مصحف ناطق کے جائے ہیں "

بند ۳۲ مطلع :- رطب اللساں ہوں مدح شہ خاص و عام میں (جلد سوم میر انیس صفحہ ۱۵۳)

چرخ مقرنس " نزدیک تھا ہل کے گرے چرخ مقرنس "

بند ۸۴ مطلع :- جب رو چکے حضرت علی اکبر سے پسر کو (جلد سوم میر انیس صفحہ ۱۹۵)

خلع بدن سے

کیا کیا عزیز خلع بدن ہائے کر گئے
تشریف یاں تمہیں تمہیں لانا ضرور تھا

(کلیات میر صفحہ ۳۰۶)

"پھر لہو کا تصور لہو کی بوند دونوں میں کیسا بون بعید ہے اور تباین طرفین سے تشبیہ میں حسن اور غرابت زیادہ ہو جاتی ہے" (شرح طباطبائی صفحہ ۱۰۷)

"جب وہ صاحب کمال عالم ارواح سے کشور اجسام کی طرف چلا تو فصاحت کے فرشتوں نے باغ قدس کے پھولوں سے تاج سجایا جس کی خوشبو شہرت عام بنکر جہان میں پھیلی اور رنگ نے بقائے دوام کی آنکھوں کو طراوت بخشی وہ تاج سر پر رکھا گیا تو آب حیات اس پر شبنم ہو کے برسا کہ شادابی کو کملاہٹ کا اثر نہ پہونچے" (آب حیات آزاد صفحہ ۵ ۲ مطبوعہ ۱۹۵۵ء [illegible])

"عام اور مبتذل تشبیہین جو اُردو گویون کے کلام مین متداول ہین مرزا
جہان تک ہو سکتا ہے اُن تشبیہون کو استعمال نہین کرتے بلکہ تقریباً
ہمیشہ نت نئی تشبیہین ابداع کرتے ہین۔" (یادگار غالب صفحہ ۱۱۴ از حالی مغفور)

اب مین حیران ہون کہ مین نے جو شیکسپیر پرستان ہندی نژاد لکھا تھا تو اُس مین کونسا لفظ تھا جو انگریزی پہاڑ یا عربی فارسی پتھر کہا جا سکتا ہے۔ انگریزی تعلیم سے بہرہ ور ہونے والے ہندوستانی اب سے پہلے شیکسپیر پر مٹے ہوئے تھے اور آج بھی اُن کی شیفتگی کچھ زیادہ کم نہین ہوئی ہے مین نے اگر اُنکو شیکسپیر پرست کہا تو کیا گناہ کیا۔ اِس سے قطع نظر کر لینے پر بھی آج کونسا ایسا پڑھا لکھا ہے جو شیکسپیر کے نام سے واقف نہ ہو اور جسے یہ نہ معلوم ہو کہ انگریزی تعلیم پانیوالے شیکسپیر کی قدر بلکہ پرستش کرتے ہین مین اسم خاص کو کس لفظ سے بدلتا اور کیون بدلتا۔ پرست عام ہے۔ بت پرست، صنم پرست سے کون واقف نہین۔ نژاد ایسا لفظ تو نہین جس سے اتنی وحشت ہو

اعتراض (۱۷) زبان حال

مین نے لکھا تھا کہ اب وقت آگیا ہے کہ مرزا کے دیوان کی ایسی شرح لکھ دیجائے کہ دیوان بہ زبان حال پکار اُٹھے کہ حق شرح ادا ہو گیا۔ اُسپر یہ ارشاد ہوا۔

"اے حضرت دیوان کی دو زبانین ہین۔ ایک تو اپنی اُستادی کا ڈنکا بجاتی ہے اور دوسری الکن ہے لڑو لڑو کرتی ہے۔"

اعتراض یہ ہے کہ دیوان صرف زبان حال رکھتا ہے تو پھر زبان حال کہنے کی ضرورت کیا تھی۔

جواب :۔ کاش معترض نقاد نے کلام اساتذہ پر نظر ڈالی ہوتی۔ مین جوا

مین صرف اتنا ہی کہون گا کہ جو کچھ سراپا گناہ سے ارشاد ہوا ہے وہی تاجدار فصاحت میر انیس رح سے فرمادیا جائے ؎ رباعی

پیری سے بدن نزار ہو زاری کر — دنیا سے انیس اب تو بیزاری کر
کہتے ہین زبان حال سے موئے سپید — ہے صبح اجل کوچ کی تیاری کر

اعتراض (۱۸) سیاہ پوش

میرے اس فقرہ پر کہ یہی وہ شرح ہے جس کی بیگناہ کشی سے اشعار غالب سیاہ پوش نظر آتے ہین معترض نقاد کہتا ہے کہ

" خدا اسکے پرسیمینون سے یہ کسی حرف کا منہ کالا کئے بغیر چھوڑتے ہی نہین "

جواب :- یہ ایسی بات ہے کہ جسکا جواب یہی ہو سکتا ہے کہ خدا معترض علام کو جزائے خیر دے جس نے حسن تعلیل کی داد یون دی میرے نزدیک یہان اُسے صرف اظہار زندہ دلی مقصود تھا حقیقت مین اعتراض مقصود نہین ہے

اعتراض (۱۹) " حضرت چھُری پھرائی نہین جاتی پھیری جاتی ہے جس کسی پر اعتبار کیجئے اُس سے پوچھ لیجئے "

جواب :- جو بات نہ معلوم ہو اُس کا پوچھ لینا عیب نہین۔ مگر بندۂ ناشاد اُن لوگون سے پوچھ چکا ہے جن کا اعتبار ساری دنیا کو ہے اور ہونا چاہیے جہان تک مین جانتا ہون چھُری یا خنجر سب پھیرے بھی جاتے ہین اور پھرائے بھی جاتے ہین

مین نام بزرگون کے بتایا کیا امّان — وہ حلق پہ خنجر کو پھرایا کیا امّان

قول جناب امام حسین ع (مرزا دبیر رح مطلع مرثیہ جب اصغر بے شیر گئے نہر لبن کو)

"گردن پہ تو بھینا کے پھرایا نہین خنجر"

بند۳۷ مطلع مرثیہ :- اے مومنو کیا صادق الاقرار تھے شبیر

(جلد چہارم میرانیس صفحہ ۳۲۹)

"اسکے عوض پھرا دے چھری میرے حلق پر"

بند ۱۰ مطلع مرثیہ :- رُوح سخن فدائے حسین شہید ہے۔

(جلد سوم میرانیس صفحہ ۲۲۲)

یہان تک مین نے اُن اعتراضون کے متعلق کچھ لکھا جو مجھ پر کئے گئے تھے صرف ایک دعوی کی حقیقت دکھا دینا ہے، انشاء اللہ مضمون اُسی پر تمام ہوگا۔ اب یہان سے معترض علام نے صدر المحققین مرزا غالب پر کرم کیا ہے۔ اسکا اجمالی جواب صرف اس خیال سے کہ معترض کی دلشکنی نہ ہو لکھتا ہون مفصل جواب میری شرح مین نظر آئیگا اللہ جانتا ہے کہ مین کسی سے اُلجھنا نہین چاہتا جناب طبا طبائی نے جو اعتراض اُٹھانے کے قابل کئے ہین وہ مین اپنی بساط بھر اُٹھا چکا ہون، خدا نے چاہا تو میری شرح مین سب کا جواب شافی نظر آئیگا جناب طبا طبائی کے اعتراضون کا جواب دینا اُردو زبان بولنے والون کے لیے واجب کفائی تھا۔ مین نے اس واجب کو ادا کرنے کی سعی کی ہے اب یہ خدا جانے اور اہل انصاف کہ میری سعی مشکور ہوئی یا نہین۔

جس طرح اُردو کی بربادی پر معترض نقاد کا دل کڑھتا ہے اُسی طرح میرا بھی کیا غضب ہے کہ مین سنگسار کیا جاتا ہون۔ مین معترض نہین مجیب ہون عجب تماشا ہے کہ جس نے میرزا غالب ایسے یگانۂ دہر پر ایسے بیگناہی اتنے تیر مارے کہ کلیجا چھلنی کردیا، لوگ اُسکے لیے سینہ سپر ہین، اور مین جو اُن تیرون کو نکالنا چاہتا ہون تو مجھ پر

پتھر برسائے جاتے ہین معترض نقاد کے انداز سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہ کہنا چاہتا ہے ؎

خدا کے واسطے اس کو نہ ٹوکو   یہی اک شہر مین قاتل رہا ہے

جناب طباطبائی کی شرح سے مین اسوقت صرف ایک نمونہ پیش کرتا ہون، اور میرا خیال یہ ہے کہ اُسکا جواب اسقدر ہوگا کہ مجیب اپنی عبارت پر خود حیران ہوگا۔

جناب طباطبائی مرزا کے اِس شعر کی شرح مین ؎

مر گیا صدمۂ یک جنبش لب سے غالب   ناتوانی سے حریف دم عیسیٰ نہ ہوا

فرماتے ہین۔ "اِس شعر مین معنی کی نزاکت یہ ہے کہ شاعر حرکت لب عیسیٰ کو صدائے عیسیٰ کی حرکت سے مقدم سمجھتا ہے۔ کہتا ہے کہ مین پہلے حرکت لب ہی کی ادھیڑ سے مر گیا اور حریف دم عیسیٰ نہ ہوا۔" الخ

حرکت لب کی ادھیڑ، اور لب بھی کون، لب عیسیٰ۔ کیا کہنا

کلام غالب پر معترض علام کے اعتراضات

تو نے سودا کے تئین قتل کیا کہتے ہین   یہ اگر سچ ہے تو ظالم اِسے کیا کہتے ہین

اِن اعتراضون کا جواب دینے سے پہلے یہ کہدینا ضروری ہے کہ دوسرے پرچے مین جہان معترض نے مرزا پر اعتراضات کئے ہین وہان لہجہ بہت نرم ہے اور مین اِس رحم کا شکر گزار ہون، پہلے پرچہ مین شدت زیادہ تھی۔

اعتراض (۲۰-۱) "عربی محاورہ ہے "اصلاح ذات البین" چنانچہ قرآن (مجید) مین ہے "اصلحوا ذات بینکم" مرزا غالب اسے اصلاح بین الاثنین

لکھتے ہین "

جواب :- اسے مرزا کی غلطی سمجھنا کیا ضرور ہے، ممکن ہے کہ سہو کاتب ہو۔ صلاح بین الذاتین مرزا کے رقعہ مین ہے جسکی نسبت مرزا نے شاید کہین نہین لکھا کہ اسکا پروف میری نظر سے گزر چکا ہے جناب طباطبائی تو مرزا کے اُس دیوان (اردو) مین سہو کاتب کے قائل ہوے ہین جسکی نسبت وہ اپنی شرح مین زور دیکر فرماتے ہین کہ اس دیوان کا پروف خود مرزا نے دیکھا ہے، چنانچہ مرزا کے دو شعرون کے متعلق یہ ارشاد فرمایا ہے ؎

(۱) کون ہوتا ہے حریفِ مےِ مرد افگنِ عشق ہے مکرر لبِ ساقی مین صلا میرے بعد

(۲) افسردگی نہین طربِ انشائے التفات ہان دردِ بنکے دل مین مگر جا کرے کوئی

"ارشاد طباطبائی (۱) اس شعر مین کاتب کی غلطی معلوم ہوتی ہے یہان کی یا یہ ہونا چاہیے" (شرح طباطبائی صفحہ ۵۳)

(۲) طرب انشا بہت اَنوٹھی ترکیب ہے۔ غالب سے ایسی رکاکت بعید ہے۔ عجب نہین کہ اُنھون نے طرب افزائے التفات کہا ہو، بلکہ یقین ہے کہ ایسا ہی ہوگا" شرح طباطبائی صفحہ ۲۴۳)

اور کچھ یہی دو مقام ایسے نہین جہان جناب شارح سہو کاتب کے قائل ہوئے ہون جس نے اُنکی شرح غور سے دیکھی ہے وہ ایسے مقامات کا شمار بھی بتا سکتا ہے لیکن افسوس کے قابل تو یہی امر ہے کہ جہان کوئی اصلاح دینا ہوئی سہو کاتب کے قائل ہو گئے۔ جہان اعتراض کرنے کی لہر آگئی سہو کاتب کا خیال دریا برد ہو گیا۔ اِن اشعار مین جو صلاح تجویز ہوئی ہے اُسپر اسوقت کچھ لکھنا ضرور نہین۔

بہرحال اگر فاضل معترض اور قابل شارح کو یہی اصرار ہے کہ نہیں مرزا سے غلطی ہوئی اور ضرور ہوئی تو چشم ما روشن دل ما شاد۔ ایسا ہی ہوگا۔ مرزا نہ فرشتہ تھے، نہ امام، نہ نبی تھے نہ خدا، غلطی ہوئی ہوگی۔

اعتراض (۲۱-۲) "تجدید عہد، محاورہ ہے مگر مرزا غالب فرماتے ہیں
ع کف افسوس ملنا عہدِ تجدید تمنّا ہے۔ آخر اِس اضافت مقلوبی سے کیا فائدہ الخ"

جواب۔ اعتراض کا جواب دینے سے پہلے یہ کہدینا ہے کہ جتنے اعتراض معترض باخبر نے کئے اُن مین سب سے زیادہ مجھے یہی پسند آیا اسلیے کہ گویا اعتراض صحیح نہین مگر مجیب کو دماغ پر زور دینے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے ورنہ اور اعتراضون کے جواب مین دفتر کے دفتر اُلٹ دینے اور بہت سا وقت عزیز معترض نقاد کی ضِد قربان کردینے کے سوا دھرا ہی کیا ہے اسلیے کہ اِس کہنے مین کیا رکھا ہے کہ ایسا میر نے بھی کہا سودا نے بھی کہا، دبیر نے بھی کہا انیس نے بھی کہا۔

اب مین اپنی شرح کا ایک صفحہ نقل کئے دیتا ہون جس سے جناب طباطبائی کا اعتراض اور اعتراض پیدا کرنے کی کوشش اور میرا جواب معلوم ہوجائے گا۔ غالب

نہ لائی شوخیٔ اندیشہ تاب رنج نومیدی ۔۔۔ کفِ افسوس ملنا عہد تجدید تمنّا ہے

ارشاد طباطبائی:۔ "یہان مصنف نے تفنن کلام کی راہ سے (تجدید عہد تمنّا) کے بدلے (عہد تجدید تمنّا) کہا ہے گو محاورہ سے الگ ہے مگر معنی درست ہین اور یہ بھی احتمال ہے کہ دھوکا کھایا جیسے (اصلاح ذات البین) کے مقام پر صلاح بین الذاتین لکھ گئے۔ وہ فقرہ یہ ہے کہ " اگر

خدا نخواستہ مجھ مین اور مولوی صاحب مین رنج پیدا ہوتا تو آپ بہت
جلد اصلاح بین الذاتین کی طرف متوجہ ہوتے"

بیخود:۔ اس ناچیز کی سمجھ مین نہین آتا کہ جب معنی درست ہین تو اعتراض کرنے کی وجہ کیا ہے۔ اعتراض کی تائید کے لیے رقعہ غالب کی عبارت نقل کردیگئی۔ اسکے معنی یہ ہین کہ شارح مرزا پر اعتراض کرنے کا کل سامان لیس کرکے بیٹھا ہے اور ذرا سا موقع ملجائے ترکش خالی کردے، اس اہتمام سے ظاہر ہے کہ شارح مرزا سے کہان تک حسن ظن رکھتا ہے اور یہ بھی آئینہ ہوجاتا ہے کہ اُسے اعتراض آفرینی کے مقابلہ مین شرح کلام کی کچھ پروا نہین۔ اب مین اِن کا فرق بیان کرتا ہون۔

(عہد تجدید تمنا) اور (تجدید عہد تمنا) مین فرق ہے اور ایسا نازک کہ طباطبائی سا نقاد اُلجھتا ہے اور اعتراض جڑ دیتا ہے۔

تجدید عہد تمنا کا مطلب تو یہ ہے کہ ہم نے جو تمنا کرنیکا عہد کیا تھا وہ ٹوٹ گیا ہے یا اُس مین تزلزل پیدا ہوگیا ہے یا اپنے کو عہد پر مضبوطی سے قائم رکھنا مقصود ہے اس لیے ہم تجدید عہد کرتے ہین یعنی نئے سر سے عہد کرتے ہین کہ تمنا ضرور کرین گے۔

عہد تجدید تمنا کا مفہوم یہ ہے کہ پہلے ہم نے صرف تمنا کی تھی، یہ عہد نہین کیا تھا کہ تمنا ضرور کرین گے۔ لیکن اب ناکامی کے بعد ہم جو ہاتھ مل رہے ہین اُس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ ہم تمنا کرکے پچھتائے ہین، بلکہ عہد کر رہے کہ تمنا کی تجدید ضرور کرین گے ان دونون باتون کا فرق ظاہر ہے میری سمجھ مین نہین آتا ہے کہ اس شعر کو اضافت مقلوبی (یہ لفظ فاضل مضمون نگار کا ہے) سے کیا تعلق ہے اور اسے تجدید عہد کے محاورہ سے کیا علاقہ ہے جس طرح تجدید عہد محاورہ ہے اُسی طرح عہد کرنا

بھی محاورہ ہے۔

صاف لفظون مین شعر کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ عالی ہمت ہین ناکامی اُنکے حوصلے کو پست نہین کرتی بلکہ جتنی ناکامیان زیادہ ہوتی جاتی ہین اُتنی ہی انکی ہمت بلند اور عہد استوار ہوتا جاتا ہے۔

اعتراض (۲۲-۳) تنافر

خلاصۂ عبارت اعتراض

"تنافر عیب ہے مگر غالب مرحوم فرماتے ہین ع

کیا تب ہے ہم ترے ملنے کی کہ کھا بھی نہ سکون"

جواب :- تنافر عیب ہے۔ وہ مرزا کے یہان ہو یا کہین اور لیکن یہ عیب ایسا ہے جس سے کوئی اُستاد بچا نہین اسکی ہزارون مثالین دیجا سکتی ہین۔ ہان نثر عاری مین تنافر زیادہ اعتراض کے قابل ہے جیسا یہان ہے۔

"میرے اشتیاقِ قتل مین ایسا جذب و کشش ہے کہ تلوار کا دم اُسکے سینہ سے باہر کھینچ آیا ہے۔" (شرح طباطبائی صفحہ ۲)

اب مین تنافر کی چند مثالین ایسے شاعر کے اشعار سے پیش کرتا ہون فصاحت جس کا کلمہ پڑھتی ہے۔

"گھوڑے کو کسی باگ پہ پھٹتے نہین دیکھا"

بند ۹۹ مطلع :- دولت کوئی دنیا مین پسر سے نہین بہتر (انیس)

"شہباز اجل صید پہ پر کھول کے آیا"

بند ۹۱ مطلع :- دولت کوئی دنیا مین پسر سے نہین بہتر (انیس)

وہ تیز منہ کہ کوہ کو کھالے مثال کاہ

بند ٨٦ مطلع - رطب اللسان ہون مدح شہ خاص و عام مین (جلد سوم میر انیس صفحہ ١٥٢)

اس مین کچھ شک نہین کہ مرزا کے مصرعہ کی جو موجودہ صورت ہے اس مین غضب کا تنافر ہے۔ تین کاف ایک جگہ جمع ہوگئے ہین لیکن حسن ظن کا قدم درمیان مین ہوتا تو یہ مقام مشتبہ ایسا تھا کہ بے تامل کہدیا جاتا کہ یہان کاتب کی غلطی معلوم ہوتی ہے اسلیے کہ اگر 'کہ' 'جو' سے بدل جائے تو کوئی قباحت پیدا نہین ہوتی اور (کی کہ کھا) پڑھتے وقت زبان رکتی ہے اور یہ وہ کراہت ہے جو موزون طبع بچون کو بھی محسوس ہوتی ہے۔ مرزا سے اسکی توقع رکھنا سوے ظن نہین تو کیا ہے اور یہی حال میر انیس مرحوم کے آخری مصرعہ کا ہے وہان بھی 'کہ' 'جو' سے بے تکلف بدلا جاسکتا ہے، اور اگرچہ انیس مرحوم کے پہلے دو مصرعون مین جو عیب تنافر ہے وہ مصرعون کو تلپٹ کئے بغیر نکل نہین سکتا۔ لیکن اہل ذوق انکی خوبی کا کلمہ پڑھتے ہین خاصکر پہلا مصرعہ تو اپنا جواب نہین رکھتا ع گھوڑے کو کسی باگ پہ پھٹتے نہین دیکھا۔

تنافر کے مسئلہ مین مجھے جناب طباطبائی کا یہ قول بہت پسند ہے جو غالب کے اس شعر کی شرح مین نظر آتا ہے:-

کوئی میرے دل سے پوچھے ترے تیر نیمکش کو ۔۔۔ یہ خلش کہان سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا

اور اسکے پسند آنے کی وجہ یہ ہے کہ انصاف سے بیگانہ نہین۔

"(جو) کا واؤ وزن سے ساقط ہوگیا اور یہ درست ہے بلکہ فصیح ہے، لیکن اسکے ساقط ہوجانیسے دو جیمین جمع ہوگئین اور عیب تنافر پیدا ہوگیا لیکن خوبی مضمون کے سامنے کوئی ایسی باتون کا خیال نہین کرتا۔" (شرح طباطبائی صفحہ ٢١)

لیکن وہ شعر جس پر اسوقت بحث ہو رہی ہے اُس میں اس قول طباطبائی سے کام لینے کی ضرورت نہین اسلیے کہ سہو کاتب کے احتمال کی گنجائش زیادہ ہے اور 'کہ' 'جو' سے بدلا جا سکتا ہے۔

اعتراض (۲۳-۴۱) اثبات۔ پیچ

مرزا غالب فرماتے ہین

" نفی سے کرتی ہے اثبات تراوش گویا

کیا شارح یہ نہ بتاے کہ اثبات مذکر ہے۔ غالب کبھی بات کی پیچ، کبھی بات کا پیچ کہتے ہین "

جواب:۔ حقیقت یہ ہے کہ جناب طباطبائی نے شرح اور حضرت ادیب الشعرا نے مضمون لکھتے وقت صرف اپنی نظر پر جو ایسی ہے اور اپنے حافظہ پر جو ایسا ہے تکیہ کیا ہے حالانکہ یہ چیزین اکثر شباب مرحوم کے ساتھ اور کبھی کبھی پہلے ہی سے چل بستی ہین۔ اس اعتماد کا نتیجہ یہ ہوا اکثر کیا شاید سب کے سب اعتراض ایسے کیے جن پر تحقیق سر بگریبان ہے۔ مذکر اور مونث کی بحث چھیڑی تو مختلف فیہ کا نام تک نہ لیا۔ بعض لفظ ایسے بھی ہین کہ مذکر بھی بولے جاتے ہین اور مونث بھی۔ ایسے لفظون مین کبھی تو یہ ہوتا ہے کہ ہر اُستاد کسی ایک صورت کو مرجح سمجھتا ہے کبھی ترجیح اور عدم ترجیح سے بحث نہین کرتا، ردیف شعر یا اُسکا مذاق صحیح جس مقام پر تذکیر کو پسند کرتا ہے مذکر باندھ جاتا ہے، مثلاً لفظ 'معراج' زیادہ تر مونث سمجھا جاتا ہے مگر شیخ ناسخ مذکر باندھتے ہین اور اس محل پر حق انھین کی طرف ہے ؎

کسی دل تک رسائی ہو سکے تو عرش ہے یہ بھی عزیزو گر نہین معراج ممکن عرش اعظم کا

یہان عرش اعظم کا اور عرش اعظم کی کہنے مین جو فرق ہے اُسے کچھ وہی لوگ سمجھتے ہین جن کے کان سدھے ہوئے ہین جن کا ذوق سلیم ہے، اور جہان شاعر کا مذاق صحیح مؤنث کو مرجح سمجھتا ہے وہان مونث لکھ جاتا ہے اور اہل ذوق نے مختلف فیہ الفاظ کے صرف مذکر یا مونث قرار دیدیئے جانے پر زیادہ زور نہین دیا، اس کا راز یہی ہے کہ اُنھون نے زبان کے دائرہ کو تنگ کرنا بہتر نہ سمجھا علاوہ اسکے مرزا کی جلالت قدر وہ تھی کہ اگر کسی لفظ کو خلاف جمہور مذکر یا مؤنث باندھ جاتے تو اُسی طرح قابل ملامت نہ ٹھہرتے جس طرح میرؔ و سوداؔ و دردؔ۔ یہ اس ناچیز کا خیال ہے کچھ مثالین ملاحظہ ہون۔ مختلف فیہ کی مثال

خط کو روے یار پہ نشو و نما ہوتا نہین (مذکر) سبزۂ بیگانہ گل سے آشنا ہوتا نہین

(شیخ ناسخ مرحوم)

آنسو بہا تو رشتہ بپا مرغ دل ہوا (مونث) دانہ نے کی جو نشو و نما دام ہو گیا

(خواجہ وزیر مغفور)

اب وہ مثالین لکھی جاتی ہین جن مین ایک ہی شاعر نے ایک لفظ کو مذکر اور مونث باندھا۔

(مذکر) "تم فاتحہ ا باکا دلا دیجیو بیٹا"

بند ۱۹۔ مطلع۔ جب خیمہ مین رخصت کو شہ بحر و بر آئے۔ (جلد سوم انیس صفحہ ۲۰)

سو مر گئے بھوکے یہی مرضی تھی خدا کی

(مونث) ان کھانون پہ دو فاتحہ شاہ شہدا کی

بند ۸۔ مطلع۔ اے مومنو کیا صادق الاقرار تھے شبیر (جلد اوّل انیس ۲۱۹)

ہر سنگ میں شرار ہے تیرے ظہور کا
(مذکر) موسیٰ نہیں کہ سیر کرون کوہ طور کا (کلیات سودا صفحہ ۱۰۰)

سیر کی یون کوچۂ ہستی کی ہم
(مونث) نے مین سے جون نالہ گزر کر گیا (ایضاً صفحہ ۲۰۸)

اعتراض (۴۳-۴) تانیث قلم

" غالب فرماتے ہین (ع) ہے قلم میری ابر گوہر بار۔ تو کیا شارح قلم کی تانیث تسلیم کرلے "

یہ تو وہ عبارت ہے جو فاضل مضمون نگار اودھ پنچ نے لکھی ہے، حضرت طباطبائی اس شعر کے متعلق فرماتے ہین۔

" مصنف مرحوم کی زبان پر قلم تانیث تھا، اور اُن کے تلامذہ ابھی تک اس وضع کو نباہے جاتے ہین، مگر اصل یہ ہے کہ لکھنؤ و دہلی مین تذکیر لیتے ہین۔ فخر شعرائے دہلی مرزا داغ کا کلام دیکھ لو۔ تعجب یہ ہے کہ مصنف بھی قلم کو تذکیر باندھ چکے ہین (ع) فقط خراب لکھا بس نہ چل سکا قلم آگے "

جواب:- جہان حضرت طباطبائی تعجب ظاہر کرتے ہین مجھے تعجب آتا ہے مرزا کے دیوان مین قلم دوچار جگہ بھی مونث نہیں ملتا۔ پھر اسکا فیصلہ کیونکر ہوا کہ قلم مرزا کی زبان پر تانیث تھا، ہان شاید اردوئے معلّےٰ اور عود ہندی مین جناب طباطبائی کی نظر سے گزرا ہو۔ میرے پاس یہ کتابین اسوقت موجود نہین۔ اسلیے مین صرف انھیں دو مصرعون کو مدنظر رکھ کر جواب دیتا ہون۔ جناب طباطبائی کی اس عبارت سے (جس مین مرزا کے دو مصرعے لکھے ہین (۱) ہے قلم میری ابر گوہر بار (۲) فقط خراب لکھا

بس نہ چل سکا قلم آگئے) تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرزا قلم کو مختلف فیہ جانتے تھے اور جہان مناسب نظر آیا تھا مذکر یا مونث باندھ جاتے تھے اور دہلی کے متعلق یہ کہنا دل کو لگتی ہوئی بات نہین کہ وہان قلم کو سب بتذکیر بولتے ہین " اگر بولتے ہین" سے زمانہ موجودہ مراد ہے تو پھر کہا جائیگا کہ اس قول سے مرزا کے زمانے کو کیا تعلق ہے۔ اس حالت مین تو صرف یہ کہہ دینا کافی تھا کہ اب دہلی والے بھی باتفاق مذکر بولتے ہین لیکن یہ بھی اُس وقت کہا جا سکتا تھا، جب اُن مستند سخن آفرینون کی نظم و نثر پر نظر کر لی گئی ہوتی جن پر آج کی دلّی ناز کرتی ہے اگر اس سے مرزا غالب کا زمانہ مراد ہے تو یہ قول تحقیق کے خلاف ہے دور کیون جائیے، مرزا کے معاصر حضرت مومن نے بھی قلم کو مونث باندھا ہے۔

غیر کے خط لکھنے کو تم نے تراشی ہے قلم
ورنہ میرے استخوان کیون ہو گئے قط گیر سے (کلیات مومن صفحہ ۱۸۱)

اور یہی ایک مثال " سب بتذکیر باندھتے ہین" کے رد کر دینے کو کافی ہے۔ خدائے سخن حضرت میر کے یہان بھی قلم کی تانیث کا سراغ ملتا ہے۔ ؎

کسی کو شوق یارب سا اور اس سے بیش کیا ہوگا
قلم ہاتھ آگئی ہوگی تو سو سو خط لکھا ہوگا (کلیات میر صفحہ ۳۵)

اعتراض (۵-۲۵) ۔ اعلان نون

غالب فرماتے ہین

" فرمان روائے کشور ہندوستان ہے۔ شرع و آیین پر مدار سہی"

عبارت اعتراض اودھ پنچ:۔

" فارسی ترکیب مین اعلان نون بعد الاضافت معیوب ہے۔ ایسی

غلطیاں اگلے اساتذہ کے کلام مین بہت ہین"
یہ بھی ارشاد ہوا کہ
" غالب نے بھی اپنے کسی مکتوب یا ملفوظ مین ان کے جواز کا فتوے نہین دیا۔ اگر شارح نے اسکی توضیح کر دی تو کس جرم کا مرتکب ہوا"
جواب : ہمیشہ کسی شاعر کی زبان پر اعتراض کرتے وقت وہ زبان معیار قرار دیجاتی ہے جو اُسکے زمانہ مین رائج ہو۔ لیکن اردو مین یہ بھی دیکھنا ضرور ہے کہ شاعر دلی کا ہے یا لکھنو کا۔ اگر آج ہم میر۔ سودا۔ درد پر ادیھر، اُودھر، جیدھر، کیدھر، تک نپٹ، ندان، اُور، بچارا، دوانہ بولنے کی وجہ سے اعتراض کرین تو وہ اہل انصاف جو بارود کا پتلا ہین آگ ہو جائین گے اور کافور مزاج حضرات نے اگر کچھ نہ کہا تو مسکرائینگے ضرور۔ حقیقت یہ ہے کہ فارسی ترکیب مین اعلان نون بعد اضافت اب معیوب ہے مرزا کے زمانہ مین محبوب تھا۔ عہد غالب کے شعرا ذوق، ظفر، مومن، آزردہ، کا کلام اگر دیکھا جائے تو یہ اعلان نون اتنی جگہ نظر آئے گا کہ شمار مشکل ٹھہرے گا۔ پھر اسے معیوب یا غلط قرار دینا بڑی جسارت ہے۔ اِس عقدہ کا حل وہی ہے جو حضرت طباطبائی کی شرح کے صفحہ ۲۴۴ مین نظر آتا ہے۔

" مصنف مرحوم (غالب) کا اس باب مین یہی مذہب معلوم ہوتا ہے کہ اردو کے کلام مین ایسے مقام پر وہ اعلان نون درست جانتے ہین اور فارسی کے کلام بھر مین اُن کے کہین اس طرح اعلان نون نہین دیکھا۔ یعنی فارسی کلام مین اہل زبان کا اتباع کرتے ہین اور اردو مین نہین کرتے" (شرح طباطبائی ص ۲۴۴)

مین اس مین اتنا اور بڑھانا چاہتا ہون کہ کچھ غالب ہی پر موقوف نہین معاصران غالب بلکہ اُن کے تمام پیشرو میر۔ سودا۔ درد۔ خان آرزو وغیرہ سبکا یہی مذہب تھا اور اوران اساتذہ مین سے کوئی ایسا نہین جو فارسی مین صاحب دیوان نہو خصوصاً خان آرزو سراج المحققین جنکا خطاب ہے اور جو (منشی ٹیکچند) مصنف بہار عجم کا فخر شاگرد اُستاد ہے، ان لوگون نے ترکیب اضافی و توصیفی مین اعلان نون کو اُسی طرح جائز رکھا جس طرح نون کا نون غنہ ہو جانا۔ اور اس مین کچھ شک نہین کہ یہ اجتہاد تھا۔ غلطی نہ تھی۔

ہان، مین یہ کہنا بھول گیا کہ یہی جناب طباطبائی جو صفحہ ۲۴۴ پر مرزا کا مذہب بیان کر چکے ہین صفحہ ۱۴۸ مین یون گلفشانی فرماتے ہین۔

"میر انیس مرحوم کے اس مصرعہ پر ع مسکن چھٹا ہمائے سعادت نشان سے لکھنؤ مین اعتراض ہوا تھا کہ حرف مد کے بعد جو نون کہ آخر کلمہ مین پڑے فارسی والون کے کلام مین کبھی باعلان نون نہین پایا گیا۔ تو جب اردو مین ترکیب فارسی کو استعمال کیا اور کشور ہندوستان کہکر مرکب اضافی بنایا، ہمائے سعادت نشان باندھ کر مرکب توصیفی باندھا تو پھر نحو فارسی کی تبعیت نہ کرنے کا سبب؟"

پہلے مین اس اعتراض کا جواب مائۂ حال کے مسلم اصُول کو صحیح قرار دے کر لکھتا ہون، اور آگے بڑھکر وہ جواب عرض کرونگا جو نگاہ تحقیق کو نظر آتا ہے۔

مین اسکا سبب عرض کردون۔ نحو فارسی کی تبعیت نہ کرنے کا سبب اجتہاد ہے اور یہ اُسی طرح کا اجتہاد ہے جیسا اساتذہ ایران نے کیا ہے۔ یعنی عربی کے وہ الفاظ

جو باعلان نون تھے۔ مثلاً بیان، خلجان، خفقان، مرجان وغیرہ جب باضافت و عطف فارسی استعمال کیے تو اعلان نون کو غائب کر دیا۔ یہ شعرائے ایران کا تصرف و اجتہاد تھا۔ اساتذۂ دہلی نے جو آب کے شعرا سے فارسی زبان مین زیادہ دخل رکھتے تھے، یہ کیا کہ الفاظ خواہ فارسی ہون خواہ عربی، ان مین مد کے بعد جو نون آخر کلمہ مین پڑے اُسے اعلان کے ساتھ بھی باندھین اور بغیر اعلان بھی۔ اس طرح کا استعمال لکھنؤ مین میر انیس مرحوم اور دلی مین حضرت داغ مغفور تک برابر جاری رہا۔ اس رواج کا ترک اچھا ہوا یا برا، اسپر تفصیلی کیا اجمالی بحث کا بھی یہ موقع نہین، یار زندہ صحبت باقی۔ مین صرف اتنا پوچھ لینا چاہتا ہون کہ میر انیس مرحوم پر سعادت نشان باعلانِ نون باندھنے کی وجہ سے جو اعتراض ہوا تھا اُس پر اُنھون نے سر تسلیم خم کیا یا نہین اور اساتذۂ دہلی کے اجتہاد کو مُسلّم سمجھا یا اُس فرضی قلادۂ تقلید اہل ایران کو زیب گردن فرمایا جسے حضرت ناسخ نے اپنے گلے مین ڈالکر اردو زبان بولنے والون کے گلے کا ہار بنا دیا۔ مجھ کو یقین ہے کہ میر انیس مرحوم نے اس اعتراض پر مطلق اعتنا نہین کی۔ کچھ مثالین میر صاحب کے کلام سے لکھی جاتی ہین، جس کو اس سے زیادہ دیکھنا ہو وہ اُن کے مطبوعہ و غیر مطبوعہ کلام پر نظر ڈالے، اگر یہ کہا جائے کہ یہ مرثیے اس اعتراض سے پہلے کے ہین تو اسکا جواب یہ ہے کہ ایسا تو تھا نہین کہ ادھر میر صاحب کوئی مرثیہ پڑھے، ادھر ویسرائے بہادر یا مہاتما گاندھی کی تقریر کی طرح وہ چھپ گیا، جب حقیقت حال یہ ہے تو پھر میر صاحب نے بعد مین اصلاح کیون نہ کر لی۔

عطف اور اعلان نون:-

لاشہ پہ لاشہ ڈال دیا ایک آن میں　　اک تہلکہ سا پڑ گیا کون و مکان میں

بند ۴۵ مطلع "حب جاں نثار سبط پیمبر ہوئے شہید" (جلد چہارم مراثی انیس صفحہ ۱۶۱)

اضافت فارسی اور اعلان نون:۔

تو شاہد مضمون پس پردہ نہاں ہو!

بند ۳ مطلع "کیا پیش خدا صاحب توقیر ہے زہرا" (جلد سوم مراثی انیس صفحہ ۴۲)

خندق میں جوئے خون انھیں ہاتھوں سے بہی

بند ۴۲ مطلع "رطب اللسان ہوں مدح شہ خاص و عام میں" (جلد سوم مراثی انیس صفحہ ۱۵۲)

(معاصرین غالب):۔

یہ روئے پھوٹ پھوٹ کے تلووں کے آبلے　　نالہ سا ایک سوئے بیاباں بہ گیا
نفس بے قید کو تھوڑی سی قدرت ہو اگر　　دیکھیے سامان پھر اس فرعون بے سامان کا

(دیوان ذوق صفحہ ۶)

زلفوں سے تمہاری ہوں پریشاں زیادہ　　دیکھو مری اس حال پریشاں میں صورت

(بہادر شاہ ظفر نور اللہ مرقدہ)

فردوسی ایک خارجناں بیاں تھا　　گلریزی میرے قلم سے ہوئی داستان تیغ

(کلیات مومن صفحہ ۲۳)

میر و سودا کے یہاں سے بھی صرف ایک ایک مثال دیجاتی ہے۔

زنبور خانہ چھاتی غم دوری سے ہوئی　　وے ہم ملک شہ آئے کبھی کس نشان سے

(کلیات میر صفحہ ۴۵۴)

روشن ہو وہ ہر ایک ستارہ میں زلیخا　　جس نور کو تو نے مہ کنعان میں دیکھا

(کلیات سودا)

بازیچہ جہان کو شطرنج ہی سمجھ — خالی ہین کوئی دم مین وہ لاگھر بھرے ہوئے

(کلیات ناسخ صفحہ ۲۹۷)

یہان یہ سوال کرنیکو جی چاہتا ہے کہ فاضل معترض اور قابل نقاد اسی ترکیب "اعلان نون" مین جو نون آخر کلمہ مین پڑتا ہے اُسے باعلان نون پڑھتا ہے یا کسی اور طرح ؟

اس اعتراض کے سلسلہ مین یہ بھی کہا گیا ہے کہ غالب نے اپنے ملفوظ یا مکتوب مین اسکے جواز کا فتوے نہین دیا۔

جواب:۔ مین سراپا حیرت ہون کہ الٰہی یہ کیا کہا جا رہا ہے۔ شاعر یا نثار جس لفظ کے استعمال مین آزاد نظر آئے وہی اس کا فتوے جواز ہے۔ اُس سے بادشاہ وقت کی طرح کسی باضابطہ اعلان کی توقع نہین رکھی جاتی۔

جناب طباطبائی نے اپنی شرح مین ایک طولانی تقریر کے ضمن مین لکھا ہے کہ کہ "دیوان ناسخ دلی پہونچ چکا تھا، پھر غالب وغیرہ نے زبان کے مسائل (مثلاً اعلان نون) مین حضرت ناسخ کے ان اصولون پر کیون نہ عمل کیا"۔ میرے نزدیک یہ تعجب قابل تعجب ہے اسلئے کہ اس زمانہ مین دلی غالب، مومن، ذوق، ظفر، آزردہ شیفتہ وغیرہ پر ناز کر رہی تھی عجب نہین جو اُن کو یہی خیال ہوا ہو کہ ہم اس شاہراہ پر جا رہے ہین جو طریقہ راسخہ شعرا ہے۔ جسپر خان آرزو سا باخبر محقق گام فرسائی کر چکا ہے۔ علاوہ برین ائمہ فن اپنے ماموین کی اقتدا اور مجتہدین عصر اپنے مقلدین کی پیروی نہین کیا کرتے۔ خاصکر اُس صورت مین جب زبان کی وسعت خاک مین ملتی ہو اور یہ وہ حل ہے جو ان رہبران سخنوری کے طرز عمل سے سمجھ مین آتا ہے۔ بائے

پرے، درے، آے ہے، جاے ہے، ہم ہی، وہ ہی وغیرہ نہایت بے تکلفی سے بولا جاتا رہا۔ اسوقت اِن الفاظ کے متعلق کچھ کہنے کی فرصت نہین اور نہ یہ مضمون اسکا متحمل ہو سکتا ہے۔

اب تک اس مسئلے کے متعلق مین نے جو کچھ لکھا اُسکی بنا حضرت طباطبائی کے اِس ارشاد پر تھی کہ مرکب اضافی و توصیفی مین اعلان نون نہ کرنا چاہیے اسلیے کہ نحو فارسی مین جو نون مد کے بعد جسکے کلمہ مین پڑے وہ غنہ پڑھا جاتا ہے اور اِسی بنا پر میر انیس مغفور کا یہ مصرعہ "مسکن چھپا ہمارے سعادت نشان سے" اور مرزا غالب کے یہ مصرعے (۱) فرمانروائے کشور ہندوستان ہے۔ (۲) شرع و آئین پر مدار سہی۔ قابل اعتراض ہین۔

اب مین اسکے جواب مین اپنی ناچیز تحقیق اہل نظر کے فیصلہ کے لیے پیش کرتا ہون۔ مین جہان تک جانتا ہون نحو فارسی مین ایسا کوئی مسئلہ نہین ہے۔ ہندیون اور ایرانیون کے تلفظ مین جہان بہت سے فرق ہین وہان نون کے تلفظ مین بھی ہے۔ ہندی "این" بنون غنہ بولتے ہین، ایرانی "اِن" با علان نون بولتے ہین اور این لکھتے ہین۔ ہندی "چون" بنون غنہ بولتے ہین ایرانی "چُن" بولتے ہین اور چون لکھتے ہین۔ ہندی "چنان" بنون غنہ بولتے ہین ایرانی "چُنَن" بولتے ہین اور چنان لکھتے ہین۔ مختصر یہ کہ اہل ولایت ہمیشہ ایسے نون کو ظاہر کرتے ہین مثلاً اِن اشعار مین ؎

در بزم جمال تو بہ ہنگام تماشا نظارہ ز جنبیدن مژگان گلہ دارد

وہ جنبیدن مژگان کا تلفظ نون غنہ کے ساتھ نہ کرینگے بلکہ جنبیدن مژگن بولینگے

اُن کے یہان ایسی حالت مین آفت آتی ہے الف پر۔ اور مزگن ہو جاتا ہے جب حقیقت یہ ہے تو حضرت طباطبائی کا ارشاد متذکرہ صدر صرف انھین کے ماننے کی بات ہے یہ نحو فارسی کی تبعیت نہین اللہ جانے کیا ہے۔ اضافت و عطف کی حالت مین نون کو غنہ پڑھنا اساتذہ دہلی کا اجتہاد ہے۔ مین اپنے کلام کی توثیق کے لیے آقا سید محمد علے صاحب ایرانی پروفیسر نظام کالج حیدر آباد دکن کی ایک عبارت نقل کیے دیتا ہون۔

"ما نون آخر کلمہ را ظاہر میکنیم و ہندیان اغلب نون ہائے آخر را غنہ میکنند مثلاً ما می گوئیم جانِ ایشان میگویند جان بنون غنہ ہمچنین لفظ خان را خان بنون غنہ می گویند" (از فارسی جدید آقا محمد علی)

حضرت ناسخ مرحوم نے حالت اضافت فارسی مین نون کو نون غنہ کر دینا باتباع اساتذہ دہلی جائز رکھا اور اعلان نون کو بخلاف اساتذہ دہلی ناجائز قرار دیا اور یہ نحو فارسی کی تبعیت سے کچھ تعلق نہین رکھتا۔ اساتذہ دہلی نے حالت عطف و اضافت فارسی مین نون آخر کلمہ کو غنہ کیا اور ساتھ ہی ساتھ الف کا تلفظ بھی قائم رکھا جو ایرانیون کے تلفظ مین نہین جیسا آقا محمد علی صاحب ایرانی کے قول سے معلوم ہو چکا۔ حضرت ناسخ نے اساتذۂ دہلی کے اسی مسلک کو اختیار کیا۔ اور یہ اساتذۂ دہلی کی پیروی ہے نہ کہ اساتذۂ ایران کی۔

دوسری صورت یعنی اعلان نون کو حضرت ناسخ یا اُن کے متبعین نے معیوب یا غیر صحیح قرار دیا یہ اُن کی رائے ہے۔ اساتذۂ دہلی نے دو صورتین تجویز کی تھین۔ ایک صورت قائم رکھی گئی ایک چھوڑ دی گئی اسے بھی اجتہاد ناسخ سے کوئی تعلق نہین

نحو فارسی کی تبعیت نہ اعلان نون میں ہے نہ غنہ میں۔

اعتراض (۲۶-۶) تم ہی۔ وہ ہی

غالب مرحوم فرماتے ہین:۔

ہم ہی آشفتہ سرون مین وہ جوان میر بھی تھا

"اور آپ کی جانب سے شارح اِس قدر توضیح کا بھی حق نہین رکھتا کہ ہم ہی سے ہمین زیادہ فصیح ہے"

جواب:۔ اب ہم ہی، تم ہی، وہ ہی لکھنؤ مین قریب قریب متروک ہین اور دلّی والے ابھی تک ان کو استعمال کرتے ہین مگر بہت کم۔ ہم ہی فصیح ہے اور ہمین افصح اور بس۔ مجھے اِس باب مین جناب طباطبائی کا یہ قول پسند ہے۔

"ہم ہی اور تم ہی اور اِس ہی اور اِن ہی کی جگہ پر ہمین اور تمہین اور اسی اور انھین اب محاورہ مین ہے اور یہ کلمات اپنی اصل سے تجاوز کر گئے ہین"۔ (شرح طباطبائی صفحہ ۳۶)

مین نے قول کے ساتھ (یہ) کی قید صرف اس لیے بڑھا دی کہ جناب موصوف کے قول زمانہ کی طرح رنگ بدلتے رہتے ہین۔ مرزا کے زمانہ مین یہ الفاظ برابر بولے جاتے تھے مثلاً خود مرزا غالب فرماتے ہین۔

(۱) ہم ہی آشفتہ سرون مین وہ جوان میر بھی تھا

(۲) تمہین کہو کہ یہ انداز گفتگو کیا ہے

اِس سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ اُن کی نظر مین دو مین سے کوئی لفظ بھی قابل ترک نہ تھا۔ صرف اِس لیے کہ وہ لوگ زبان کو سرکس کا اسٹیج (تنگ) نہین

بنانا چاہتے تھے۔ دلّی مین حضرت داغ اور لکھنؤ مین شیخ ناسخ تک "وہ ہی" کا سراغ ملتا ہے ؎

ہر صبح وہ ہی صبح ہے ہر شام وہ ہی شام
انسان پر ہے زور فقط انقلاب کا
(ناسخ)

وائے ناکامی کہ باندھا جسمین ہمنے خط شوق
وہ ہی مرغ نامہ بر کا ٹوٹ کر شہپر گرا
(گلزار داغ صفحہ ۲۹)

اور وہ ہی کی وہی حالت ہے جو ہم ہی اور تم ہی کی۔

اعتراض (۲۷-۷) ہوجو

ہوجو کے متعلق کہا گیا ہے کہ کیا شارح اسکو ثقیل بھی نہ بتائے؟

جواب۔ اگر کوئی لفظ ثقیل ہے تو اُسے ثقیل کہنا عیب نہین مگر بات کرنیکا انداز بھی کوئی شے ہے یا نہین۔ آپ دیکھین کہ جناب طباطبائی کس لہجہ اور کن لفظون مین فرماتے ہین۔

"ہوجیو خود ہی واہیات لفظ ہے، مصنف مرحوم نے اِس پر اور طرہ کیا کہ تخفیف کرکے ہوجو بنایا۔"

ہم ہوجیو کو صرف اِس بنا پر واہیات کہہ سکتے ہین کہ ہم آج کل اسے نہین سنتے اور بس۔ حضرت ناسخ فرماتے ہین ؎

زنہار ہوجیو نہ دلا مبتلائے حرص
ذلت بھی دوڑ ہی آتی ہے ناواقفائے حرص

جس طرح ہوجیے کا مخفف ہوجے ہے اُسی طرح ہوجیو کا ہوجو۔

تو بھی رونے کو بلا دل بھی ہمارا ہے بلا
ہوجے لے ابر بیابان مین گریان یکجا

(کلیات ناسخ صفحہ ۵۰)

لیکن مجھے اس لفظ پر زیادہ زور دینے کی ضرورت نہین معلوم ہوتی اس لیے کہ وہ غریب
متروکات کے قبرستان مین سو رہا ہے۔ کسی بزرگ نے اسی ہو جو (بواو مجہول) پڑھکر سلجھایا مگر مجھے
یہ توجیہ پسند نہ آئی اسلیے کہ اگر یہی مفہوم ہوتا تو 'ہوا گر' اس محل پر آسکتا تھا۔
حقیقت یہ ہے کہ ہو جو یہان دعائیہ کلمہ ہے۔

اعتراض (۲۸ - ۸)

حضرت غالب فرماتے ہین:۔

وہ شہنشاہ کہ جسکے پئے تعمیر سرا چشم جبریل ہوئی قالب خشت دیوار

شارح نے اس گتھی کو یون سلجھایا ہے

"ڈھیلے جبریل کی آنکھون کے ہین خشت دیوار۔ تو گڑنے کا محل نہین"

جواب:۔ کاش معترض کی زبان جناب طباطبائی کو عطا ہوئی ہوتی۔ معترض
نے جناب شارح کا مفہوم تو ادا کر دیا مگر لہجہ بالکل بدل گیا۔ وہ کھنڈرا بانی تھی یہ ناہربانی
ہے۔ وہ بھیانا رس تھا یہ سنگار (سرنگار) رس ہے۔ مین جناب طباطبائی کا قول
نقل کیے دیتا ہون۔

"اس شعر کی بندش مین نہایت خامی ہے کہ مطلب ہی گیا گزرا ہوا
غرض یہ تھی کہ ڈھیلے جبریل کی آنکھون کے ہین خشت دیوار۔ موصول کو اگر
(پئے) کا مضاف الیہ لو تو جسکے پڑھو، اور اگر سرا کی اضافت لو تو
جسکی پڑھنا چاہیے۔ اس قسم کی ترکیبین خاص اہل مکتب کی زبان ہے۔
شعرا کو اس سے احتراز واجب ہے"

جواب:۔ اُس عہد مین ایسی ترکیبین عام تھین۔ مرزا کے معاصرین مومن و ذوق

وغیرہ کے دیوان موجود ہین، اُن پر ایک نظر ڈالنا انکشاف حقیقت کے لیے کافی ہوگا، اور شعر کے مطالب کے متعلق یہ کہنا کہ گیا گزرا ہوا، وہ جناب شارح کی صلاح سے گیا گزرا ہوا شارح نے مصنف کی جو غرض بیان کی ہے وہ صحیح نہین مرزا سے تو یہ نہ کہا جائیگا۔

"ڈھیلے جبریل کی آنکھون کے ہین خشت دیوار"

چشم جبریل کو قالب خشت کہنا ندرت کے قالب مین روح پھونکنا ہے مرتبہ دانی کی شان اس مین نکلتی ہے۔ مگر جب جناب شارح کی اصلاح پر نظر کیجاتی ہے تو کبھی میری آنکھون مین عہد آدم کے مکانات کی تصویر پھر جاتی ہے جب گھر ڈھیلون اور ناہموار پتھرون سے بنتا ہوگا، کبھی کورو پانڈو کا قلعہ پیش نظر ہو جاتا ہے۔ اب یا رشاد ہو کہ یہ مح ہے یا قدح یہ بھی پوچھ لینے کو دل چاہتا ہے کہ جبریل کی آنکھون مین کے ڈھیلے ہونگے جنسے دیوار بنجائیگی، اور گھر بھی دنیاوی گھر ہوگا یا اس سے ایوان عزت و جلال مراد ہوگا چشم جبریل کو قالب خشت کہنا تو ایک بات بھی تھی اسلیے کہ سانچے سے ہزارون اینٹین نکل سکتی ہین۔ مگر جبریل کی آنکھون کے ڈھیلون سے جو دیوار بنے گی وہ غالباً ایسی ہوگی جیسا جنت مین ایک موتی کا محل۔

اعتراض (۲۹-۹)

"عمرو کا املا مرزا غالب کے دیوان مین الف سے ہے۔ مرزا غالب کے بارے مین یہ گمان کرنا کفر ہے کہ وہ اسکا املا نہ جانتے تھے۔ غالباً انھون نے غلط عام کی پیروی کی ہے، اس دیوان کے پروف خود مرزا نے دیکھے تھے تھے اگر شارح نے توضیح کردی تو اسپر یہ شبہہ نہ کرنا چاہئے کہ اوس نے غالب کا شمار جہلا مین کیا ہے۔"

جواب - بڑے مزے کی بات ہے کہ اودھ پنچ کا فاضل مضمون نگار (وہ خود جناب طباطبائی ہون یا مدیر اودھ پنچ یا کوئی اور بزرگ) تو یہ لکھتا ہے کہ غالب کے بابت ایسا گمان کفر ہے اور جناب طباطبائی اپنی شرح کے صفحہ ۳۱۱ مین لکھتے ہین:-

"مصنف کو دھوکا ہوا کہ جس طرح قصہ فرضی ہے نام بھی بے اصل ہوگا عمرو نہ سہی امر سہی۔"

جسنے مرزا غالب کے رقعے دیکھے ہین وہ جانتا ہے کہ مرزا نے اپنے احباب کو لکھا ہے کہ آج کل بوستان خیال ملگئی ہے جسے میرے بھانجے نے لکھا ہے اُس مین دل خوب بہل جاتا ہے۔ جب یون ہے تو مرزا کی نظر سے یہ نام کتنے بار گزرا ہوگا۔ پھر دھوکا کھانے کے کیا معنے۔ اگر بوستان خیال مین بھی یہی املا (امر) نظر آئے تو سمجھنا چاہیے کہ یہ مرزا ہی کا تصرف ہے۔ افسوس کہ یہ کتاب مجھے یہان نہین مل سکتی۔ مجھے اس باب مین بھی جناب حضرت موہانی کی توجیہ پسند آئی وہ اپنی شرح مین لکھتے ہین:-

"غالب نے عمرو کے بجائے امر شاید بلحاظ ادب لکھا ہے یعنے اس خیال سے کہ عمرو عیار جو ایک فرضی نام ہے اُس مین اور حضرت عمرو بن اُمیہ صحابی کے نام مین خلط ملط نہ ہو جائے۔"

اعتراض (۳۰ - ۱۱) مین جناب حالی مرحوم کی اس رائے کا ذکر ہے:-

"غالب کے دیوان مین کچھ ایسے شعر رہ گئے کہ اگر نکل جاتے تو بہت اچھا ہوتا اور اگر یہ رائے بعد از وقت نہوتی اور غالب کو اُسپر عمل کرنیکا موقع ملتا تو غالب کا دیوان بے مثل و بےنظیر ہوتا۔"

جواب - میری نظر مین جناب عالی کی عزت بہت ہے مگر مین مرزا کے مقابلے مین اُنکا اتنا ہی احترام کرتا ہون جتنا علامۂ روزگار اُستاد کے مقابلہ مین ایک عام شاگرد کا ہونا چاہیئے - دیکھنے کی بات ہے کہ جب مرزا کے کچھ اشعار حضرت طباطبائی ایسے نقاد اور محقق کے بس کے نہین تو پھر حالی تو حالی ہی تھے -

اب مین ادبار الشعرا اور حضرت طباطبائی کے ایک دعوے کی حقیقت ظاہر کر کے مضمون کو ختم کرتا ہون -

اعتراض (۳۱ - ۱۳) محاورہ مین تصرف

مین نے 'داد کو پہونچنا' لکھا تھا - اُسپر ایک طولانی تقریر فرمائی گئی جسے مین اعتراض نمبر ۳۱ مین لکھ کر شافی جواب دے چکا ہون، اُسی تقریر مین یہ دعوی بھی کیا گیا تھا کہ قدیم محاورات مین کوئی تغیر جائز نہین - محاورہ کبھی نہین بدلتا - اب مین کچھ اشعار لکھتا ہون، جنسے اہل نظر خود فیصلہ فرما لینگے کہ یہ دعوی کہان تک قبول کرنے کے قابل ہے، اتنا اور عرض کر دون کہ مین کسی کی ایسی راے ماننے کے لئے تیار نہین جو مسلم الثبوت اُستادون کے عمل عام و متواتر کے خلاف ہو میرے نزدیک محاورہ مین تصرف و تغیر بھی ہوا اور وہ اپنی اصلی صورت پر بھی قائم رہے (ورنہ متروکات کی فہرست مین آجاتے) کبھی محاورہ کے الفاظ مین تغیر ہوا، کبھی اُن کا ترجمہ کر لیا گیا، کبھی کچھ ہوا کبھی کچھ اور سمجھنے والے سمجھتے رہے کہ چلو اچھا ہوا پہلے محاورہ کی ایک صورت تھی اب دو یا کئی ہو گئین اور وسعت زبان کے لیے نئے باب کھل گئے - ہان یہ ضرور ہے کہ محاورہ مین تصرف کا حق ہر کس و ناکس کو نہین دیا گیا، اسلیے کہ ایسے تصرف سے زبان کے بگڑنے کا ظن غالب تھا

اور کسی معقول اضافہ کی اُمید نہ تھی۔ تلوار کا کھیت محاورہ ہے مگر حضرت ناسخ فرماتے ہین

جو ستمگر ہین کبھی وہ پھولتے پھلتے نہین
سبز ہوتے کھیت دیکھا ہی کہین شمشیر کا

(ناسخ آب حیات صفحہ ۴۷۷)

کنوئین (کوے) کا پانی ٹوٹنا محاورہ ہے مگر حضرت ناسخ فرماتے ہین۔

سفلہ ہو جاتا ہے وقت امتحان بے آبرو
ہے دلیل اس دعا پر ٹوٹ جانا چاہ کا

(ناسخ آب حیات)

جان کے لالے پڑنا محاورہ ہے، مگر

تجھپر اے رشک چمن نرگس اگر بیمار ہے
باغ مین لالے کو اپنی زیست کے لالے ہوئے

(ناسخ آب حیات)

شبیہ کھینچنا محاورہ ہے مگر

تیغ ابروئے صنم کی جو لگے لکھنے شبیہ
ہو گئے صاف قلم مانی و بہزاد کے ہاتھ

(ناسخ آب حیات)

کھینچتا تھا وہ بہت قامت جانا کی شبیہ
حال آخر کو کیا دار نے کیا مانی کا

(ناسخ آب حیات)

تلوار کرنا محاورہ ہے

وردِ زبان ہے اس نگہ سرمگین کے وصف
تلوار کر رہے ہین صفاہانیون مین ہم

(کلیات مومن صفحہ ۱۱۹)

مگر میر انیس یون فرماتے ہین۔ع "مین مرا جاتا ہون للہ نہ شمشیر کرو"

(میر انیس مرحوم جلد سوم بند ۵۶ - مطلع :- غل ہے اعدا مین کہ زینب کے پسر آتے ہین)

بات اُٹھنا اور اُٹھانا محاورہ ہے ؎

بات جن نازک مزاجوں سے نہ اُٹھتی تھی کبھی
بوجھ اُنسے سیکڑوں من خاک کا کیونکر اُٹھا

(ناسخ)

نہ کسی کو کڑی کہی ہے نے
نہ کسی کی کڑی اُٹھائی بات

(آتش)

اسکی دوسری صورت ۔ ۔

اب تو سخن تلخ اُٹھائے نہیں جاتے

(نمبر ۶۱ ۔ مطلع :۔ کیا عشق تھا ہمشیر شاہ شہدا کو ۔ صفحہ ۲ جلد ۴ انیس)

پتھر چپانا محاورہ ہے مگر انیس مرحوم فرماتے ہین

یہ کسکے سر ہی کو چپاتا تھا کوئی سنگ

(جلد سوم ۔ میر انیس)

بھُور یا تڑکا ہوجانا محاورہ ہے مگر جناب ذوق فرماتے ہین

مقابل اُس رخ روشن کے شمع گر ہو جائے
صبا وہ دھول لگائے کہ پھر سحر ہو جائے

(ذوق)

چراغ لیکے ڈھونڈھنا محاورہ ہے مگر

مجھ سا مشتاق جمال ایک نہ پاؤ گے کہین
لاکھ ڈھونڈھو گے چراغ رخ زیبا لیکر

(ذوق)

بجلی ٹوٹنا محاورہ ہے مگر خواجہ آتش علیہ الرحمہ فرماتے ہین

جلوۂ یار سے داغ دل بیتاب ہین دور
کشت پر یاس کی برق شرر افگن ٹوٹے

بھبک کا ٹھیکرا محاورہ ہے مگر

نکھیں نہیں ہیں چہرہ پہ تیرے فقیر کے
وہ ٹھیکرے ہیں بھیک کے دیدار کیلیے

(آتش)

پانوں سوجانا محاورہ ہے مگر

اسکی گلی ہے نالۂ زنجیر غل نہ کر
یاں پانوں جاگتے ہیں کوئی جاگے خواب میں

(مومن)

گڑے مردے اکھاڑنا محاورہ ہے مگر

سودا کے ہوتے وامق و مجنوں کا ذکر کیا
ظالم عبث اکھاڑے ہو مردے گڑے گڑے

(سودا)

ابر قبلہ محاورہ میں ہے مگر

ابر اٹھا تھا کعبہ سے اور جھوم پڑا میخانہ پر
بادہ کشوں کا جھرمٹ ہیگا شیشے پر پیمانہ پر

(میر۔ آب حیات آزاد صفحہ ۲۱۴)

سر سے پانی اونچا ہوجانا یا سر سے پانی گزر جانا محاورہ ہے

جسوقت گزر جائے پانی سے سر (انیس)

اسکی تیسری صورت یہ ہے

اب کیا علاج فرق سے پانی گزر گیا

(بندیکم۔ صفحہ ۲۰۰۔ از واقعات انیس۔ مطلع:۔ واحسرتا کہ عہد جوانی گزر گیا)

یہ ہزاروں میں سے چند مثالیں لکھی گئی ہیں۔ جسے زیادہ تحقیق مد نظر ہو وہ کلام اساتذہ پر نظر ڈالے، حقیقت آئینہ ہو جائیگی۔

اور صرف یہی نہین، محاورہ پر قیاس کرکے بھی محاورے بنا لیے جاتے ہین۔
مین اپنے اِس قول کی شہادت مین جناب طباطبائی سا گواہ پیش کرتا ہون جس پر فاضل معترض کو اعتبار سا اعتبار ہے وہ جناب مرزا غالب کی اِس شعر کی شرح مین ؎

مین اور اِک آفت کا ٹکڑا وہ دل وحشی کہ ہے
عافیت کا دشمن اور آوارگی کا آشنا

فرماتے ہین:۔

"ظاہر ہے کہ آفت کوئی چیز نہین جسکا ٹکڑا بھی ہو۔ مگر محاورہ مین قیاس کو دخل نہین اسی طرح پری کا ٹکڑا حور کا ٹکڑا بھی محاورہ ہے، چاند کا ٹکڑا البتہ معنے رکھتا ہے، اسکے بعد پری کا ٹکڑا اور حور کا ٹکڑا اور آفت کا ٹکڑا . . . . اسی قیاس پر کہنے لگے اور اب سب صحیح ہین"

اگر حضرت طباطبائی کا یہ فتوے کہ محاورہ مین تصرف روا نہین، قبول کرلیا جائے تو دنیا اس فیصلہ کو نظر استحسان سے نہین دیکھ سکتی۔ اسلیے کہ پھر اساتذہ کے اشعار کا بہت کم حصہ باقی رہ جائے گا، باقی غلط اور بے محاورہ قرار پاکر پھونک دینے کے قابل ٹھہرے گا اور مجال سخن تنگ ہو جائے گی ؎

من آنچہ شرط بلاغ ست با تو می گویم
تو خواہ از سخنم پند گیر خواہ ملال

التماس

مکدر گر نہ گردی با تو گویم — کہ با مشت غبار من چہ کردی
اے میرے نازک مزاج معترض! بیترا منہ پاؤن تو کچہ اپنی ہتی

ساؤن ۔ بیخود ناشاد معترض نہین مجیب ہے اُسپر اتنا عتاب کیسا ۔ اُس سے اتنی برہمی کیون، تو حسن خطاب مین کوشش کر چکا، مین ردِ جواب مین کاوش کر چکا ۔ جی چاہتا تھا کہ تو اپنے دل سے اِنصاف کرتا اور دنیا کو تیری (دیدہ درائی) پر انگشت بدندان ہونیکا موقع نہ ملتا، مگر خبر نہین کہ تو کیا چاہتا ہے مجھے سال بھر مین یہی دو مہینے (مئی جون) ملتے ہین اگر یہ زمانہ بھی کاہشون مین گزرا تو پھر تو ہی بتا دے کہ سال آیندہ کی بیداد کے تحمل کی کوئی صورت ہے، اب کے تعطیل کا زمانہ تیری بالک ہٹ کی نذر ہو گیا، کہنے والے کہتے ہین کہ اعتراض کرنا کیا مشکل ہے، مگر مین ایسا نہین سمجھتا، میرا اعتقاد یہ ہے کہ اگر اعتراض حقیقی معنی مین اعتراض ہو تو معترض کو اُتنی ہی عرق ریزی اور اُتنی ہی موشگافی کرنی ہوگی جتنی مجیب کو، اعتراض کا حسن یہ ہے کہ صحیح ہو، اعتراض کی شان یہ ہے کہ دُنیا ایک طرف ہو جائے تو بھی نہ اُٹھے، اللہ جانتا ہے کہ مین نے بڑے صبر سے کام لیا نئے نئے داغ کی سوزش کلیجا پھونکے دیتی تھی، موسم کی گرمی خاک کئے دیتی تھی اور مین یہ شعر پڑھتا جاتا تھا اور جواب لکھتا جاتا تھا ؎

بسملون سے بھی ناز اُٹھوائے — ہائے انداز میرے قاتل کے

اور لکھتا اس نظر سے تھا کہ تو میری خاموشی کو جواب سمجھ کر جیا کی آگ مین نہ جلے میرے احباب آزردہ نہون، دشمنون کو بیجا طعن کرنیکا موقع نہ ملے، ورنہ اس ارنی کا جواب لن ترانی تھا ۔ تجھے قسم ہے سچ بتانا کوئی اعتراض بھی اس قابل تھا کہ اُسپر توجہ کیجاتی ۔ دیکھ بیگناہ خاک نشینون کو نہین ستاتے، مین تجھ سے کہتا ہون اور سچ کہتا ہون ؎

مارا خیال جنگ و سرکار زار نیست
ورنہ دل دو نیم کم از ذوالفقار نیست

ناچیز محمد احمد بیخود موہانی

سرمایۂ تحقیق

آرگنِ سحاب بجواب غالبِ بے نقاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مشاطہ را بگو کہ بر اسباب حسنِ یار
چیزے فزون کند کہ تماشا بما رسید

دنیا! ہنگامہ پرست دنیا، دنیا امارہ پرست دنیا، تو ہمیشہ کا فرما جرائیون کا طلسم نظر آئی، خندۂ اُمت گریۂ نوح کا ہم آہنگ ٹھہرا، تعلیم کلیم کے ہوتے گوسالہ پرستی نے فروغ پکڑا، شق القمر اور رجعت شمس کے مقابلہ مین سحر بابل کا چرچا ہوتا رہا، چراغ مصطفوی کے آگے شرار بولہبی نے سر اُٹھایا، وحی ربانی کے سامنے مسیلمہ کے لایعنے اقوال کا کلمہ پڑھا گیا، اور یہ سب ایک طرف قادر مطلق خدائے لاشریک کی موجودگی مین پتھر کی مورتون کو سجدہ کیا گیا۔ پھر آج جو ہو رہا ہے اس پر

حیرت کیسی اگر کچھ ذرہ ہائے زمین گیر حن کو پستی تحت الثریٰ کیطرف کھینچ رہی ہے لفاظی کی آندھیون کے زور سے نقطۂ عروج آفتاب تک پہونچائے جارہے ہین تو حیرت کا محل نہین، اور اگر کچھ ستارہ ہائے فلک سیر کمند فریب کے بل پر اوج ثریا سے خاک ننماک کیطرف لائے جارہے ہین تو استعجاب کا مقام نہین، نہ وہ کوشش کامیاب ہے نہ یہ سعی مشکور، ہان عامۃ الناس کے گمراہ ہوجانے کا خوف زبان کو ساکت اور قلم کو گوشہ گیر نہین رہنے دیتا۔

"مدیر نگار" کی رفتار ایک مدت سے قابل حیرت ہے، بعض مضمون نگاران نگار کا شعار لائق عبرت ہے، مدیر نگار نے ایسا شگوفہ چھوڑا ہے کہ تبسم اہل ذوق کے لبون سے آشنا ہے، حق کو تقویم پارینہ سمجھنا اور سمجھانا مسلمات کو اقوال مردود سے باطل ٹھہرانا، سیاہ کو سفید اور سفید کو سیاہ کر دکھانا ادارت کا معجزہ قرار پایا ہے، مختصر یہ حضرت نیاز فتحپوری کی اداؤن پر دل بے اختیار کہہ اٹھتا ہے ؎

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجا ست

آپ خاک نشینون کو سناتے ہین، مگر جب تُرکی بہ تُرکی جواب ملتا ہے تو اُسے شائع کرتے ہوئے گھبراتے ہین اور سکوت بے جا سے اپنے آپ کو مردہ صد سالہ کر دکھاتے ہین، اسپر بھی بے نیازی کے راگ کا سلسلہ نہین ٹوٹتا اور دانتون کی طرح اعلاء کلمۃ الحق کا دعویٰ دلیل بیزار اور زبان ادب ناآشنا کا ساتھ نہین چھوٹتا جب ہبوط پر اُتر آتے ہین تو رقاصہ تو اپنا چھیڑ تو اپنا راگ نئے چھیڑ، کی آہنگ بیزار نوا دشمن صدا مین سامعہ خراشی کرنے لگتی ہین، رقص عریان اور حسن عریان کی حجاب شکن

حیاسوز نوائیں صاعقہ پاشی کرنے لگتی ہین، جب صعود کی ٹھانتے ہین تو معلوم ہوتا ہے کہ نعوذ باللہ کوئی پیغمبر اولوالعزم منبر ارشاد پر محو خطبہ خوانی ہے، جب کچھ اور بلند ہو جاتے ہین تو گمان ہوتا ہے کہ (معاذ اللہ) شاہد حقیقت سراپردۂ قدس سے سرگرم لنترانی ہے اور اگر کبھی عروج حد کمال کو پہنچ گیا تو معلوم ہوگا کہ (عیاذاً باللہ) خدا سے الوہیت سلب ہوا چاہتی ہے قصہ کوتاہ سے

ہر لحظہ بشکل آن بُت عیار برآمد
ہردم بہ لباس دگر آن یار برآمد

مدیر "نگار" کے وہ احباب جن کی آنکھوں پر کورسوادی یا محبت نے پردہ ڈال رکھا ہے وہ اس جلوۂ نیرنگ یا نیرنگ جلوہ پر سجدۂ حیرانی بجالاتے ہین اور اسے اُنکی ہمہ دانی، روشن خیال ہمہ رنگی اور خدا جانے کن کن نامون سے یاد فرماتے ہین اور نکتہ سنجان دقیقہ رس اسے طامات و ترہات و خرافات کہکر خاموش ہوجاتے ہین آپ کی تصانیف کے چہرے سے کچھ پردے مولانا نجیب اشرف صاحب ندوی نے اُٹھائے ہین لیکن ابھی بہت سے حجاب باقی ہین جنکے اُٹھ جانے کا وقت آیا ہی چاہتا ہے۔

ایک تلچپل ہے ایک ہنگامہ ہے، کل خبر آئی کہ حضرت یوسف کے سر سے تاج زیبائی اُتار لیا گیا آج غلغلہ اُٹھا کہ عیسیٰ مریم کی خلقت مین جو ابوالبشر (حضرت آدم) کی آفرینش کا اُچٹتا ہوا جلوہ دکھایا گیا تھا، وہ جلوہ سراب کی طرح بے بود و بے نمود تھا۔

لیکن آثار بتاتے ہین کہ غیرت الٰہی کے جوش مین آنے کا وقت آگیا یا آیا ہی

چاہتا ہے، اصحاب کہف کی نیند سونے والے جاگتے جاتے ہین، اور وہ دن دور نہین کہ حضرت نیاز سراپا ناز بنجانے کے بعد ہمہ تن نیاز نظر آئین، اور احباب ذرہ نواز کی دی ہوئی ولایت سلب ہو جائے، آپنے ٹھان لی ہے کہ خدا نے جن سرون پر تاج کرامت رکھا ہے اُن کو برہنہ کردین، مگر یاد رکھنا چاہیئے کہ ایسے سرون کا کھلجانا انتقام قدرت کی خبر دیتا ہے، اور انتقام قدرت خدا کی پناہ!

"نگار" کے مومن نمبر مین آپنے اور آپکے احباب نے خوب زور قلم دکھایا ہے، انشاء اللہ اُسکی تنقید کا وقت آئیگا اور جلد آئیگا۔

مومن اہل نظر کی نگاہ مین اُستاد ہین مگر غالب و میر و سودا کے مقابلہ مین ایسے ہی بے فروغ ہین جیسے ماہتاب کے مقابلہ مین تارا۔ کلیات مومن خود پکارتا ہے:

نخل بندم و لے نہ در بستان
شاہدم من و لے نہ در کنعان

خدا کرے آپ کو لکھنؤ کی آب و ہوا راس آئے، یہان پہونچکر آپ کو حضرت اثر جیسے (جیسے) ہمنوا مل گئے ہین جو آپکے ہر راگ مین آس دیتے رہتے ہین اور ان بادشاہ وزیر نے ملکر کمال اہلِ کمال کیلیے ایسی آگ بھڑکائی ہے جیسی اب سے ہزارہا سال پہلے ایک برگزیدہ ہادی کے لیے بھڑکائی گئی تھی۔ مگر یاد رکھنا چاہیئے کہ دہکتے انگارون کو مہکتے پھولون سے بدل دینے والے کے ہاتھ ابھی شل نہین ہوئے نادہ ہو کہ نہار اب بھی سب اُسی کے دست قدرت مین ہے

"نگار" ماہ فروری ۱۹۲۸ء مین حضرت آثر نے غالب بے نقاب اور اُنکے

الہامات شعری کے صحیح خط و خال کے دلاویز عنوان سے ایسا مضمون لکھ مارا ہے جس پر ذوق سلیم جہاں تک آنسو بہائے روا ہے اور جسکے چلتے اہل کمال جب تک سوگوار رہیں بجا ہے، اس مضمون میں اس امر کے ثابت کرنے کی نامقبول کوشش کیگئی ہے کہ غالب کے اکثر ملہمات مستعار ہیں اور اس بحر ناپیدا کنار کے اکثر موتی حاصل دریوزہ گری ہیں، اس مضمون کے متعلق اسی فروری کے نگار میں تیسرے صفحہ پر جناب نیاز یوں گل افشانی فرماتے ہیں :-

"غالب بے نقاب" وہی موعودہ مضمون ہے جس کا ذکر جنوری کے پیالہ میں کیا گیا تھا، یہ مقالہ بھی جناب[1] قبلہ آرگس کا ہے جو اس سے قبل حافظ اور ابن یمین کے متعلق آتش افشانی کرکے اپنے کو بجا[2] اور مجھے بالکل بیجا طور پر زمانہ[3] کا نشانہ ملامت بنا چکے ہیں، مانا[4] کہ جناب آرگس[5] آرگس ہی[6] کی طرح ہزار چشم سہی، لیکن یہ کیا تماشا ہے کہ ان کی ہزار آنکھوں میں سے ایک نگاہ بھی صلح[7] جو نہیں نکلتی، اس میں کلام نہیں کہ انھوں[8] نے اس مضمون میں اپنا بہت کچھ سرمایہ[9] تحقیق سامنے[10] رکھدیا ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ غالب کے بہت سے اشعار ایسے ہیں جو اساتذہ[11] قدیم کے خیالات سے متاثر ہونیکے بعد لکھے ہوئے معلوم ہوتے ہیں مگر یہ بھی ناقابل انکار حقیقت ہے کہ غالب باوجود اس کشف حجاب[12] کے بھی غالب ہے اور اسکے شاعرانہ ابداعات اپنی جگہ بالکل[13] عنصر غیر[14] فانی کی حقیقت رکھتے ہیں، مجھے اکثر[15] جگہ جناب آرگس سے اختلاف ہے اگر یہ بحث لطیف[16] چھڑ گئی تو اس وقت تفصیل کے ساتھ عرض کرونگا، لیکن مجھے ڈر[17] ہے کہ بعض حضرات اس مضمون کو بھی حافظ

اور ابن شیلیین کے مضمون کی طرح میری ہی طرف منسوب نہ کر دین۔"

اتنی سی عبارت مین جو یگانۂ عصر مدعی ادب لطیف (حضرت نیاز کے زور قلم کا نتیجہ ہے مجھے اٹھارہ مقامون کے متعلق کچھ عرض کرنا ہے۔

(۱) جناب آرگس صاحب قبلہ کی جگہ جناب قبلہ آرگس فرمانے سے کونسی لطافت پیدا ہوگئی، کیا سین اور صاد کے قریب المخرج ہونے کی وجہ سے احتراز فرمایا گیا۔ اگر ایسا ہے تو محل پر نظر کرنی ضرور تھی، یہ ایسا ہی ہوگیا جیسے کوئی نجف اشرف کی جگہ نجف معلے کہے۔

(۲) حافظ و ابن یمین والے مضمون مین آرگس بجا طور پر ملامت خلق کا نشانہ کیون ہین اگر وہ مضمون قابل ملامت ہے تو جناب نے اپنے فرائض کے انجام دینے مین کوتاہی کی اور اگر ایسا نہ تھا تو کوئی ہدف تیر ملامت نہین ہوا۔

(۳) نشانۂ ملامت کے ساتھ زمانہ کا، لکھنا کیا ضرور تھا، حشویات نہ ضروریات سے ہین نہ مستحسنات سے۔

(۴) مانا کہ جناب آرگس آرگس ہی کی طرح ہزار چشم سہی، اِس مین مانا اور سہی کا ساتھ صحیح نہین، دونون لفظ ایک ہی معنی دیتے ہین۔

(۵) پہلا آرگس بھی زائد ہے یہان ضمیر کافی تھی۔

(۶) آرگس ہی کی، یہ ہی کی آواز سامعہ خراش ہے۔

(۷) جناب آرگس کی نگاہ صلح جو نہین تو مضائقہ نہین کاش کج بین و کج نما نہ ہوتی

(۸) "اُنھون نے" جہان انھون نے لکھا گیا ہے وہان "اُن کے لیے" لکھنا زیادہ مناسب تھا۔

(۹) خدا جانے اگر غالب کے بہت سے اشعار اساتذہ قدیم کے خیالات سے متاثر ہونیکے بعد لکھے ہوئے معلوم ہوتے ہین تو یہ کونسی نئی یا بُری بات ہے، پڑھے لکھون کی تقریر تحریر مین متقدمین و متاخرین کی تصانیف کا اثر ہوا ہی کرتا ہے، دیکھنا تو یہ تھا کہ مرزا نے خیالات کو نازک سے نازک ترا ور بلند سے بلند تر کر دیا یا نہین ۔

(۱۰) آپ کی یہ عبارت بھی نہایت دلکش ہے "اُس مین کلام نہین کہ اُنھون نے اس مضمون مین بہت کچھ اپنا سرمایہ تحقیق سامنے رکھدیا"۔ یہ بہت کچھ کے بعد اپنا سرمایہ تحقیق بھی کس قدر لطیف واقع ہوا ہے ۔

(۱۱) "سرمایہ تحقیق سامنے رکھدیا ہے" یہ اُس سے بھی زیادہ خوبصورت ٹکڑا ہے

(۱۲) خبر نہین کہ اس مضمون سے کونسا کشف حجاب ہوا، اسلیے کہ اس نے تو حضرت آرگس اور جناب کی کم سوادی اور خوش نیتی کا پردہ فاش کر دیا۔

(۱۳) "عنصر غیر فانی" کے ساتھ یہ "بالکل" کی تاکید بالکل غیر ضروری ہے ۔

(۱۴) یہ عنصر غیر فانی کیا بلا ہے، اگر عناصر فانی ہین تو سب کے سب فانی ہین اور اگر صرف استحالہ قبول کرتے ہین تو بھی سب کا ایک حال ہے۔

(۱۵) معلوم نہوا کہ اکثر جناب کی زبان پر زیادہ تر کے معنی مین ہے یا کمتر کے معنی مین جیسا عوام کے محاورہ مین ہے ۔

(۱۶) آپ اس بحث کو بحث لطیف کہتے ہین اور دُنیا آپ کا منہ دیکھتی ہے

(۱۷) خبر نہین آپ اس مضمون کے اپنی طرف منسوب ہوجانے سے ڈرتے کیون ہین۔ خوف کی بات تو مضمون کی بے سروپائی ہے، اور آپ ایسے نقاد کا اُسے نگار سراپا نگار مین شائع کرنا۔

(۱۸) اور یہ حافظ و ابن یمین کے مضمون بھی، ادب لطیف مین قابل قدر اضافہ ہے، اگر اور عبارت آڑے نہ آتی تو یہ ٹکڑا معما بنکر رہ جاتا۔

ایک زمانہ گزرا کہ نورافشان نے مجھے اس مضمون کی طرف متوجہ کیا تھا اور میرے ہر بن مو سے لبیک کی آواز آتی تھی، مگر مین کچھ ایسے مصائب مین گرفتار تھا کہ اب سے پہلے قلم اُٹھانیکی نوبت نہ آئی۔

اگر حضرت نیاز اور اُن کے محرمانِ راز تنقید کرنا چاہتے ہین تو بسم اللہ چشم ما روشن دل ما شاد، مگر عوام کے گمراہ کرنے کی ضرورت کیا ہے، آخر زاویہ نشینون کے ستانے اور موت کی نیند سونے والون کے تڑپانے سے حاصل،

مجھ سے بعض حضرات نے بیان کیا تھا کہ نیرنگ (رامپور) مین حضرت سہا مجددی شارح دیوان غالب نے حضرت آرگس کے غالب بے نقاب کی دھجیان اڑادین مجھے بڑی خوشی ہوئی تھی کہ چلو خدا نے اس واجب کفائی سے نجات دیدی، مگر جب اُس مضمون پر نظر پڑی تو بڑی مایوسی ہوئی، مگر چونکہ وہ مضمون نکل چکا تھا، اس لیے مجھے اس سے بھی بحث کرنی پڑی اور مین نے جناب آرگس کا مضمون اور جناب سہا کا مضمون کا خلاصہ حرف بحرف نقل کردیا ہے تاکہ نیرنگ و نگار کی ورق گردانی ضروری نہ ٹھہرے۔

جناب آرگس سے مجھے یہ کہنا ہے کہ غالب کی شان ارفع و اعلیٰ ہے آپ کی اُڑائی ہوئی خاک اُس کے دامن تک نہین پہونچ سکتی، اور ع

با کجکلہان ہر کہ در افتاد بر افتاد

اور جناب سہا سے یہ التماس ہے کہ مرزا جہان حضرت آرگس کی تنقید سے بالاتر ہے، وہان جناب کی تائید سے بھی بے نیاز ہے ؎

پا یہ بہت کیا بلند اُسنے حریم ناز کا تا نہ پہنچ سکے غبار رہگذر نیاز کا

اصل مضمون شروع کرنے سے پہلے آرگس کی شرح کر دینا مناسب ہوگا ۔

آرگس :- یونان کے علم الاصنام کے مطابق آرگس ایک دیوتا تھا جس کے تمام جسم پر آنکھیں تھین جن مین سے کچھ ہر وقت کھُلی رہتی تھین - ہرمیز نے اُسے قتل کر ڈالا اور اُس کی آنکھین دُم طاوس مین منتقل کر دین -

---

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا لڑتے ہین اور ہاتھ مین تلوار بھی نہین

جناب آرگس یون اپنی کشتی تنقید کے طوفان خروش سمندر مین ڈالتے ہین ،

ارشاد جناب آرگس

میرزا نوشہ غالب اپنے ایک قطعہ مین فرماتے ہین

ہزار معنی سرجوش خاص نطق من است کہ اہل ذوق دل و گوشے از عسل بردست

ز رشتگان بہ یکے گر توارد م رود اد مدان کہ خوبی و آرایش غزل بردست

مراست ننگ ولے فخر ادست کا سخن ہمی فکر رسا جاہران محل بردست

مبر گمان توارد یقین شناس کہ دزد متاع من ز نہانخانۂ ازل بردست

غالب کا مدعا یہ ہے کہ میرے شعر یا مضمون کا کسی سے توارد ہو جائے تو میرے لیے باعث ننگ ہے مگر اسکے واسطے فخر ہے وہ توارد نہین ہے بلکہ یون سمجھو کہ چور میرا متاع نہانخانہ ازل سے اُٹھا لے گیا ہے ،" مرزا نے خدا جانے یہ شعر کس عالم مین کہہ دیے ہین ، ہم حیران

ہین کہ یہ ننگ غالب کیلیے اگر واقعی ننگ ہے تو اسکی کوئی انتہا بھی ہے یا نہین اگر دوسرون کے واسطے وصل فخر ہے تو اسکی حد و نہایت کیا ہے، کوئی شک نہین کہ دیوان غالب کے چند صفحون مین معانی کا بڑا زخار دریا موجزن ہے، مگر تعجب کی کوئی انتہا نہین رہتی، جب یہ دیکھنے والا دیکھتا ہے کہ اس دریا کے اکثر چشمے مستعار اور اس بحر ناپید اکنار کے بہت سے موتی حاصل دریوزہ گری ہین۔

دیوان غالب اگر بقول ڈاکٹر بجنوری مرحوم ہندوستان کی الہامی اور مقدس کتاب ہے تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ بعض الہامی کتابون کے الہامات بھی مستعار ہوا کرتے ہین، یہ دیکھ کر کہ غالب کے یہان بہت سے مضامین ایسے ہین جو دوسرون کے یہان سے لیے گئے ہین، ایک مبصر کی سب سے پہلی نظر سرقہ اور توارد کی بحث پر جاتی ہے اسلیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اصولی نگاہ ان پر ڈالی جائے،

توارد کہتے ہین دو شاعرون کے یہان اتفاقیہ ایک ہی مضمون کا بلا ارادہ لفظاً یا بہت تھوڑے سے تغیر کے ساتھ بندھ جانا، مگر یاد رکھنا چاہیے کہ توارد ہمیشہ مشہور و معروف یا بالکل سطحی مضامین مین ہوا کرتا ہے باوجود تلاش بھی کوئی ایسا مضمون نہ ملے گا جو دو شاعرون کے یہان متوارد ہوا ہو اور معروف و مشہور نہو۔

التماس بیخود موہانی غالب کے چار شعر جن پر ایوان ملامت کی بنیاد رکھی گئی ہے وہی آئیے فخر غالب ہین اور بلا تشبیہ فاتو بسورۃ من مثلہ کے

ہم آہنگ غالب نے قطعے کے پہلے مصرع مین دعوی کیا ہے کہ ہزار ہا مضامین سروش میرے نطق کے پارے نام ہین، یہ دعوی اس قطعہ سے بھی ثابت کہ مرزا نے پہلی بات تو یہ پیدا کی ہے کہ جس سے توارد ہو وہ جتنا فخر کرے بجا ہے، اسلیے کہ وہ بھی اُس مقام رفیع تک پہونچ سکا، جہان میری فکر رسا پہونچی، دوسرا ہوتا تو اتنی ہی کہہ کر اتراتا کہ میرے لیے یہی کیا کم ہے کہ مین بھی وہان پر مار سکا. جہان خاقانی و عرفی سا بلند پرواز، آخری شعر تو ایسا کہدیا ہے کہ ندرت خیال سجدہ سے سر نہین اُٹھاتی، بذلہ سنجی، بلاگردانی کرتی ہے اور کر نہین چکتی، کہتا ہے کہ حریف میری متاع نہانخانۂ ازل ہی سے لے اُڑا مجھے ابو طالب کلیم ہمدانی ملک الشعراے پایۂ تخت جہانگیری کا قطعہ بھی یاد ہے جو توارد کی معذرت مین کہا گیا ہے، اِن قطعون کا مقابلہ کیجیے تو کھلجاے کہ عوام تو عوام خواص بھی غالب کے ساتھ عنان در عنان چلتے ہوے نظر آتے ہین۔

کلیم ہمدانی

منم کلیم بطور بلندی ہمت　　کہ استفادۂ معنی جز از خدا نہ کنم
بخوان فیض الٰہی چو دسترس دارم　　نظر بکاسۂ دریوزۂ گدا نہ کنم
ولے علاج توارد نمی توانم کرد　　مگر کہ لب بسخن گفتن آشنا نہ کنم

کلیم نے اپنے تخلص سے فائدہ اُٹھا کر پہلے شعر مین چستی پیدا کر دی ہے اور دوسرے شعر کا دوسرا مصرع بھی شاندار کہا ہے، مگر تیسرا شعر شعر نہین معمّی ہے اور مختصر یہ ہے کہ (ع)　چراغ مردہ کجا شمع آفتاب کجا۔

جناب آرگس فرماتے ہین کہ مرزا کے ہان توارد ہے اور اسقدر ہے کہ اسکی کوئی انتہا نہین، سرقہ بھی اِس حد کا ہے کہ خدا کی پناہ۔ مجھے یہ قول نہایت دلکش

معلوم ہوا اسلیے کہ ایسا انداز تحریر اختیار کیا گیا ہے کہ دیکھنے والے کی نظر مین مرزا کی کچھ وقعت ہی نہ رہے، لیکن عجب تماشا ہے کہ حضرت آرگس نے مثال سرقہ و توارد مین مرزا کے ۱۴۵۶ اشعار مین سے صرف ۱۰ شعر پیش کیے ہین، کیا اکثریت کے یہی معنی ہین، مجھے کہنا تو بہت کچھ ہے مگر یہان صرف اتنا عرض کرونگا کہ سرقہ کا تو ذکر ہی بے محل ہے، اِن مین سے شاید سات شعر ایسے نکلین جن پر توارد کا اطلاق ہو سکے، اور مرزا نے یہ قطعہ ہجو اسی کی حالت مین کہا ہو یا حواسون کی حالت مین حق یہ ہے کہ حقیقت نگاری کا حق ادا کر دیا ہے۔

جناب آرگس فرماتے ہین:-

"کیا الہامی کتابون کے بعض الہامات بھی مستعار ہوا کرتے ہین"

اِس ارشاد سے بھولے پن کی ادا نکلتی ہے، بندہ پرور حقائق بدلا نہین کرتے اور الہامی کتابون مین الہامات مستعار ہوتے ہین مگر الہامی کتابون سے ما و شما کی ہفوات سے نہین، اور الہامی کتابین تو خیر الہامی کتابین ہین، وحی ربانی بھی متوارد ہوتی ہے انجیل مقدس اور قرآن معظم کو پڑھیے تو وحی آسمانی بھی بعض مقامات پر متوارد نظر آئے گی خود قرآن مجید صحف ابراہیم و موسے وغیرہ کے واقعات دہراتا ہے، اسکے سوا قرآن حکیم بھی اکثر احکام و واقعات کا اعادہ کرتا ہے۔

آگے بڑھ کر حضرت آرگس نے سرقہ کے متعلق اظہار خیال فرمایا ہے، مگر اختصار مفرط کے ساتھ اور اس بحث کا دار و مدار اسی پر ہے، اسلیے مین حدائق البلاغہ کے سرقات شعریہ کا مقام لکھے دیتا ہون، تاکہ ہر کس و ناکس بآسانی فیصلہ کر سکے۔

ت دونوں کا مصنف ایک ہے

سرقاتِ شعریہ

اگرچہ متکلمین میں اغراض و مسلمات کے متعلق اتفاق واقع ہو، مثلاً اخلاقِ فاضلہ کی توصیف اور اخلاقِ ردیہ کی مذمت میں تو اسے سرقہ سے کوئی تعلق نہیں اسلیے کہ یہ امور ہر خاص و عام کی عقل و عادت میں راسخ ہو گئے ہیں اور فصیح و غیر فصیح سب اس میں شریک ہیں، ہاں اُن چیزوں میں سرقہ کو دخل ہو سکتا ہے جو ان اغراض کی طرف رہنمائی کرتے ہیں، مثلاً تشبیہ استعارہ وغیرہ، لیکن بعض تشبیہیں اور استعارے انتہائے شہرت کی بنا پر سب کے عقول و عادات میں جاگزیں ہو چکے ہیں اور خود اغراض و مسلمات کا حکم پیدا کر لیا ہے، مثلاً مردِ شجاع کی تشبیہ شیر سے۔ سرقہ کی دو قسمیں ہو سکتی ہیں۔

(۱) سرقۂ ظاہر (۲) سرقۂ غیر ظاہر

قسم اول سرقہ یہ ہے، کہ کسی کا شعر لفظ و معنی میں تغیر کیے بغیر بجنسہ لیا لیں اسے انتحال و نسخ کہتے ہیں اور یہ سرقہ بہت مذموم و معیوب ہے، مثلاً خواجہ حافظ کی یہ غزل اوّل سے آخر تک سلمان ساوجی کے یہاں بغیر تغیر لفظی و معنوی ملتی ہے، ؎

زباغ وصل تو یابد ریاضِ رضوان آب — زتابِ ہجر تو دارد شرارِ دوزخ تاب

صاحب حدائق کا قول۔

"اس قسم کا سرقہ شعرائے صاحب قدرت بالارادہ اختیار نہیں کرتے"

قسم دوم۔ مضمون پورا پورا لے لیں اور تمام یا بعض الفاظ کے ہم معنی الفاظ لائیں، ؎

میل خم ابروئے توام پشت دوتا کرد — در شہر چو ماہ نوم انگشت نما کرد — جامی

بارغم عشق تو مرا پشت دوتا کرد   در شہر چو یاہ نوم انگشت نما کرد   حزین

قسم سوم:۔ مضمون شعر تمام یا بعض الفاظ کے ساتھ لے لین اور ترتیب نظم بدل دین اسے اغارہ اور مسخ کہتے ہین ؎

سرو گفتم کہ بہ بالائے تو ماند لیکن   نتوانم کہ ازین شرم ببالا نگرم   خسرو
سرو گفتم قد ترا و ز شرم   سر ببالائی توانم کرد   جامی

شعر جامی بسبب اختصار بہتر ہے اور اگر دوسرا شعر پہلے کو ترجیح ہو گی اور اگر دوسرا پہلے سے پست ہو تو مذموم ہو گا ؎

چہارم۔ تمام مضمون لے لین اور لفظون کا نیا لباس پہنا دین، اس قسم مین بھی اگر شعر ثانی زیادہ معنے خیز ہے تو ممدوح و مقبول ہے، برابر ہے تو پہلے کو ترجیح ہے اور پست ہے تو مذموم و معیوب ہے۔

سرقۂ غیر ظاہر

اس کی بھی کئی قسمین ہین۔

(۱) دونون اشعار کے مضمون مین تشابہ پایا جائے اور شاعر وہی ہے جو اخفائے تشابہ مین کوشش کرے

ترجمہ شعر جریر "ان لوگون کے عمامہ پوش ایسے ہین جیسے اُن کے مقنعہ پوش (بو دے ہین)۔"

ترجمہ ابو طیب۔ "ان لوگون مین سے جس کے ہاتھ مین نیزہ ہے، وہ ایسے شخص کے مثل ہے جسکے ہاتھ مین رنگ حنا ہے (مآل ایک ہے)۔"

(۲) شعر ثانی کا مضمون عام تر ہو۔

شکایت از دل سنگین یار نتوان کرد — کہ خویشتن زدہ ام آبگینہ بر سندان — سعدی

من خود گرہ بکار خود اندا ختم نہ تو — زین پیش بامنت گرہے درجبین نبود — وحشی

(۳) دوسرا شعر پہلے کی ضد ہو ؎

اینکہ زد ناقہ لیلیٰ دو سہ گامی بغلط — آسمان تا چہ بلا بر سر مجنون آرد — اہلی

بغلط ہم نرود بر سر مجنون لیلےٰ — عاشق این بخت ندارد سخنے ساختہ اند — شفائی

(۴) مضمون شعر اول کے بعض حصوں کو لے لیں اور وہ چیزیں جن سے حسن کلام میں ترقی ہوتی ہے بڑھائیں ؎

کودک از سرخ و زرد بشکیبد — مرد را سرخ و زرد نفریبد — سنائی

مرد از پے لعل و زر نپوئید — طفل است کہ سرخ و زرد جوئید — خاقانی

قول فیصل از صاحب حدائق البلاغہ باتفاق جمہور

"سرقہ غیر ظاہر کی جن اقسام کا ذکر کیا گیا ہے، وہ بلغا کے نزدیک مقبول ہیں اور ان پر سرقہ کا اطلاق روا نہیں۔"

علاوہ ازین خود جناب آرگس فرماتے ہیں:-

"دراصل سرقہ وہی ہے کہ کسی کا خیال لے لیا جائے اور بغیر کسی ترقی کے اپنے یہاں باندھ لیا جائے۔"

صرف سرقۂ ظاہر کی پہلی قسم یعنی کسی کا شعر بغیر تغیر لفظی و معنوی لے لینا جائز ٹھہرا اور اسکے لیئے بھی یہ فیصلہ ہے کہ شعرائے صاحب قدرت اسے بالارادہ اختیار نہیں کرتے مگر جائے حیرت ہے کہ جناب آرگس نے مرزائے مظلوم کے یہاں اپنے اس ارشاد کو فراموش کر دیا۔ اگر اسی کلیہ کو معیار قرار دیکر نظر انتقاد ڈالی جاتی تو ۱۰۷ شعرین

سات شعر بھی حاصل دریوزہ گری نہ ٹھہرتے،

جناب آرگس اسوقت اپنے باکمالون کو مٹانے کا بیڑا اٹھائے ہوے ہین جب دنیا اپنے بے کمالون کے اچھالنے مین ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی ہے فاعتبروا یا اولی الابصار۔

جناب آرگس نے علامہ غلام علی آزاد بلگرامی اعلی اللہ مقامہ کے خزانہ عامرہ (تذکرہ سرو آزاد) کو نصیب دشمنان کردیا مگر افسوس خود خالی ہاتھ رہے، آگے بڑھکر ملا فیروز اور ملا شیدا کی داستان دوہرائی حقیقۃً داستان پرلطف ہے مگر ونا اسکا ہے کہ مرزا غالب ملا شیدا کی طرح سرقہ کے سہارے جیتے ہون یا نہ جیتے ہون، جناب آرگس ملا فیروز کی طرح سخن فہم اور صاحب نظر ثابت نہ ہوسکے۔

یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ جناب آرگس غالب کے اشعار کو حد سرقہ مین نہین لانا چاہتے بلکہ ڈاکٹر بجنوری مرحوم پر غصّہ آگیا ہے، اسلیے کہ جناب مغفور نے کہین مقدمہ دیوان غالب مین لکھدیا تھا کہ

"غالب کسی خیال کا اعادہ نہین کرتے"

لیکن آپکا دابِ تکلم آپ کی تکذیب کرتا ہے اور الحمد للہ کلام غالب خود آپکی کوششون پر پانی پھیر دینے کے لیے کافی ہے

آپ یہ بھی فرماتے ہین

"مین جب دیوان غالب اردو کو دیکھتا ہون تو میری نگاہ اولین اسکو چار حصون مین منقسم کردیتی ہے۔

ایک جز وہ جو متقدمین و متاخرین و معاصرین غالب کے کلام سے ملجاتا ہے

دوسرا وہ جس مین خود غالب نے اعادہ و تکرار مضامین سے کام لیا ہے۔
تیسرا وہ جس کو سُنکر سخن وران کامل آسان کہنے کی فرمائش کرتے ہین۔
چوتھا وہ حصہ جو صرف مرزا کے دماغ کا نتیجہ ہے۔ لیکن یہ حصہ بہت مختصر ہے"

اِس نگاہ اوّلین کے صدقے جائیے، اگر نگاہ آخرین ہوتی تو خدا جانے کیا قیامت ڈھاتی، حصہ اوّل کو نگاہ عامیانہ سے نہ دیکھئے اور جدت وندرت پر نظر ڈالیے تو مرزا کی جگر کاویون کی داد دیتے اور اپنی بیراہہ روی پر سر بگریبان ہوتے بن پڑے مگر آپ کی نظر مین تو:-

شمار سبحہ مرغوب بت مشکل پسند آیا | تماشائے بیک کف بُردن صد دل پسند آیا
بگوشم این صدا از مقری تسبیح می آید | کہ صد دل مضطرب گرد د جو یک دل یاد آرامی
دہر مین نقش وفا وجہ تسلّی نہ ہوا | ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندۂ معنی نہ ہوا
یاد وفا خود نبود در عالم | یا مگر کس درین زمانہ نکرد
گلہ ہے شوق کو دل مین بھی تنگی جا کا | گُہر مین محو ہوا اضطراب دریا کا
دل آسودۂ ما شور دریا در نظر دارد | گہر وز دیدہ است اینجا زبان موج دریا را

وغیرہ سب ایک ہی ہین، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

کاش آپ یہ بتا دیتے کہ وہ حصہ جس مین غالب نے اعادۂ مضامین کیا ہے اس مین کتنے شعر ہین اور تیسرا حصہ جسے سُنکر سخنوران کامل آسان کہنے کی فرمائش کرتے ہین کیا وہ مرزا کی دماغ سوزیون کا نتیجہ نہین ہے، میرے نزدیک وہ منتہیون کے درس مین داخل کرنے کے قابل ہے چوتھا حصہ جسے آپ خاص مرزا کا طبعزاد

بتاتے ہین، کاش آپ بتا دیتے اور بتا سکتے کہ وہ دیوان کاکون حصہ ہے۔

خاتمۂ تمہید مین ارشاد ہوا ہے

" مومن، ذوق، آتش، ناسخ تھوڑے سے تقدم وتاخر کو ملحوظ رکھتے ہوئے غالب کے ہمعصر ہین۔

ان کے اور غالب کے متوارد خیالات مین شناخت نہین ہوسکتی کہ اصل مالک کون ہے، مگر یہ دعوی سراسر بے دلیل ہے کہ وہ سب غالب کی ملک ہین، یہ بھی ہوا ہے کہ متقدمین کے کسی جز وخاص سے غالب نے فائدہ اُٹھایا ہے مگر یہ استفادہ استحصال بالجبر سے زیادہ حیثیت نہین رکھتا، زبان عام اور محاورات خواص کی عدم پابندی، دلّی اور لکھنؤ کی زنجیر تقلید سے آزادی کے باوجود بھی خزانۂ ادب اردو کو مالامال کرنے اور دفتر شعر ہندی کو نگارخانۂ چین بنانے کا غالب کو ہمیشہ خیال رہا۔ اسی وجہ سے اُنھون نے دوسرون کے خیالات خوان یغما بنا کر آپ کے سامنے رکھدیئے ہین،

بہرحال حقیقت جو بھی ہو ہم اپنی جستجو کی بنا پر یہ ظاہر کرنا چاہتے ہین کہ غالب کے اکثر ملہمات مستعار ہین "

التماس بیخود ناشاد یہ ارشاد کہ معاصرین غالب مین ابداع مضمون کا سہرا کس کے سر ہے اور ان کا اصل مالک کون ہے اور یہ دعوی کہ سب کے مالک غالب ہین سراسر بے دلیل ہے" اُس وقت تک قابل اعتراض نہین جب تک کوئی دلیل قاطع قائم نہ کیجائے، لیکن اگر غالب نے متقدمین کے کسی جز وخاص سے فائدہ اُٹھایا تو وہ استحصال بالجبر کیون ہے، مولانا ذرا زبان عام اور

محاورات خواص کی شرح فرما دیجیے تو میر و سودا و درد کی زبان سے جواب دلوایا جائے حقیقت یہ ہے کہ مرزا اساتذۂ قدیم دہلی کی طرح فارسی محاورون کا اردو مین ترجمہ کرنا جائز جانتے تھے ابداع ترکیب بھی اپنا حق سمجھتے تھے، اُس لفظ کا رکھنا واجب سمجھتے تھے جس کو محل چاہے اور یہی منتہائے بلاغت ہے، مرزا کے یہان کسی ایسے لفظ کے استعمال کو نگاہ اعتراض سے دیکھنا غلطی ہے جو اُن کے معاصرین کے کلام مین نظر آتا ہو اب یہ کہنا کہ حضرت ذوق کے دیوان مین یہ لفظ نہین، جناب ظفر کے یہان نہین ملتا، یہ کوئی جواب نہین، معاصرین ایک دوسرے کے مقلد نہین ہوا کرتے کسی کو محاورہ کی چاشنی کا چسکا ہوتا ہے، کیسکو ابداع تراکیب کا، ہان یہ ضرور دیکھنا چاہیے کہ اس عہد کے شعرا اور اہل قلم کی تحریرون مین اس لفظ خاص کا وجود ہے یا نہین آپنے لکھنؤ والون کے خوش کرنے کے لیے غالب کے باب مین لکھنؤ کی تقلید سے آزادی کا ذکر کیا ہے، مگر نکتہ سنجان لکھنؤ ایسے سادہ مزاج نہین کہ یہ فریب اُن پر چل جائے، اُن کو خوب معلوم ہے کہ اُس زمانہ مین دلی والے کسی کی تقلید کا تو ذکر کیا ہے، اپنی تقلید سے آزاد ہو جانے والے اور قلادۂ بیعت اُتار پھینکنے والے کو باغی سمجھتے تھے، دلی کی سلطنت کے قلعہ معلےٰ تک محدود ہو جانے، اور لکھنؤ کی حکومت کے برسر اقتدار ہونے کی وجہ سے اساتذہ دہلی نے اگر کوئی بات اپنے مرتبہ سے گری ہوئی کی ہو یا دلی اور چھوٹی دلی کی تباہی سے متاثر ہونے پر دلی مین خاک اڑنے کا ماتم کیا ہو، قابل اعتنا نہین اور نہ کوئی صاحب دل اسے محل استدلال مین پیش کر سکتا ہے جہان آزردہ مومن، ذوق اور غالب سے باکمال موجود ہون وہان ہے کیا نہین اور کیا ان لوگون سے کسی غیر کے آستانہ پر سر جھکانے کی توقع رکھی جا سکتی تھی، غالب نے اساتذہ ایران و ہند

سے کے خیالات کو خوانِ یغما بنا یا ہے یا نہین، انشاء اللہ اس کا فیصلہ اسی مضمون مین ہو جائے گا، لیکن اگر چراغ سے چراغ جلانا بھی گناہ ہے تو مین دیکھونگا کہ کسی زبان کے پہلے شاعر کو چھوڑ کر آپ کسی اور شاعر کو پیش بھی فرما سکتے ہین۔

جناب آرگس کا خیال یہ ہے کہ غالب خزانۂ اردو کو مالا مال کرنا چاہتے تھے مگر کس حالت مین جب کہ وہ زبان عام اور محاورۂ خاص کی پابندی نہ کرتے تھے اور صاف لفظون مین کر نہ سکتے تھے، پھر اسکے سوا اور ممکن ہی کیا تھا کہ دوسری زبانون کے خیالات خوان یغما بنا کر رکھ دیتے، اللہ اکبر اس سے زیادہ سنگدلی اور عداوت کیا ہوگی، کہا جاتا ہے کہ مرزا غالب نہ زبان پر قدرت رکھتے تھے نہ محاورہ پر، نہ مضمون آفرینی ان کے بس کی تھی، اب رہ کیا گیا، اس حالت مین غالب محض شعبدہ باز نظر آتے ہین۔

اب مین تمہید ختم کیا چاہتا ہون مگر اتنا اور کہہ لون کہ حضرت آرگس کو مرزا غالب محمد حسین آزاد، خواجہ حافظ سب کی خیانت، سب کا سرقہ نظر آیا مگر اپنی خوش نصیبی پیش کرنے کا موقع نہ ملا، آپ نے سرو آزاد، آزاد مغفور کے بعض مقامات کا بھی ذکر فرمایا، مگر علامہ بلگرامی نے سرقہ اور توارد کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اسے غلط انداز نظر سے بھی نہ دیکھا اور دیکھا تو پھر خدا جانے کہ اس بے سر و پا مضمون کے شائع فرمانے سے احتراز کیون نہ فرمایا۔

مین نواب صدیق حسن خان صاحب تذکرۂ شمع انجمن سے صفحہ ۲۰۴ و ۲۰۵ کی عبارت کا خلاصہ لکھے دیتا ہون۔

علامہ غلام علی آزاد سرو آزاد مین تحریر فرماتے ہین:۔

"سلیم نے صائب کے نام کی تصریح کی ہے مگر اہل نظر جانتے ہین کہ صائب صاحب قدرت اور اہلِ بضاعت ہے، کہین ہوسکتا ہے کہ متاع غیر پہ نظر ڈالے"

علامۂ تفتازانی مطول مین فرماتے ہین:-

"سرقہ کا حکم اُس وقت لگایا جا سکتا ہے، جب اس امر کا یقین ہو کہ شعرِ ثانی شعرِ اوّل سے ماخوذ ہے اور جب اخذ کا علم نہ ہو تو یہ کہنا چاہیئے کہ فلان شاعر اس مضمون کو پہلے کہہ چکا ہے اور اس حسن تعبیر کا نتیجہ ہوگا کہ انسان فضیلت صدق سے محروم نہ رہے گا مدعی علم غیب نہ ہوگا، دوسرے شخص کو نقص سے منسوب نہ کرے گا۔ انتہی

اور اگر کوئی بنگاہ تفتیش دیکھے تو شاید ہی کسی شاعر کو توارد مضامین سے محفوظ پائے اسلیے کہ تمام معلومات پر حاوی ہونا خاصہ علم باری ہے ہے یون کہ خامہ معنی نگار اندھیرے مین تیر مارتا ہے اُسے کیا خبر کہ اُس کا نشانہ کوئی مرغ آزاد ہے یا طائر پربستہ"

جامی بہارستان مین سلمان ساوجی کے متعلق لکھتے ہین:-

"وہ سلاست زبان و نزاکت معنی مین بے عدیل ہے اُس نے اساتذہ کے قصائد کا جواب لکھا ہے جن مین بعض قصیدے نقش اوّل سے بہتر بعض پست بعض مساوی ہین، وہ خود بڑا معنی آفرین ہے اور اکثر ہمانذہ کے مضامین نظم کر گیا ہے مگر نقش اوّل سے نقش ثانی زیادہ دلکش ہے اسلیے طعن کا محل نہین ہے"

شاہد معنی کہ باشد جامۂ لفظش کہن　　　نکتہ دانی گر حریر تازہ پوشاند خوش است

یہ قول بھی صحت سے دست و گریبان نہین کہ توارد ہمیشہ سطحی اور مشہور و معروف مضامین مین ہوا کرتا ہے، کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ؎

زباغ وصل تو یابد ریاض رضوان آب　　　زتاب ہجر تو دارد شرار دوزخ تاب

بجائی دو چشمت چشم بلا نشستہ　　　چو قبیلہ گرد لیلے ہمہ جا نشستہ

اور وہ صدہا شعر جو اساتذہ مسلم الثبوت مین متوارد ہوئے ہین وہ سب مشہور و معروف یا سطحی مضامین کے گنجینہ دار ہین؟

حضرت آرگس کے مضمون کا دو حرفی جواب

جب اغراض و مسلمات (مبحث عنوان) اور مفہوم شعر مین امتیاز نہو جب تشبیہ و استعارہ مشہور ضرب المثل و مثل اور مضمون شعر مین فرق نظر نہ آئے اسکا جواب خاموشی ہے مگر حضرت آرگس کے مضمون سے جن لوگون کی گمراہی یقینی ہے ان کے لیے ایسا مختصر جواب کافی نہین، اسلیے ہر ایک بات کا سادہ سادہ جواب دینا ضروری ہے۔

اب مین جناب آرگس اور جناب سُہا کے مضمونون کو تنقید کی کسوٹی پر کستا ہون۔

مرزا غالب

عشق سے طبیعت نے زیست کا مزا پایا　　　درد کی دوا پائی درد بے دوا پایا

مولانائے روم

مرحبا اے عشق خوش سودائے ما　　　اے طبیب جملہ علّت ہائے ما

ملّا ظہوری

شد طبیب ما محبت منتقش بر جان ما　　　محنت ما راحت ما درد ما درمان ما

ارشاد جناب آرگس:-

"ظہوری اس خیال کو اس طرح ادا کر چکا تھا مضمون اور طرز ادا دونوں ایک ہیں اس مضمون کو مولانائے روم نے یوں ادا کیا ہے"

التماس سنجود موہانی حضرت آرگس نے سرقہ کے متعلق جمہور کا وہ قول فیصل فراموش کر دیا جسے خود بھی تسلیم کیا تھا۔ اور جسے مرزا غالب کا بھی مسلک بتایا تھا۔ آپ کے انداز تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ ظہوری نے ملائے روم سے اور غالب نے ظہوری سے سرقہ کیا۔ میرا خیال یہ ہے کہ مولانائے روم نے عشق کا خیر مقدم کیا ہے اور اُسے تمام بیماریوں کا معالج قرار دیا ہے۔ لفظ 'مرحبا' (خوش آمدید) سے ایک آنے والے کی چلتی پھرتی تصویر دکھا کر بیان واقعہ کو واقعہ کر دکھایا ہے مگر شعر حکیمانہ ہو کر رہ گیا ہے، اس لیے کہ جملہ علتہا کا مفہوم اوصاف ذمیمہ بشری تک پہونچکر رہ جاتا ہے، یعنی اے عشق تو انسان کو تمام اخلاق ردیہ سے پاک کر دیتا ہے اور بس۔

اب ظہوری کے شعر پر نظر ڈالیے:-

"محبت مجھ بیمار کے علاج کی طرف مائل ہوئی، میں دل و جان سے شکر گزار ہوں، محبت میری تکلیف میری راحت میرا درد میرا درماں ہے"

ظہوری نے اس مفہوم کو اتنے ٹکڑوں کے ضافہ کے ساتھ بیان کیا۔

"منتش بر جان ما محنت ما۔ راحت ما۔ درد ما"

ظہوری نے محبت کی کرشمہ سازیاں اور اُن سے اپنے متکیف ہونے کی حالت بیان کی اور اس طرح کہ مرتبہ کرامت کو پہونچ گئی۔

اب رہا غالب کا شعر وہ ظہوری کے شعر سے کہیں بالاتر ہے۔ مرزا نے یہ بتایا

کہ جبتک عشق نہ ہو زندگی بے کیف ہے۔ دوسرے مصرع مین اور ترقی کی یعنی ابھی تک زندگی کو صرف بے مزہ کہا تھا، اب کہتا ہے کہ زندگی بے کیف ہی نہ تھی، بلکہ درد تھی اور درد بھی ایسا جس کی دوا عشق کے سوا کچھ اور تھی ہی نہین، مگر یہ دوا ہے کیسی، خود ایک درد لا دوا۔ ظاہر ہے کہ عشق مجازی ہو یا حقیقی، بہرحال لذت زندگی کا کفیل ہے، اور اہل تحقیق جانتے ہین کہ محبت کا جذبہ فنا ہو جائے تو انسان کہنے کو زندہ حقیقت مین مردہ ہے ؎

مری تصویر میں ہے تربت مرا قد ہی تن میرا　　کبھی تھا تو اہی دنیا مین لیکن اب کہان ہون مین

(بیخود موہانی)

غالب کے شعر مین دو باتین ظہوری کے شعر سے زیادہ ہین۔ خود زندگی کو درد قرار دینا، جہان محبت درمان درد زیست ہے وہین درد لا دوا بھی ہے، اب خیال عشق کے غیر فانی ہونے کی طرف فوراً منتقل ہو جاتا ہے، جناب آرگس اور جناب سہا کو مضمون کے ارتقائی مدارج دکھانا تھے۔ جناب آرگس تو اسے سرقہ کہکر چلتے بنے، جناب سہا نے ملائے روم اور ظہوری کے اشعار کو یقیناً کی تاکید کیساتھ ہم مضمون کہا اور خیال کو پامال اور مبتذل بتایا۔ مگر میرا خیال یہ ہے کہ اگر غالب کے شعر مین فلسفیت اور شعریت نظر آتی ہے تو ملائے روم کے شعر مین حکمت اور ظہوری کے شعر مین حکمت و شعریت جلوہ دکھاتی ہے جب اتنی ترقیان موجود ہین تو شعر کو چربہ کہنا غلطی ہے ؎

شمار سبحہ مرغوبِ بتِ مشکل پسند آیا　　غالب　　تماشائے بیک کف بُردن صد دل پسند آیا

بگوشم این صدا از مقری تسبیح می آید　　غنی　　کہ صد دل مضطرب گشتہ و چہ یکدل پایدار است

آرگس " غالب کے شعر مین جا بجا اور ڈکرا "بیک کف بُردن صد دل" ہے اور یہی

غنی کے ہان سے لیا گیا ہے۔"

خلاصہ ارشاد تھا:۔

"غالب محبوب کی دلبری کو تسبیح صد دانہ سے تشبیہ دیتا ہے۔ غنی کشمیری دانون کی اُلٹ پھیر سے تمثیل کرتا ہے کہ اگر دنیا مین ایک شخص کو سکون میسر آتا ہے تو سو دون کے اضطراب کے معاوضہ مین۔ ممکن ہے کہ غنی کی تخئیل کبھی یا کہین صادق آجائے مگر بالالتزام ایسا نہین ہے بلکہ اس تمثیل نے خود شعر کا مفہوم مہمل سا کر دیا ہے یعنی مقری تسبیح سے یہ آواز آتی ہے کہ ایک دل اگر آرام پاتا ہے تو سو دل بےچین ہو جاتے ہین، اب خدا ہی جانے، مقری تسبیح کی صدا مین کس ایک دل کے آرام، اور کن سو دلون کے اضطراب کا پیغام ہے، پھر مقری تسبیح نہین معلوم کوئی محبوب چہاردہ سالہ پارسا ہے یا زاہد صد سالہ، کیونکہ ہر دو کی شخصیتون کا تعین مفہوم مین ممکن نہین ہو سکتا ہے، مزید بران مقری تسبیح کی ترکیب کیسی بھدّی اور غیر مانوس ہے اور سب سے آخر مین یہ بات کہ تسبیح کا بجھر قطعاً غیر معمول ہے، میرے نزدیک تو غنی کا شعر لفظی اور معنوی دونون اعتبار سے ناقص اور لغو سا ہے، برخلاف اس کے غالب کا شعر محبوب کی ایک ادائے ناز کا آئینہ دار ہے، دانہ و دل کی تشبیہ عام ہے، تشبیہات کسی شاعر کی ملک نہین ہوتے۔"

بیخود:۔ جناب آرگس سے تو اتنا ہی کہنا ہے ع خاموشی از ثنائے تو حد ثنائے تست

ایک بے سر و پا بات کہدی اور آگے بڑھ گئے، غنی اور غالب کے اشعار مین 'صد دل' کا ٹکڑا مشترک ہے، اتنی سی بات پر کسی کو سارق کہدینا آپ ہی پر زیبا ہے

اس ارشاد سے لازم آتا ہے کہ ہر شاعر و نثار کو اپنے لیے نئے الفاظ تراشنا چاہیے۔

لیکن جناب سُہا نے تو قیامت ہی کر دی، واقعہ یہ ہے کہ غنی کے یہاں ایک دعویٰ ہے کہ سو دل بےچین ہو لیتے ہین جب کہین ایک دل آرام کھاتا ہے، اور اسے تسبیح کے سو دانون کے اضطراب اور امام تسبیح کے سکون کی تمثیل سے ثابت کرتا ہے۔ غنی کہتا ہے کہ میرا معشوق مشکل پسند ہے، آسان کام اُسے بھاتا نہین، اُسے شمار تسبیح صرف اس لیے پسند آیا کہ جس طرح وہ خود ایک ایک ہتھے مین سو سو دل لے اُڑتا ہے اسی طرح تسبیح پڑھنے والا بھی سو دانون پر ایک بار ہاتھ پھیر لیتا ہے یعنی معشوق نے شمار تسبیح کو صرف اسلیے پسند کیا کہ اُس کی دلربائی کا انداز اس مین نکلتا ہے۔

جناب سُہا نے غنی کے شعر پر تیر باران کیا ہے، مگر افسوس ہے کہ ہر تیر نے خطا کی اور غنی کے شعر کی جگہ حضرت سہا کی قابلیت بُری طرح مجروح ہوگئی، اور اب اُس کی حالت بالکل ایسی نظر آتی ہے، جیسے کوئی لاش تیرون پر ٹھہری ہو۔

جہان تک مین سمجھتا ہون حضرت سہا کی بیراہ روی کا مجرم صاحب غیاث اللغات ہے غیاث مین مقری کے صرف دو معنی لکھے ہین۔ ۱ پڑھنے والا۔ ۲ وہ شخص جو بچون کو قرآن پڑھائے۔ اسلیے کہ انھین دو معنون کی جھلک اس ارشاد مین نظر آتی ہے

"پھر مقری تسبیح نہین معلوم کوئی محبوب چہاردہ سالہ پارسا ہو یا زاہد صد سالہ"

اگر جناب سہا نے بہار عجم پر نظر ڈالی ہوتی تو یہ عبارت اور شعر نظر آتا۔

"مقری تسبیح و مقری سبحہ بضم مہرہ کلانے کہ بر سر تسبیح باشد و آنرا در عرف امام تسبیح و اہل ہند سمیر خوانند"۔

محض شہرت بہنر مندی کس حجت نیست کسی از مقری تسبیح اذان نشنیدست" محسن تاثیر

تسبیح بالجہر کا ذکر بے محل ہے۔ اسلیے کہ امام تسبیح نے غنی سے جو کچھ کہا ہے، زبان حال سے کہا ہے۔ برائے خدا یہ تو ارشاد ہو کہ مقرری تسبیح کی ترکیب بھدی کیوں ہے، کونسا قاعدہ آپکے اس قول کی تائید کرتا ہے اس ترکیب کو غیر مانوس کہنا بھی کوتاہی نظر کی دلیل ہے۔

دہر میں نقش وفا وجہ تسلی نہ ہوا ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندۂ معنی نہوا غالب

یا وفا خود نبود در عالم یا مگر کس درین زمانہ نکرد سعدیؒ

آرگس:۔ "غالب کا یہ شعر سعدی کے اس شعر سے لیا گیا ہے"

بیخود:۔ جناب سعدی نے بڑی سادگی سے فرما دیا کہ یا تو وفا دنیا میں کبھی تھی ہی نہیں۔ یا ہمارے زمانہ میں کسی نے نہ کی۔ اور غالب نے اس عامۃ الورود مفہوم کیلیے ایک نیا پیرایۂ بیان پیدا کیا ہے۔ پہلے وفا کو نقش (تعویذ کے معنوں پر) کہا اور کہا اس سے کبھی تسلی نہوئی، دوسرے مصرع میں اُسے لفظ بے معنے کہا یعنی کوئی وفادار نہ نکلا جس پر اس لفظ کا اطلاق صحیح ہوتا۔ اگر حضرت آرگس اسے بھی سرقہ کہتے ہیں تو پھر بات کرنا مشکل ہو جائیگا

میں نے چاہا تھا کہ اندوہ وفا سے چھوٹوں وہ ستمگر مرے مرنے پہ بھی راضی نہوا غالب

خواستم آتش دل را بنشانم بہ سرشک آنقدر ہم جگر سوختہ ام آب نداشت عالی شیرازیؒ

آرگس:۔ "دونوں خیال بظاہر جدا ہیں، مگر انداز بیان اور مقصد شعر دونوں ایک ہیں"

سہا۔ "کیا آتشِ دل اور اندوہ وفا ایک ہی چیز ہے، کیا جگر سوختہ ام، اور وہ ستمگر ایک ہی شخص کے دو نام ہیں؟ اور کیا راضی نہوا، آب نشدا کے ایک ہی معنی ہیں؟ پھر مرنے، چھوٹوں اور نشانہ پر سرشک کسی کتاب لغت میں ہم مفہوم ہیں۔ غالب کا شعر محبوب کی انتہائی ستمگری ظاہر کرتا ہے اور عالی کے شعر میں اپنی ہی مجبوری کا اظہار ہے۔ علاوہ ازیں عالی کے شعر سے مترشح ہوتا ہے کہ گویا جگر سوختہ بھی پانی کا کوئی مخزن ہے جہاں سے آنسو نکلتے ہیں، اور یہ ایک غلطی ہے جس پر عالی کی نظر رعایات لفظی کے اجتماع میں نہیں گئی۔"

نجود :۔ ارشاد ہوتا ہے کہ "عالی کے شعر سے ظاہر ہوتا ہے کہ گویا جگر سوختہ بھی پانی کا کوئی مخزن ہے، جہاں سے آنسو نکلتے ہیں۔ اور یہ ایک غلطی ہے جس پر عالی کی نظر رعایات لفظی کے اجتماع میں نہیں گئی۔" یہ ایسے اعتراض ہیں جن کا جواب خاموشی ہے جسے مقری تسبیح کے معنے یاد نہوں اور جو یہ بھول جائے کہ جتنی تری جگر میں ہوتی ہے اُتنے ہی زیادہ آنسو نکلتے ہیں اُسے کیا حق ہے کہ نعمت خان عالی سے علامۂ دوران پر حرف گیری کرے۔

جناب سہا نے غالب کے شعر کا یہ نکتہ بھی نہیں بیان کیا کہ اگرچہ عاشق کی حالت ایسی ہے کہ جان دینے پر آمادہ ہے۔ مگر ہائے ری وفا کہ مرنے کیلیے بھی معشوق کی مرضی کا پابند ہے۔

بقدرِ ذوق ہو ساقی خمارِ تشنہ کامی بھی — غالب — جو تو دریائے مے ہے تو میں خمیازہ ہوں ساحل کا

تو چوں ساقی شوی درد تنگ ظرفی نمی ماند — علی — بقدر بحر باشد وسعت آغوش ساحلہا

آرگسن نہ بجز ایک آدھ لفظ کے اور کوئی کمی بیشی خیالات مین نہین ہوئی "

سُہا:۔ " غالب وسعت شوق بیان کرتا ہے، اور علی سہرندی تنگ ظرفی"

بیخود:۔ مین دونون اشعار کا فرق بیان کئے دیتا ہون - علی سہرندی کہتا ہے کہ جب تو شراب پلانے لگے تو جتنی بھی پلا دے میکش کا ظرف تنگی نہ کریگا، یہ تیری ساقی گری کا اعجاز ہے، دوسرے مصرعہ مین تمثیل سے کام لیتا ہے کہ دیکھ لے جتنا دریا کا پاٹ بڑھتا جاتا ہے اُتنی ہی ساحل کے آغوش کی وسعت بڑھتی جاتی ہے "

غالب کا انداز بیان بتاتا ہے کہ میکش کے اصرار پر اُس سے کہا گیا ہے، یا وہ خود ساقی کو شراب دینے مین تامل کرتے ہوئے دیکھ کر یہ سمجھا ہے کہ ساقی مجھے تنگ ظرف سمجھتا ہے اس کا جواب دیتا ہے اور مدلل کہ لے ساقی مین اپنی تشنہ کامی کے اندازہ کیلیے تجھے ایک پیمانہ بتائے دیتا ہون، وہ یہ کہ جسقدر مجھے ذوق مے ہے اُسیقدر خمار تشنہ کامی بھی ہے - یہان تک تو عاشق نے پردہ پردہ مین گفتگو کی اور معلوم ہوتا تھا کہ شراب کا تقاضا کر رہا ہے مگر دوسرے مصرعہ مین کچھ اور ہی عالم نظر آنے لگا - وہ یہ نہین کہتا کہ تیرے یہان شراب کا دریا بھرا ہوا ہے بلکہ یہ کہتا ہے کہ اگر تو دریائے مے ہے تو مین خمیازہ ساحل ہون یعنے مجھے تیری تمام ادا ؤن کا تحمل ہے، اور میری انتہائی خواہش پر میرے شوق کی انتہا شاہد ہے یعنے تو ناز آفرینی کرتے ہوئے کیون رُکتا ہے مین ہرگز یہ نہ کہونگا سے

کمتر شراب جلوہ کہ پرشد ایاغ ما روغن چنان مریز کہ میرد چراغ ما

میرے نزدیک دونون شعر لطیف ہین، مگر قلعہ اور عرش کے کنگرونکا فرق ظاہر ہے۔

محرم نہین ہو تو ہی نواہائے راز کا غالب یان ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہو ساز کا

ہر کس نشناسندۂ راز است وگر نہ عرفی این ہا ہمہ راز است کہ معلوم عوام است

مگو کہ نغمہ سرایان عشق خاموشند " کہ نغمہ نازک و اصحاب پنبہ در گوشند

آرگس (۱)" یہ غالب کا نہایت مایۂ ناز مشہور شعر ہے (۲) ممکن ہے کہ دونون شعر جُدا سمجھے جائین۔ مگر غور کرنے پر ذوق سلیم ایک ہی طرف رہبری کرتا ہے۔ دوسرا شعر بھی ویسا ہی ہے"

سہا:۔"یہ اشعار تقریباً ایک ہی خیال پر مبنی ہین۔ یہ مضمون عرفی کا زادۂ دماغ نہین ہے۔ بلکہ متصوفانہ ہے اور خود عرفی نے بھی خانقاہ نشینون سے سُن لیا ہے، غالب کے شعر مین الفاظ نہایت شاعرانہ اور بندش بدیع ہے، نیز عرفی کے شعر مین "معلوم عوام است" کے ساتھ ساتھ "ہر کس نشناسندۂ راز است" نظم ہوا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ الفاظ نے عرفی کے ساتھ اظہار مفہوم مین مساعدت تامہ نہین کی۔ اسلیے کہ بحالت موجودہ یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ جو راز معلوم عوام ہے وہ خواص کیسلیے کیونکر ناقابل علم ہوگا؟"

بیخود:۔ خیر یہ حضرات اس قدر کوتاہ قلم کیون ہین، عوام بھلا ان عبارتون سے کیا سمجھ سکتے ہین، الفاظ نہایت شاعرانہ ہین، بندش بدیع ہے، یا غور کرنے پر ذوق سلیم ایک طرف ہی رہبری کرتا ہے۔

میرے نزدیک ان اشعار مین مشرق و مغرب کا فرق ہے مین ہر شعر کا مطلب عرض کئے دیتا ہون۔

محرم نہین ہو تو ہی نواہاے راز کا یان ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہو ساز کا

حل:- ساز حقیقت کے ترانے تیری سمجھ مین نہین آتے اسمین قصور تیرا ہے، ورنہ یہان (دنیا مین) جتنے مین پردے ہین وہ ساز کے پردون کی طرح ترنم ریز ہین اور اسرار الٰہی ظاہر کررہے ہین یعنے جن چیزون کو تو وجود باری کے سمجھنے مین مانع سمجھتا ہے وہی باآہنگ دلکش اسکے وجود اور اُس کی یکتائی کا ترانہ گا رہی ہین۔

حجاب بتعین ہستی۔ وجود (موجودات) یعنے ماسوی اللہ مین ذرہ ذرہ وجود قدرت باری کا گواہ ہے۔ ساز کے پردون سے راگ نکلتے ہین۔ مگر اِن کو وہی لوگ سمجھتے ہین جن کو موسیقی مین دخل ہے اس شعر مین یہ بھی مضمر ہے کہ جس طرح ساز کے ذریعے سے نغمہ کا ظہور ہوتا ہے اسیطرح اگر خدا موجودات عالم کے پردے مین جلوہ نہ دکھاتا تو اُسکے وجود کا ادراک غیر ممکن تھا۔ اسلیے کہ وہ جسم وجسمانیت سے منزہ ہے۔ اس شعر مین نوا۔ حجاب۔ پردہ ساز۔ محرم۔ راز سب الفاظ مناسب جمع ہوگئے ہین

(عرفی)

ہر کس نشناسندہ راز است وگرنہ این ہا ہمہ راز ست کہ معلوم عوام است

ہر کس وناکس مین راز سے آگاہ ہونے کی قابلیت نہین۔ ورنہ وہ باتین جو عوام کو بھی معلوم ہین۔ سراپا راز ہین۔

کھانے کے مسالے اب جن سے عام مرد ہی نہین پردے کی بیٹھنے والیان بھی واقف ہین اور اُن سے روز کام پڑتا ہے اُن کے مصالح سے اہل نظر کے سوا بالعموم لوگ بے خبر ہین، حالانکہ اِن کی ایجاد وانکشاف حکما کے غور وفکر کا نتیجہ ہے، یہ معنی معلوم عوام ہونے کے ساتھ ساتھ راز ہونے کے ہین۔ اس شعر پر نظر کرنیسے عرفی کا شعر سمجھ مین آجائیگا

تری دنیا کو تجکو کون سمجھے جب نہین کھلتا — کہ ایک اک ذرہ کی دنیا کہان سے کہان تک ہے

(بیخود موہانی)

(عرفی)

مگو کہ نغمہ سرایان عشق خاموشند — کہ نغمہ نازک و اصحاب پنبہ در گوشند

مطلب:۔ یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ عارفان خدا اسرار معرفت کے بیان کرنے مین تامل کرتے ہین۔ حقیقت یہ ہے کہ اسرار نازک ہین اور اسپر طرہ یہ ہے کہ اہل دُنیا دنیا مین الجھے ہوے ہین، پھر یہ سمجھ مین آئین تو کیونکر۔

شعر غالب کے مضمون کی وسعت کی کوئی انتہا نہین اُسنے دنیا کے ذرہ ذرہ کو (پردۂ تعین) حجاب بناکر قیامت کردی ہے۔

بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آسان ہونا — آدمی کو بھی میسر نہین انسان ہونا — غالب

انچہ پر چشم دکم دیدیم بسیار است و نیست — نیست جز انسان درین عالم کہ بسیار است نیست

(عالمگیر)

آرگس:۔ "شعر کی جان غالب کا دوسرا مصرع اور اُس کا انداز بیان ہے مگر عالمگیر کے یہان دونون مصرعے برابر کے ہین۔ اور دونون کے اندازِ بیان مین بھی فرق نہین ہے"

سُہا:۔ "حقیقت یہ ہے کہ عالمگیر کے دونون مصرعون مین چونکہ ایک ہی مضمون کا اجمال و تفصیل ہے اور چونکہ شعر مطلع ہے اور ردیف مکرر لہذا آپ کو مصرعے بہت زیادہ برابر محسوس ہوئے، غالب کے مضمون

مین تکرار کسی قسم کی نہین ہے، بلکہ دوسرا مصرع پہلے کی تمثیل و تفسیر ہے
رہا یہ معاملہ کہ غالب کا شعر عالمگیر کے شعر کا ہم مضمون ہے یہ بات بھی نہین
ہے۔ غالب اپنے شعر مین حصول آسانی کی نفی کرتا ہے اور اس نفی
کی تمثیل مین دوسرا مصرعہ ادا ہوا ہے۔ غالب کی نگاہ دقیقہ رس نے تمثیل
مین ایک خاص رعایت ملحوظ رکھی ہے، جو عالمگیر کے سیدھے الفاظ مین
پیدا نہ ہوسکی اور وہ آدمیت و انسانیت کے نازک فرق کیجانب اشارہ
جسنے تمثیل مین تازگی اور جدت پیدا کردی ہے۔"

بیخود۔ جس طرح جناب آرگس نے لکھا ہے یہ مطلع نہین شعر ہے۔ اسلیے کہ قافیہ
ہی غائب ہے۔ یہ یون ہے ؎

انچہ پر جستم وکم دیدم کہ بسیار است و نیست   نیست جز انسان درین عالم کہ بسیار است و نیست

اس صورت مین ایک ردیف برائے بیت ٹھہرتی ہے۔ اسلیے کہ مضمون شعر
"نیست جز انسان" پر تمام ہوجاتا ہے۔ اس شعر کے متعلق حضرت سُہا کی رائے سے
مجھے اتفاق ہے۔ آدمیت اور انسانیت کا نازک فرق جس کی طرف جناب سُہا نے
اشارہ فرمایا ہے داد کے قابل ہے۔

دوسرے شعر کا مطلب صرف اتنا ہے کہ کہنے کو انسان بہت ہین مگر انسانِ کامل
ڈھونڈھے نہین ملتا۔ مرزا غالب کہتے ہین کہ دنیا مین کوئی کام آسان نہین دیکھ لو کہ
آدمی کا انسان بننا کتنا مشکل کام ہے۔ غالب کے شعر مین تمثیل سامنے کی ہے۔ مگر ایسی
کہ جس طرف عوام تو عوام خواص کا ذہن بھی آسانی سے متبادر نہین ہوتا اور یہ بات
اُسی طرح داد کے قابل ہے جس طرح گلستان کی حمد مین جناب بلبل شیراز نے پیش پا

افتادہ چیزوں سے کام لے کر اُسے ایک مقام بنا دیا ہے۔

سعدی :۔ " ہر نفسی کہ فرو میرود ممد حیات است وچون بر می آید مفرح ذات ورہر نفسی دو نعمت موجود است وبرہر نعمتے شکرے واجب "

کی مرے قتل کے بعد اُسنے جفا سے توبہ غالب ہائے اُس زود پشیمان کا پشیمان ہونا

آفرین بردل نرم توکہ از بہر ثواب حافظ کشتہ غمزہ خود را بہ نماز آمدہ

آرگس :۔ " خیال دونوں کا یکسان ہے۔ غالب کے یہان زود پشیمان ہے اور حافظ کے یہان ' دل نرم ' غالب کے یہان ' جفا سے توبہ ' حافظ کے یہان ' بہر ثواب بنماز آمدہ "

سُھا :۔ " بقول جناب آرگس ' زود پشیمان اور دل نرم ' ' جفا سے توبہ اور بہر ثواب بنماز آمدہ ' ہم معنے فقرے ہین۔ حافظ علیہ الرحمہ کہتے ہین کہ تیری نرم دلی کے کیا کہنے ہین کہ اپنے کشتہ غمزہ کے جنازہ کی نماز پڑھنے ایصال ثواب کیلیے آیا ہے ' شعر مین خوبی یہ ہے کہ کشتہ غمزہ کو ایصال ثواب کیا گیا ہے۔ مگر کشتہ غمزہ کو ایصال ثواب کوئی خاص نرم دلی بھی نہین ہے "

بیخود :۔ جناب سہا کا یہ ارشاد صحیح ہے کہ زود پشیمان اور دل نرم ' جفا سے توبہ اور بہر نماز آمدہ ہم معنے فقرے نہین ہین ' مگر حافظ کے شعر مین ایصال ثواب کا کہین ذکر نہین۔ اور دل نرم سے دل سخت مراد ہے اور از بہر ثواب کے معنے خود ثواب حاصل کرنے کی غرض سے۔ یعنے تو ایسا سنگدل ہے کہ کشتہ ناز کے جنازہ کی نماز

پڑھنے اس نظر سے آیا ہے کہ نماز میت کا ثواب حاصل ہو۔ مراد یہ ہے کہ اللہ رے سنگدلی کہ جیسے خود خاک مین ملایا اسکے جنازے کی نماز بھی حق محبت ادا کرنے کی نیت سے نہ پڑھی۔

غالب کا یہ شعر دو پہلو رکھتا ہے:۔

(۱) زود پشیمان کا مفہوم یہان جلد پشیمان ہونے والا۔

(۲) بہت دیر مین یا کبھی پشیمان نہ ہونے والا۔

(۱) مرزا کہتا ہے کہ معشوق ایسا ظالم ہے کہ جب تک مجھے قتل نہ کر لیا پشیمان نہوا گویا پشیمان ہوا ہی نہیں۔

(۲) میرے قتل کرتے ہی اُس کو ندامت ہوئی۔ کاش پہلے خیال کیا ہوتا۔ عاشق کو معشوق کی ندامت پر پیار آگیا ہے اور اب سارے ظلم فراموش ہو گئے ہین۔

پہلی صورت مین اظہار سنگدلی ہے۔ دوسری صورت مین شان عاشقانہ اور یہ صورت زیادہ لطیف ہے۔ یعنے معشوق کے ذرا سے التفات مین سارے گلے سہو محو ہو گئے۔

دوست غمخواری مین میری سعی فرمائینگے کیا — زخم کے بھرنے تلک ناخن نہ بڑھ جائینگے کیا — غالب

لذت زخم بسکہ دل زار من گرفت — ناخن زدم بسینہ اگر بہ شدن گرفت

(ناطق گرانی)

بیخود:۔ یہان جناب آرگس نے حضرت شاد لکھنوی پیر میر کے کچھ شعر لکھے ہین جو مرزا کے اشعار کی بگڑی ہوئی تصویر معلوم ہوتے ہین۔ لیکن اُن کے متعلق اظہار رائے کی

ضرورت نہین۔

سہا :۔ "غالب کہتا ہے۔ چونکہ مین زخمون کو ناخن سے چھیل دیتا ہون، احباب میرے ناخن ترشواتے ہین۔ مگر یہ عبث ہے کیونکہ زخم کے اندمال سے قبل ہی ناخن بڑھ آئین گے، اور پھر خراش زخم کا سامان مہیا ہو جائیگا۔ حاصل یہ ہے کہ احباب کی چارہ فرمائیان بے سود ہین ہمارے سامان خرابی مین تخفیف نہین ہو سکتی۔ ناطق مکرانی اپنی ایذا پسندی بیان کرتا ہے یہان احباب کی چارہ فرمائیان نہین ہین"

بیخود :۔ مین دونون شعرون کا مطلب عرض کرتا ہون۔

غالب کا شعر عاشق کی ایک مجنونانہ ادا کا آئینہ دار ہے، اسکے احباب ناخن اسلیے ترشواتے ہین کہ کہین زخمون کو بڑھا نہ لے، مگر عاشق ہے شوریدہ سر اسلیے وہ اپنے دوستون کو دشمن جانتا ہے اور یہ سمجھکر خوش ہے کہ زخم بھرنے سے پہلے ناخن بڑھ آئینگے اور مین پھر زخمون کا گلزار کھلا دونگا۔ یہ ایک وحشی کے خیال کی مرقع کشی ہے اور خوب ہے۔

ناطق ایذا پسندی کا اظہار نہین کرتا بلکہ لذت زخم عشق کو بیان کرتا ہے کہ جہان زخم اچھا ہونے لگا مین نے ناخن مارا اور پھر وہی مزے آنے لگے۔ عشق کی تکلیفون مین ایسا مزہ ملتا ہے کہ محبت کم ہونے لگتی ہے تو پھر بڑھا لیتا ہون۔

آج وان تیغ و کفن باندھے ہوے جاتا ہون مین — عذر میرے قتل کرنے مین وہ اب لائینگے کیا — غالب

منم آن سیر جان گشتہ کہ با تیغ و کفن — تا در خانۂ جلاد غزل خوان رفتم — عرفی

آرگس :۔ "عرفی کے یہان غرقہ خوان رستم والا ٹکڑا اس قیامت کا ہے کہ جواب ہی نہین "۔

سُہا :۔ "غالب کہتا ہے کہ وہ میرے قتل کیلیے روز کوئی نہ کوئی بہانہ کر دیتے ہین۔ کبھی کہتے ہین کہ تلوار نہین، کبھی کہتے ہین کہ کفن کا کیا انتظام ہے، پس آج تمام اسباب جمع کر کے جاتا ہون تاکہ انھین کوئی عذر نہ رہے عرفی جان سے اپنی بیزاری بیان کرتا ہے، یہی دونون شعرون کا فرق ہے"

بیخود :۔ "تمام شارحین دیوان غالب نے اس شعر کا مطلب بہ تغیر الفاظ یہی بیان کیا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ اس شعر کی بنا عرب کے اس دستور پر قائم ہے کہ جب وہان کوئی جان پر کھیل جانے کے لیے تُل جاتا تھا تو سر سے کفن باندھ کر اور تلوار لے کر نکلتا تھا۔ پھر کوئی اُسے جان دینے کے ارادے سے باز رکھنے کی کوشش نہ کرتا تھا۔

عاشق اپنے دل مین غور کرنیکے بعد اس نتیجہ پر پہونچا ہے کہ مین نے ابتک جان سے ہاتھ دھو بیٹھنے والون کی صورت ہی نہین بنائی اور یہی سبب ہے کہ وہ کسی نہ کسی بہانے مجھے ٹال دیا کرتا ہے، آج اس ساز و سامان سے جاتا ہون ابتو کوئی عذر ہو ہی نہین سکتا۔ اس شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ عاشق معشوق کے ہاتھ سے قتل ہونے ہی کو مآل زندگی سمجھتا ہے عرفی کے شعر مین جب تک "سیر ز جان گشتہ" کا ٹکڑا ہے موجود ہے اُس وقت تک اُس وقت غرقہ خوان رستم کے ہوتے ہوئے بھی غالب کے شعر کی گرد کو نہین پہونچ سکتا، اسلیے کہ جان سے بیزار ہونے پر مرنے کی خوشی اور چیز ہے، اور معشوق کے ہاتھون قتل ہو جانیکی تدبیر سمجھ مین آنے پر پھولون نہ سمانا اور چیز ہے۔

ہے اب اس معمورہ مین قحط غم الفت اسدؔ   ہم نے یہ مانا کہ دلی مین رہین کھائینگے کیا   غالب

سعدیا حب وطن گرچہ حدیثے است صحیح   نتوان مرد بسختی کہ من این جا زادم   سعدی

آرگس:۔ "یہان خیال بالکل ایک ہے گو ظاہر الفاظ مین فرق ہو مگر موضوع مضمون سے باہر نہین۔"

سُہا:۔ غالب تو صرف یہ کہتا ہے کہ دلی مین کیسے (کیونکر) گزر ہوگی یہان ہمین غم الفت تو میسر ہی نہین جس کے ہم عادی ہین، البتہ سعدی علیہ الرحمہ معاش ہی کے شاکی ہین، کہیے کیا واقعی دونون اشعار ہم مضمون ہین۔"

بیخود:۔ مرزا کہتے ہین کہ دلی اہل محبت سے خالی ہوگئی اور ہم ہین محبت کے بھوکے۔ اب یہ مقام ہمارے رہنے کے قابل نہین رہا۔

نکتہ:۔ اس شعر مین یہ لطیف نکتہ مضمر ہے کہ اہل دل کے نزدیک وطن اہل وفا و اہل محبت کا دوسرا نام ہے یہ نہ رہے تو وطن بھی نہ رہا، یہ لطافت بھی ہے کہ غالب غم و الفت ہی پر اپنی زندگی کا انحصار سمجھتا ہے، اور یون اہل دنیا کو مہر و وفا کا سبق دیتا ہے۔

ترک وطن کا خیال دونون کو ہے مگر یہ دیکھنا چاہیے کہ کون کس وجہ سے ترک وطن کر رہا ہے اور وہ وجہ اہل دل کی نظر مین کیا درجہ رکھتی ہے۔

ترے وعدہ پر جئے ہم تو یہ جان جھوٹ جانا   کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا   غالب

بیم از وفا ندارد بدہ وعدہ کہ من   از ذوق وعدہ تو بفردا نمی رسم   سیلی

آرگس :۔ "میلی نے کہا تھا کہ تو وعدہ کر اور ایفائے وعدہ کا خیال ہی نہ کر ادھر تو نے وعدہ کیا اُدھر خوشی سے ہمارا دم نکلا بالکل یہی خیال غالب کے یہاں ہے۔ مگر میلی کے یہاں قبل وعدہ ہے اور یہاں بعد وعدہ"

سُہا :۔ نیشاپوری وعدہ کے ذوق مین مرجانے کا یقین دلاکر محبوب سے پیمان لینا چاہتا ہے۔ غالب صدق وکذب وعدہ کا ایک اچھوتا معیار پیش کرتا ہے، اختلاف مضمون مستزاد برآن۔ غالب کا حُسن بیان شعر کو نیشاپوری کے شعر سے بلند تر کئے ہوئے

بیخود :۔ میری رائے مین حضرت آرگس کا خیال صحیح ہے۔ مین تو یہ کہونگا کہ دونون خیال یکسان ہی نہین بالکل ایک ہین۔ حضرت سہا جس کو اچھوتا معیار قرار دیتے ہین وہ بالکل اسی طرح بلکہ اس سے کہین بہتر صورت مین میلی کے یہان پایا جاتا ہے، مگر یہ مضمون عام ہے، اسلیے کہ انتہائی خوشی مین مرجانا مشہورات مین سے ہے جس پر شادی مرگ کی شہرت شاہد عادل ہے، پھر وعدۂ وصل یار کی خوشی مین مرجانا کونسی بڑی بات ہے اسلیے اِسے نہ ترجمہ کہیے نہ سرقہ، یہ توارد کہا جاسکتا ہے۔ میرے نزدیک میلی کا شعر نزاکت وبلندئ خیال کے اعتبار سے مرزا غالب کے شعر سے کہین بالاتر ہے، اسلیے کہ کہان وعدۂ یار کی خوشی مین مرنہ جانے کی معذرت کرنے کیلیے زندہ رہنا اور کہان قبل وعدہ، وعدہ وصل کی خوشی مین مرجانے کا یقین ہونا۔

ہوئے مرکے ہم جو رسوا ہوئے کیون نہ غرق دریا | نہ کبھی جنازہ اٹھتا نہ کہین مزار ہوتا | غالب

غرقہ بحر یم مارا ور دیار ما مپرس | لقمۂ کام نہنگیم از مزار ما مپرس | لاادری

آرگس :۔ غالب کے شعر مین جان خیال یہی بات ہے کہ دریا مین ڈوب جاتے نہ توجنازہ اُٹھتا نہ مزار بنتا۔ دوسرے شعر مین بھی یہی ہے، مگر غالب کے یہان حسرت غرق ہے، اور فارسی شعر مین اخبار بعد الغرق"

بیخود :۔ مرزا کہتا ہے کاش دریا مین ڈوب مرے ہوتے کہ نہ جنازہ اُٹھتا نہ مزار بنتا نہ مرنے کے بعد رسوائی ہوتی۔ جنازہ کے اُٹھنے مین انگشت نمائی کا زیادہ موقع ہے اور مزار کا بننا ملامت پائدار کا سبب ہے۔ یعنے نہ جنازہ اُٹھتا نہ انگلیان اُٹھتین کہ یہ وہی کم حوصلہ ہے جس سے عشق کی کڑیان جھیلی نہ گئین جو مرکے اپنے آپ کو، اپنے معشوق کو، غیرت عشق کو بدنام کر گیا۔ مزار نہ بنتا تو لوگ یہ نہ کہہ سکتے کہ یہ وہی ننگ وفا ہے، اب جب تک نشان مزار باقی ہے ہم ہین اور ملامت خلق۔

فارسی کا شاعر صرف اپنی مصیبت کی موت کا ذکر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے میرے شہر مین نہ ڈھونڈھو۔ مین گھڑیال کا لقمہ ہوگیا، اب تم مجھے کہان پاسکتا ہے، ایک شعر مین اپنی بے نام ونشان کر دینے والی موت کا ماتم ہے، دوسرے مین ایسی موت کا ذکر ہے جو مرنے والے کو ہمیشہ کیلیے بدنام کر گئی، نہ یہ پہلے شعر کا ہم مضمون ہے نہ ضد نہ جواب۔ خدا بصیر حضرت آرگس کو سوکی جگہ دو آنکھین دے، مگر ایسی جن سے دکھائی دیتا ہو۔

دل قطرہ ہے ساز انا البحر ہم اُسکے ہین ہمارا پوچھنا کیا — غالب

زمہر ش سینہ ہا جولانگہ برق دل ہر ذرہ در جوش انا الشرق — ملا غنیمت

آرگس :۔ " ذرہ اور قطرہ، انا البحر اور انا الشرق مین کوئی فرق ظاہر نہین ہوتا"

سہا:۔ دونون شعر متصوفانہ یا وحدۃ الوجود کے رنگ کے ہین، اسلیے نہ ملا غنیمت کا شعر مرجح ہو سکتا ہے، نہ غالب کا تاہم یہ فرق بھی موجود ہے کہ ملا صاحب انوار و تجلیات کی عمومیت بیان کرتے ہین اور غالب اپنی گرانقدر حقیقت کی طرف ایک توحیدی تمثیل سے اشارہ کرتا ہو"

بیخود:۔ جناب آرگس اسے نہ سرقہ کہتے ہین نہ توارُد، یہ جواب ہے۔

جناب سُہا سے کون پوچھے کہ کسی شعر کو ترجیح کیون نہین دیجا سکتی، اہل دنیا سے نفرت ایک مضمون ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے ؎

صدمے ہمیشہ اہل جہان سے اُٹھائے ہین — اب زندگی کرینگے بسر چار پانچ دن

دوسرا کہتا ہے ؎

مرا بروز قیامت غمے کہ ہست اینست — کہ روئے مردم دنیا دوبارہ باید دید

پہلے شعر کا مطلب ظاہر ہے۔ دوسرے کا مضمون یہ ہے، کہ قیامت کے دن مجھے اگر کوئی غم ہے تو یہ کہ اہل دنیا کا منہ پھر دیکھنا پڑیگا، کیا ان دونون شعرون مین آفتاب اور ذرہ کی نسبت بھی ہے۔

مرزا غالب فرماتے ہین قطرہ سازکی طرح نغمہ ریزی کر رہا ہے کہ بحر مین ہون یہان تک کہ مرزا نے جو کچھ کہا ہے اُس مین ملا غنیمت کے دونون مصرعون سے زیادہ مضمون ہے، اِس پر ترقی کی گئی کہ ہم کو چشم کم سے نہ دیکھنا ہم اُسکے ہین ہمارا پوچھنا کیا اور اتنا ہی نہین کہ غالب صرف اِس حقیقت کا اظہار کر رہا ہون بلکہ اُسپر اُسے ناز بھی ہے، شاہ تراب فرماتے ہین ؎

بھلا ہم کو نصیبون سے ملا غمخوار ساقی ہے — ہمین اب مے کی کیا کمتی ہمارا یار ساقی ہے

متصوفانہ رنگ ۔ ہم سے یہاں ہوی اللہ مراد ہے، یعنے کسی ذلیل سی ذلیل مخلوق کو بھی حقارت کی نظر سے نہ دیکھنا، اسلیے کہ تعینات کا پردہ اُٹھا دیا جائے تو ھستے بلکہ ہر ذرّہ وہی ہے۔

ایک نازک فرق دونوں شعروں میں یہ بھی ہے کہ ملّا غنیمت نے مہر (محبت یا وجہ خدا) کی قید لگا دی ہے، یعنے اُنکی محبت یا اُسکے جلوے کے صدقے میں ہر ذرہ انا الشرق کا دعوی کر رہا ہے، غالب کہتے ہیں کہ حقیقت ہی یہ ہے کہ ھستے وہی ہے، اور تصوف سے قطع نظر کر لیجائے تو بھی یہ قول اظہر من الشمس ہے، جب ھستے کا ظہور اُسی کی قدرت سے ہے اور ھستے سے اُس کی ہستی نظر آتی ہے تو کسی قید کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ وسعت مضمون کے اعتبار سے غنیمت کے شعر کو غالب کے شعر سے کوئی نسبت نہیں غنیمت نے درجوش انا الشرق کہکر طوفانی کیفیت دکھا دی ہے تو مرزا نے ساز انا البحر کہکر شعر کو نغمہ کی موجوں میں ڈبو دیا ہے۔

متصوفانہ رنگ :۔ ایک بار یک فرق یہ بھی ہے کہ مرزا کا پہلا مصرعہ حقیقت یعنے عینیت کے چہرے سے نقاب اُٹھاتا ہے اور دوسرا مقام ظہور کی صورت سے۔

بلائے جان ہے غالب اُسکی ہر بات — عبارت کیا اشارت کیا ادا کیا

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم — کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجاست

آرگس :۔ اگرچہ بظاہر الفاظ میں فرق ہے، مگر مضمون دونوں ایک ہیں، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ غالب نے زیادہ صراحت سے کام لیا ہے۔"

سہا:۔ آرگس صاحب الفاظ اور صراحت کا فرق ہی تو بڑا فرق ہے
اور اِسی سے شعر تو اور دوسرے کی تعریفات سے نکل جاتا ہے"

بیخود:۔ امانی یا نظیری فرماتے ہین کہ معشوق کے سر سے لیکر پاؤن تک جہان بھی نظر پڑتی ہے، ادا دل کے دامن کو کھینچتی ہے کہ ارے ظالم تیری جگہ یہی ہے، یعنی معشوق سراپا جمال ہے، یہان ادا کو ذی روح قرار دیکر ایک چلتی پھرتی تصویر دکھا دی گئی ہے، اور اس مین شک نہین کہ ایسے شعر آیات کمال سے ہوتے ہین۔

مرزا کہتا ہے کہ معشوق کی عبارت (گفتگو، تقریر، تحریر، حسن خطاب، رد جواب وغیرہ) یا اشارت (خواہ چشم وابرو سے ہو، خواہ تقریر و تحریر مین) یا ادا ہو۔ ہر بات بلاے جان ہے، نظیری حسن و تناسب اعضا کے ثناخوان ہین جسے مرزا لفظاً بالکل چھوڑے دیتا ہے، مگر سامع کا ذہن اس کمی کو خود پورا کر لیتا ہے یعنے جس کی ہر بات یعنے عبارت اشارت۔ ادا بلائے جان ہو اُسکے باجمال ہونے مین کسی کافر ہی کو شک ہوگا، جو کچھ اس مصرعہ مین کہا گیا ہے ع کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجا ست" وہ سب غالب نے بلائے جان کے ٹکڑے مین بھر دیا ہے۔

ادا کا لفظ بھی اس محل پر کس قدر جامع واقع ہوا ہے اسلیے کہ ادا عام ہے جیسے دیکھنے کی ادا، سونے کی ادا، آنکھ ملانے کی ادا، آنکھ چرانے کی ادا، مسکرانے کی ادا، ہنسنے کی ادا، ہنسی روکنے کی ادا وغیرہ وغیرہ مصحفی کہتا ہے ؎

تنہا نہ لجانیکی ادا لے گئی دل کو ۔۔۔ مکھڑے کے چھپانے کی ادا لیگئی دل کو

مختصر یہ کہ معشوق کی ہر بات اور اُس کا ہر فعل ادا ہے۔

بندگی مین بھی وہ آزادہ و خودبین ہین کہ ہم ‏ ‏ اُلٹے پھر آئے درِ کعبہ اگر وا نہ ہوا

وقتِ عُرفی خوش کہ نکشودند چون در بر رخش ‏ ‏ بر درِ نکشودہ ساکن شد در دیگر نزد

آرگس:۔ غالب کہتے ہین کہ بندگی اور ذوقِ طاعت گزاری مین بھی ہم آزاد ہین، اگر کعبہ کا دروازہ بھی نہ کھلا تو واپس آگئے، عُرفی کا خیال ہے کہ درِ دوست نہ کھلا تو اُسی بند دروازہ کے پاس ٹھہر گئے، مگر دوسرے دروازہ پر نہین گئے، تقریباً ایک خیال دوسرے خیال کی ضد ہے"۔

سُہا:۔ اگر وفا اور خودداری آپس مین ضد و مقابل ہین تو یقیناً ایک خیال دوسرے کی ضد ہے، مگر آرگس صاحب وفا کی ضد بیوفائی اور خودداری کی ضد بے غیرتی، عرفی اپنے شعر مین ایک شان وفا اور غالب آن خودداری کا مضمون ادا کر رہا ہے"۔

بیخود:۔ ان اشعار کے متعلق حضرت سہا نے بہت سمجھ کر لکھا ہے۔

گلہ ہے شوق کو دل مین بھی تنگیِ جا کا ‏ ‏ گُہر مین محو ہوا اضطراب دریا کا

دلِ شوریدۂ ما شور دریا در نظر دارد ‏ ‏ گہر ز دیدہ است اینجا زبانِ موج دریا را

آرگس:۔ "تقریباً ایک مضمون ہے جس مین کوئی خاص فرق سوائے زبان کے نہین ہے"۔

سُہا:۔ فرماتے ہین کہ تقریباً ایک مضمون ہے جس مین کوئی خاص فرق سوائے زبان کے نہین چونکہ گُہر اور دریا کے استعارے دونون شعر مین

آ گئے، لہذا مضمون تقریباً ایک ہین۔

غالب شوق یا عشق کی وسعت طلبی بیان کرتا ہے کہ دل کی وسعت اس وسیع جذبہ کیلیے ناکافی ہے۔ اور اس کی مثال مین دوسرا مصرعہ پیش کرتا ہے۔ یعنے جس طرح موتی مین بوجہ عدم وسعت اضطراب دریا کی گنجائش باقی نہین رہتی، اُسی طرح میرے دل محدُود (تنگ) مین داعیاتِ شوق وعشق کی تکمیل نہین ہوسکتی۔

بیدل کہتا ہے کہ میرے دل مین تمام عالم امکان کے مدوجزر موجود ہین، جس طرح کسی جزو مین اپنے کل کے تمام خواص پائے جاتے ہین اُسی طرح ہر وجود ممکن مین تمام عالم امکان کے خصوصیات موجود ہین"۔

نیجخود: میرے خیال مین اسوقت تک دیوان غالب کی جتنی شرحین لکھی گئی ہین۔ یہ شعر کسی مین حل نہین ہوا۔ دل نہین چاہتا کہ ناظرین کرام شارحین علام کی نکتہ نوازیون سے محروم رہین۔ اسلیے مین اپنی شرح کا یہ مقام نقل کئے دیتا ہون

گلہ ہے شوق کو دل مین بھی تنگی جا کا — گہر مین محو ہوا اضطراب دریا کا

جناب طباطبائی:- "یعنی شوق دل مین سما کر تنگی جا کے سبب سے جوش وخروش نہین دکھا سکتا۔ گویا دریا گہر مین سما گیا کہ اب تلاطم باقی نہین رہا"۔

جناب حسرت موہانی اور جناب شوکت میرٹھی بھی بہ تغیر الفاظ یہی فرماتے ہین۔ ہان جناب واجد دکنی کا ارشاد قابل داد ہے۔ فرماتے ہین۔

"شاعر نے اس شعر مین شوق کو دریا سے اور دل کو گہر سے تشبیہ دی ہے

اور کہتا ہے کہ دریا یعنی شوق، گوہر یعنے دل مین محو ہوگیا، باوجود اسکے شوق تنگی جا کا گلہ مند ہے۔ حالانکہ دل کی وسعت معلوم ہے، کہ قلوب المؤمنین عرش اللہ تعالےٰ۔ عرش کی وسعت تمام آسمانون سے بڑھ کر ہے مگر پھر بھی گلہ باقی ہے، تو یہ غضب کا شوق ہے، اگرچہ سچا موتی جثہ اور مقدار مین چھوٹی چیز ہے، مگر قیمت مین گران ہوتا ہے، اسی طرح دل اگرچہ ظاہرًا ایک ذرا سی چیز ہے، مگر کمالات باطنی اور روحانی کے لحاظ سے ایک بہت بڑی اور وسیع چیز سمجھی جاتی ہے، اِس شوق کو تمام زمین آسمان کی گنجائش کافی اور مکتفی نہوگی۔

قائل کا مطلب یہ ہے کہ ہمارا شوق بے حد وحساب ہے، اس شعر مین اپنے شوق کی وسعت و فراخی کو بیان کرتا ہے مگر مرزا کا یہ طرز بیان اہل فصاحت کے پسند نہین ہو سکتا۔

دوسرے معنے اِس طرح ہو سکتے ہین کہ پہلا مصرعہ سالم استفہام انکاری مان لیا جائے یعنے شوق کو دل مین بھی تنگیٔ جا کا گلہ نہین ہے کیونکہ دل بحیثیت جثہ ایک چھوٹی چیز ہے اور گوہر سے مشابہ ہے جسطرح دریا کا اضطراب گوہر مین نہین ہوتا اُسیطرح شوق کا گلہ بھی دل مین نہین ہے، کیونکہ وہ تو یعنے شوق دل مین فنا ہوگیا، اضطراب دریا تلاطم امواج سے مراد ہے مگران معنون کو (بھی) کا لفظ مرجح ہے، یا بھی کو حشو سمجھ لیجئے کہ وزن کے لیے آگیا اور معنًا کوئی تعلق نہین رکھتا، مگر اِس صورت مین حشو قبیح ہوگا جو عیب ہے۔"

حضرت بیخود دہلوی ”مرزا صاحب تعجب کے لہجہ مین فرماتے ہین۔ شوق کو تنگی جا کا گلہ دل مین بھی ہے یہ بھی کا لفظ بتا رہا ہے کہ دل ایسی وسیع چیز ہے کہ دونون عالم اس مین سما جاتے ہین اور پھر خالی رہتا ہے باوجود اس وسعت کے شوق کو جگہ کی تنگی کا گلہ ہے، معلوم ہوتا ہے کہ شوق کی وسعت بھی دل کی وسعت سے کسی طرح کم نہین ہے۔ اب تنگی جا کا ثبوت ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہین گہر مین دریا کی روانی محو ہو گئی یعنی کوزہ مین دریا سما گیا، مگر بھچ جانے کے سبب سے موجون کی حرکت بند ہو گئی، دل کو گوہر سے اور شوق کو دریا سے تشبیہ دی ہے، جو بالکل نئی تشبیہ ہے، سچ ہے کہ اس مطلع مین دریا کو کوزہ مین بند کر دیا ہے اور لطف یہ کہ چستی بندش، تناسب الفاظ، طریق بیان (طرز ادا) مین فرق نہین۔ دونون مصرعہ ایک ہی سانچے مین ڈھلے ہوئے معلوم ہوتے ہین“۔

حضرت نظامی بدایونی:۔ ”شوق کو، اضطراب شوق کو، گہر مین محو ہوا اضطراب دریا کا۔ دریا گہر مین سما گیا۔ گوہر کو دل سے اور شوق کو اضطراب دریا سے مشابہت دی ہے“۔

خاکسار بیخود موہانی:۔ مجھے اس مطلب سے اتفاق نہین، اور اسکی دو وجہین ہین۔
(۱) موجودہ صورت کو اضطراب عشق کی مذمت کہہ سکتے ہین یعنے بیقراری شوق کچھ ایسی تھی کہ دنیا بھر سمٹ کر سہی، کسی نہ کسی طرح دل مین سما تو گئی اور اپنا سارا جوش و خروش کھو بیٹھی۔

(۲) نہ اُس مین اتنی وسعت تھی کہ دل اُسکا ظرف نہ بن سکتا، اور نہ اتنی قوت ہی تھی کہ ظرف تنگ مین بھر دیئے جانے کے بعد اُسے توڑ کر نکل آنے پر قدرت ہوتی یہ عام قاعدہ ہے کہ جب کوئی شے (خاصکر سیال شے) جو قوی بھی ہو مقدار مین بھی زیادہ ہو، کسی چھوٹے ظرف مین بھری جاتی ہے تو سماتی نہین، اور اگر سما بھی جائے اور ظرف کی مضبوطی سے اُس شے کی قوت زیادہ ہو تو ظرف کے ٹکڑے اُڑ جاتے ہین۔ شوق کا ظرف دل مین پورے طور پر سما جانا اُس کی وسعت کے خلاف اور اُسے توڑ کر نکل نہ آنا اضطراب کے منافی ہے، فافہم۔

اور اگر مرزا کو یہی کہنا ہوتا جس مین اتنی خرابیان موجود ہین تو یون فرماتے ؎

گلہ ہے شوق کو بھی دل مین تنگیٔ جا کا　　　گہر مین محو ہوا اضطراب دریا کا

یعنے جس طرح دریا کو گہر مین اضطراب کا موقع نہ ملنے سے تنگیٔ جا کی شکایت ہے اسیطرح اضطراب شوق کو دل مین۔

مایۂ ناز دہلی حضرت بیخود بالقابہ کا یہ خیال بھی صحیح نہین ہے کہ گہر اور دل کی تشبیہ نئی ہے اس قول کو بیدل کا یہ شعر باطل کئے دیتا ہے ؎

دل آسودۂ ماشور دریا در نظر دارد　　　گہر دزدیدہ است اینجا زبان موج دریا را

اب مجھے حضرت آسی اور جناب سُہا (شارحین دیوان غالب) سے کچھ عرض کرنا ہے۔ حضرت آسی فرماتے ہین۔

"میرا شوق اتنا زیادہ ہے کہ اُس کو میری تنگدلی کی شکایت ہے، یہ واقعہ ایسا ہے کہ جیسے ایک موتی مین تمام دریا سما گیا، مگر یہ مضمون مرزا عبدالقادر بیدل عظیم آبادی کے یہان یون بندھا ہوا ہے صفائی

وغیرہ وہان بھی نہین ہے، مگر ہم مضمون ہونے کی وجہ سے شعر لکھتا ہون

دل آسودۂ ما شور دریا در نظر دارد　　گہر دزدیدہ است اینجا زبان موج دریا را

یعنی ہمارا دل جس کو تو آسودہ دیکھتا ہے اُس مین ایک عالم کا شور سمایا ہوا ہے گویا موتی مین دریا بھر کا اضطراب ہے"

التماس بیخود موہانی۔ اس فاضل شارح نے کچھ اس طرح دونون شعرون کا مفہوم بیان کر دیا ہے بیساختہ پیار آتا ہے، اس پر غضب یہ کیا کہ دونون کو ہم مضمون بھی کہہ دیا۔ اور بیدل کے شعر کا مطلب تو اس طرح سلجھا کر لکھ دیا کہ سُخن فہمی بلائین لے نکتہ سنجی صدقے ہو۔ حالانکہ بیدل علیہ الرحمہ صاف صاف کہتے ہین:۔

ہمارا نفس مطمینہ (دل آسودہ) عالم امکان کے تمام شور و شر نظر مین رکھتا ہے، عجب تماشا ہے کہ موتی نے موج دریا کی زبان چُرالی ہے یعنے جو لوگ ہنگامۂ ہستی کے شور و شر مین خود اُلجھے ہوئے ہین وہ اُسکے سمجھنے سے قاصر ہین۔ اسے ہم لوگ (صاحب نفس مطمینہ) خوب سمجھتے ہین اور ہمین اسے بیان بھی کرسکتے ہین، اسکے بعد حیرت سے کہتا ہے کہ عجیب بات ہے کہ یہ موتی (دل آسودہ) موج دریا کی زبان بن گیا، یعنے بالعموم سمندر کے تلاطم کا حال موجون سے معلوم ہوتا ہے، لیکن یہان موتی (جس مین شوریدگی کے بجائے آرمیدگی ہے) طوفان کی حالت ظاہر کر رہا ہے، اب اہل انصاف نظر فرمائین کہ ایسے دو شعر جن مین صرف گہر اور دریا مشترک ہے کہان تک ہم مضمون کہے جانیکے قابل ہین۔ اور بیدل کے شعر مین صفائی نہین کہ جدت نہین، بلندی نہین کہ لطافت نہین، مختصر یہ کہ کیا نہین ہے۔

اہل خبر جانتے ہین کہ "غالب بے نقاب" کی بنیاد اُن الہامات پر رکھی گئی ہے

جن کا جلوہ صحیفہ آسی (شرح دیوان غالب) مین نظر آتا ہے، صرف اتنا فرق ہوگیا ہے، جتنا انسانی آواز اور قرنا کی صدا مین ہوتا ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ اب یہ آواز کچھ زیادہ ہیبتناک اور زیادہ سامعہ خراش ہوگئی ہے، ہم جناب آرگس کو جانتے ہین مگر جب اُنھون نے خود آرگس کا روپ بھرا ہے تو پردہ دری کچھ ضرور نہین۔ اور عجب نہین جو یہ پردہ اسی روز بد کے خوف سے اختیار فرمایا گیا ہو۔

مگر کیا کہنا جناب سہا کا۔ حضرت آرگس نے دل آسودہ کو دل شوریدہ سے بدل دیا تھا اِس فارسی مضمار نکتہ نوازی نے اشہب خامہ کو اسی میدان مین گرم جولان کر دیا اور فرما دیا کہ بیدل کہتا ہے کہ:۔

"میرے دل مین تمام عالم امکان کے مد و جزر موجود ہین جس طرح کسی جزو مین اپنے کل کے تمام خواص پائے جاتے ہین اُسی طرح ہر وجود ممکن مین تمام عالم امکان کے خصوصیات موجود ہین۔"

اس مین شک نہین کہ یہ مطلب اسقدر سلجھا کر لکھا ہے کہ سرسری نظر مین غلطی کا احتمال بھی نہین ہوتا، مگر اُن کو دیکھنا چاہیے تھا کہ اگرچہ دل شوریدہ اور قلزم طوفانی عالم امکان مین مشابہت ہے لیکن گھر سے اُسکا استعارہ غلط ہے اور کسقدر غلط، اسلیے کہ گھر مین آسودگی ہوتی ہے شوریدگی نہین ہوتی۔

اب مین مرزا کے شعر کا وہ مطلب عرض کرتا ہون، جس کی طرف کسی شارح کی نظر نہین گئی اور جو نہایت صاف ہے اور جس پر کوئی اعتراض نہین ہوتا۔

حل:۔ شاعر حیرت و استعجاب کے لہجہ مین کہتا ہے کہ اضطراب دریا تو گھر مین سماتا ہے مگر اضطراب شوق کو دل مین بھی تنگی جا کی شکایت ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ شاعر نے نظر ڈالی تو سب سے زیادہ مضطرب، سب سے پُرہیجان طوفان خروش چیز دریا (سمندر) کو پایا، اُسکے اضطراب، اُسکے جوش و خروش کا مقابلہ اضطراب شوق (عشق) سے کرکے ایک کو انتہا کا پست دوسرے کو انتہا کا بلند دکھا دیا، ظاہر ہے کہ بجلی کی تڑپ اگرچہ ضرب المثل ہے مگر اُس مین یہ بات کہان ابھی تڑپی ابھی غائب، مگر دریا کا اضطراب آٹھ پہر چونسٹھ گھڑی رہتا ہے، اُس کی روانی کبھی رُکتی نہین، پھر جوش و خروش کا جو منظر دریا مین نظر آتا ہے وہ بجلی مین کہان۔

مرزا کہتا ہے کہ اضطراب دریا کو اضطراب شوق سے کیا نسبت اضطراب دریا کی بساط صرف اتنی ہے کہ ادھر دریا (پانی) نے موتی کی صورت اختیار کی۔ اُدھر اُسکا اضطراب (جو خاصۂ طبعی کی حیثیت رکھتا ہے) کافور ہوگیا، اگرچہ موتی مین گنجائش ہی کتنی ہے، اُسکے مقابلہ مین اضطراب شوق کی وسعت دیکھئے کہ دل ایسے مقام مین بھی تنگی جا کا شاکی ہے، جس کی وسعت کا یہ عالم ہے اُس مین صرف کونین ہی نہین جلوہ ہائے ربانی بھی سما سکتے ہین ؎

ارض و سما کہان تری وسعت کو پا سکے میرا ہی دل ہے وہ کہ جہان تو سما سکے

(خواجہ میر دردؔ علیہ الرحمہ)

ہنوز محرمی حسن کو ترستا ہون غالب کرے ہے ہر بُن مُو کام چشم بینا کا

درہر بُن مُو کہ می نہی گوش فیضی فوارۂ فیض اوست درجوش

آرگس:۔ غالب کا خیال ہے کہ ہر بُن مُو چشم بینا بن گیا ہے، مگر مین ابتک محرم نہین ہوا فیضی کہتا ہے کہ ہر بال ایک فوارہ جوشان فیض الٰہی ہے

اور بنائے اشتراک خیال بُن مُو پر رکھی گئی ۔"

سُہا ۔ جناب آرگس بعد شرح اشعار کہتے ہین کہ بنائے اشتراک خیال بُن مو پر رکھی گئی ہے یعنے آرگس صاحب کے نزدیک چونکہ ہر دو شعار مین بُن مُو موجود ہے لہذا دونون شعرون کا مفہوم بھی ایک ہوگا ، مگر لفظ بن مُو دونون شعرون مین ایک ہی مفہوم پر استعمال نہین کیا گیا ہے فیضی کے یہان واقعی لغوی مفہوم مین آیا ہے ، لیکن غالب کے شعر مین محاورہ ہے جس کے معنے ہمہ تن کے ہین مضمون کا فرق یہ ہے کہ غالب کہتا ہے کہ ہمہ تن چشم بینا ہو جانے پر بھی نظارہ حسن سے کماحقہ محروم ہون ۔

فیضی کہتا ہے کہ کائنات کا ایک ایک ذرہ فیوض غیب سے طوفان بکنار ہے ۔"

بیخود ۔ جناب سُہا نے غالب اور فیضی کے اشعار مین جو فرق بیان کیا وہ صحیح ہے ، مین اتنا اضافہ اور کرنا چاہتا ہون کہ غالب کے شعر مین محرم کی لفظ لاجواب ہے محرم وہ ہے جس سے پردہ نہو ، یعنی سراپا چشم بینا بن گیا ہون ۔ پھر بھی ذات الٰہی جو حُسن مجسم ہے میری نظرون سے پنہان ہے

مین اور بزم مے سے یون تشنہ کام آون شَ	غالب	گر مین نے کی تھی توبہ ساقی کو کیا ہوا تھا
من اگر توبہ نمے کردہ ام اے سرو سہی	(بیگی ۔ دختر امیر علی جلائر)	تو خود این توبہ نکردی کہ مرا مے نہ ہی
چہ شد از توبہ اگر دامن خشکے دارم	شیخ علی حزین	پیش ابر کرم پیر مغان این ہمہ نیست

جناب آرگس: بجنسہ یہ خیال بیگی کے شعر سے ملتا ہے، رہا علی حزین کا شعر وہ بھی کچھ زیادہ دور نہین ہے غور کرنے پر اُسی منزل پر جا پہونچتا ہے۔"

بیخود: مین پہلے جناب آرگس کے پیش کردہ اشعار سے بحث کرونگا، پھر اپنی شرح غالب غیر مطبوعہ کی نقل حاضر خدمت کرونگا، فیصلہ ارباب نظر فرمالینگے۔

بیگی

من اگر توبہ زمے کردہ ام اے سرو سہی	تو خود این توبہ نہ کردی کہ مرا مے نہی

یعنی تو خود کیون نہین پلا دیتا۔

اگرچہ لب جویبار بھی متعلقات مے کشی سے ہے جہان سرو کی باڑھ قدرتاً ہوتی ہے یا لگائی جاتی ہے، مگر یہان ساقی اور معشوق کو سرو سہی کہہ کر شاعر نے کوئی فائدہ نہین اُٹھایا اور یہ ٹکڑا شعر کو مطلع کرنے کے شوق مین رکھا گیا ہے اور برائے بیت ہے، پھر بھی ایمان کی یہ ہے کہ بیگی کا شعر آب زر سے لکھنے کے قابل ہے، اس شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس رند کے توبہ کرنے کا علم ساقی کو تھا جب وہ اُسے دور مین چھوڑ کر آگے بڑھا ہے تو اُس نے مذکورہ بالا مضمون ادا کیا ہے، اس حالت مین ساقی سے نگاہون کے ملنے اور شکوہ کرنے کے انداز نے (جس کا تصور ہونے لگتا ہے) بڑا مزہ پیدا کر دیا ہے۔

(حزین)

چہ شد از توبہ اگر دامن خشکے دارم	پیش ابر کرم پیر مغان این ہمہ نیست

اگر توبہ کی وجہ سے میرا دامن خشک ہے تو ہو، پیر مغان کے ابر کرم کے سامنے یہ کونسی بڑی بات ہے جب بھی لہر آگئی توبہ ٹوٹ جائے گی، اور پھر مین ہونگا اور

میکشی کے مزے"

نکتہ: جب انسان توبہ کرتا ہے اور زاہدانہ خیالات اُسکے دل مین موجزن ہوتے ہین۔ تو اُسے زمانۂ رندی کی تمام حالتین (مثلاً دامن کا آلودہ شراب ہونا، بدمستی مین اُٹھ اُٹھ کر گرنا، اور گر گر کے اُٹھنا) نہایت نفرت انگیز معلوم ہوتی ہین، مگر جب پیمانۂ صبر لبریز ہوجاتا ہے اور دل مین شکست توبہ کا خیال قیامت برپا کردیتا ہے، تو اُسے زندگی زاہدانہ کی تمام ادائین رہبر معلوم ہونے لگتی ہین اور اُس کا دل چاہنے لگتا ہے کہ مین پھر شراب مین نہاتا، پھر میرے دامن پر شراب کے دھبے نظر آتے مین پھر رندون کے جگھٹے مین بیٹھتا وغیرہ وغیرہ حزین کے دل مین یہ حسرت کیفیت قیامت برپا کررہی ہے، اب تائب ہوکر پچتا رہے ہین اور توبہ ٹوٹا ہی چاہتی ہے

غالب

مین اور بزم مے سے یون تشنہ کام آؤن
گر مین نے کی تھی توبہ ساقی کو کیا ہوا تھا

وجوہ بلاغت اس شعر مین کئی ٹکڑے معنے خیز ہین۔

مین اور، اس سے سمجھ مین آتا ہے کہ یہ میکش دھاوت کا پینے والا ہے۔ اسکے فضائل رندانہ سے ساقی اور رندونکا سارا گروہ خوب واقف تھا، یہ وہ تھا جس کی رندی پر لوگ ایمان لاچکے تھے، جس پر ساقی کی خاص نظر عنایت تھی، جسے شراب نہ ملنے سے اتنی تکلیف ہوئی جتنی ہر رند کو نہ ہوتی اور جسے شراب نہ ملنے کی تکلیف کے ساتھ ساتھ رندون مین اپنی بے آبروئی پر خشمگین ہونے کی بھی اذیت ہے وغیرہ وغیرہ۔

یون، سے سننے والے کی نظر مین ایسے رند ناکام کی تصویر پھرجاتی ہے جسے

اپنی ناکامی پر انتہا کا ملال۔ حسد کا غصہ ہو، اور تکلیف خمار جس کی جان لیے لیتی ہو،
جسے جماہی پر جماہی، انگڑائی پر انگڑائی آرہی ہو جس کی رگین ٹوٹ جانے پر تیار جسکی
نبضین چھوٹ جانے پر آمادہ ہون، رنج ناکامی و بے آبروئی سے جسکے پاؤن من من
بھر کے ہو گئے ہون جس کا سر تکلیف خمار سے اُٹھتا نہ ہو، اسکے سوا کس مپرسی
کی تصویر بھی سامنے آجاتی ہے کہ رند تو رند ساقی نے بھی بات نہ پوچھی جس کی حالت
میزبان کی سی ہوتی ہے۔

تشنہ کام، سے حلق و زبان کے کانٹون کا تصور ہونے لگتا ہے جو شدت تشنگی
کا ترجمان ہے۔

آؤن سے بزم شراب مین تشنہ کام مگر دل پر اُمید لیے ہوئے جانے اور
لب تشنہ اور دل مایوس لیے ہوئے پلٹنے کی حالت آئینہ ہو جاتی ہے۔

بزم شے، اس ٹکڑے نے بھی سارے شعر مین زور پیدا کر دیا ہے۔ اگر تنہائی
مین ساقی نے یہی برتاؤ کیا ہوتا تو ناگوار ضرور ہوتا مگر نہ اتنا۔

دوسرے مصرع مین کہتا ہے کہ مین نے تو شراب اسلیے نہ مانگی کہ توبہ کر چکا تھا
آخر ساقی نے ضیافت کیون نہ کی یعنے اس ظالم کی سمجھ مین یہ نہ آیا کہ رندون کی
توبہ ہی کیا، اور اگر اسے پینا نہ ہوتا تو رندون کے جھگڑے مین آتا ہی کیون، ہمارا مقصد
یہی تھا کہ توبہ کی لاج رہے اور رند پلا دین، یہان رندون کا ذکر کیا، ساقی کمبخت نے
بھی جھوٹون نہ پوچھا، اور ظالم کی زبان سے اتنا بھی نہ نکلا کہ اجی پیتے بھی جاؤ۔

ساقی کو کیا ہوا تھا، اسکے بہت سے مفہوم ہو سکتے ہین، صرف لہجہ مین تغیر
پیدا کرنے کی ضرورت ہے مثلاً:۔

(۱) کیا اُسنے بھی توبہ کی تھی۔ اِس مفہوم کو بیگی نے یون ادا کیا ہے ع:-

توخود این توبہ نہ کردی کہ مراسے ندہی

(۲) کیا ہوش مین نہ تھا۔

(۳) اتنا اتراتا کیون ہے۔

(۴) حیرت ہے کوئی وجہ سمجھ مین نہین آتی۔

(۵) حریفون کی دراندازی تو اسکا سبب نہین ہے۔

(۶) سمجھینگے، انتقام لینگے۔

(۷) اُسپر میرا احترام واجب تھا۔

(۸) اللہ ری بیدردی، اللہ ری سنگدلی۔

(۹) رندون کی حالت کا صحیح اندازہ رکھتے ہوے ایسی غلطی

(۱۰) کیا مجھے دیکھا نہین۔

(۱۱) کیا میرے توبہ کرنے پر خفا ہے۔

(۱۲) کیا مجھ سے رنجیدہ ہے اور یہ وہ حالت ہے جو رندون یا عاشقون سے دیکھی نہین جاتی۔

(۱۳) کیا کسی خیال مین تھا، وغیرہ وغیرہ۔

اب ہر صاحب ذوق فیصلہ کرسکتا ہے کہ بیگی اور حزین کے شعر ملکر بھی مرزا کے شعر کا پاسنگ نہین ٹھہرتے اور یہ سرقہ ہو نہین سکتا، اِسے توارد کہہ نہین سکتے، ہو یون کہ اِن سب نے ایک ہی عنوان (مبحث) پر قلم اُٹھایا ہے اب جسے خدا دے۔

(غالب)

مرنے کی اے دل اور ہی تدبیر کر کہ مین
شایانِ دست و بازو قاتل نہیں رہا

(فیضی)

یہ شعر نظیری کا ہے

آن شکارم من کہ ہم لائق بکشتن نیستم
شرم می آید مرا از آنکس کہ صیاد من است

آرگس :- بنائے خیال دونون شعرون مین یہان سے شروع ہوئی ہے فیضی کہتا ہے مین ایسا شکار ہون کہ مار ڈالنے کے قابل نہین ہون ، اسوجہ سے مجھے اپنے صیاد سے شرم آتی ہے ، غالب بھی یہی کہتے ہین کہ مین اس لائق نہین کہ مجکو وہ ہلاک کرے ، لہذا کوئی اور تدبیر کرنی چاہیے

بیخود :- علامہ فیضی کا شعر سادہ سادہ ہے ، فرماتے ہین کہ مین صید زبون ہون جو اس قابل بھی نہین کہ کوئی اُسے مار ہی ڈالے ، ہم کا لفظ بتاتا ہے کہ شوق سے پالنے کے قابل ہونا تو درکنار اور صدقے مین اُترنے کے لائق ہونا تو بہت دور ہے مین اس کا بھی اہل نہین کہ کوئی مجھے ذبح کر ڈالے ۔ مجھے اپنے صیاد سے شرم آتی ہے یعنی مین اپنے صیاد کا احسانمند ہون کہ گو مین ایسا صید ہون پھر بھی اُسنے مجھے اپنے کرم سے صید کیا یہ معشوق کی ذرہ نوازی تھی جو مجھے صید کرنے کے قابل سمجھا ، انسان کے دل مین ایسی باتین ایسے وقت آتی ہین جب اُس کی قدر ایسی کیجائے کہ وہ خود کو اُس کا اہل نہ سمجھتا ہو ۔ اُسکے دل مین خود شناسی کا مادہ موجود ہو اور وہ قدر اُس مین غرور نہ پیدا کر سکے ۔ یہ جذبہ شریفانہ ہے ، ناکس ایسے برتاو سے اپنے آپکو

بھول جایا کرتے ہین۔

غالب کے شعر سے یہ بات نہین معلوم ہوتی کہ قاتل نے اُسے قتل کرنیکے قابل نہین سمجھا، بلکہ وہ خود اپنے دل سے کہہ رہا ہے (اسلیے کہ دل انسان کے ہر گناہ ہر ثواب سے اتنا واقف ہے کہ علام الغیوب کے سوا اُس سے زیادہ کوئی واقف ہو نہین سکتا) کہ اب مرنے کی کوئی اور ہی تدبیر کر (جیسے زہر کھاکر مرجانا، ڈوب مرنا وغیرہ) اسلیے کہ اب مین اس قابل نہین رہا کہ وہ مجھے اپنے ہاتھ سے قتل کرے، اور اس قابل نہ رہنے کی کوئی وجہ خود نہین بتاتا، سامع جو چاہے سمجھ لے، کون مانع ہے کہ اس کا سبب بے حوصلگی و بے دلی نہو، انسان تجربہ سے قبل اپنے کو بڑے سے بڑے کام کا اہل سمجھتا ہے، مگر جب اپنی کم جراتی اور کم حوصلگی کا امتحان کرلیتا ہے تو دل مین پانی پانی ہوتا ہے اور اگلے دعوے مٹجاتے ہین، علاوہ اسکے کوئی ایسا گناہ اُس سے سرزد ہوگیا ہو جو کیش محبت مین بخشے جانے کے قابل نہو مثلاً ممکن ہے کہ غیر معشوق کا خیال محبت کے ساتھ دل مین آیا ہو، جفائے یار پر ترک محبت کا ارادہ ہوا ہو، معشوق پر جان نثار کرنیکا موقع آیا ہو، اور جان عزیز کیگئی ہو، یہ شعر بلندی فطرت کی تصویر ہے کہ کسی خطا یا ترک اولی کی بنا پر وہ اب اپنے کو شایانِ دست و بازو قاتل نہین سمجھتا،

بلندی فطرت کی شان فیضی کے شعر مین بھی نکلتی ہے، مگر بلندی فطرت کے بھی مدارج ہین فیضی کا شعر غالب کے شعر کو نہین پہنچتا، اور ان تمام مطالب پر جس کا ذکر کیا گیا صرف "نہین رہا" کا ٹکڑا دلالت کرتا ہے یعنے اب سے پہلے اس قابل تھا۔

(۲) اور ہی تدبیر کر۔ کچھ کھاکے سو رہ، اور جتنی صورتین خودکشی کی ممکن ہین سب پر یہ ٹکڑا حاوی ہے۔

مولانا آرگس بیخود ناشاد کا یہ شعر پڑھیے، شاید غالب کا شعر سمجھ مین آجاے ؎

ہان یہ تیرے خیال کے قابل نہین رہا   بیخود موہانی   اس دل مین رہ چکی ہے تمنا گناہ کی

ہم کہان کے دانا تھے کس ہنر مین یکتا تھے   غالب   بے سبب ہوا دشمن غالب آسمان اپنا

از من بگیر عبرت و کسب ہنر مکن   عرفی   با بخت خود عداوت ہفت آسمان مخواہ

آرگس :- ہنرمندی پر آسمان کا دشمن ہونا دونون شعرون مین موجود ہے، یہی بنائے اشتراک خیال ہے"

بیخود :- آسمان ہنر والون کا دشمن ہے، یہ امر مشہورات و مسلمات سے ہے اور مسلمات کسی کی ملک نہین ہوا کرتے، مولانا یہ وہی چیز ہے جسے اہل فن غرضے از اغراض یا اُسکے حکم مین قرار دیتے ہین، دیکھنا یہ چاہیے کہ ایک مشہور بات سے کس نے کام لیا کیا
عرفی کہتا ہے کہ میری حالت سے سبق لو اور کسب ہنر نہ کرو، ورنہ ساتون آسمان تمہارے دشمن ہو جائینگے، عُرفی نے اپنی حالت کی طرف متوجہ کرکے اس قول مشہور کی صداقت ذہن نشین کرانا چاہی ہے، اور اُس مین کامیاب ہوا ہے، ظاہر ہے کہ ایک اہل ہنر کی پریشان حالی خود جو اثر دیکھنے والون پر کرتی ہے، اتنا اثر محض اُسکا حال بیان کردینے سے نہین پڑ سکتا۔

اب غالب کے شعر پر نظر فرمائیے، وہ کہتا ہے کہ ہم نہ عقلمند تھے نہ عالم نہ کسی ہنر مین یکتا، آسمان نے ہم سے بے وجہ دشمنی کی۔ اس شعر مین دو پہلو ہین، اور وہ عرفی سے بالکل الگ جا رہا ہے۔

(۱) اس قول کی شہرت بے بنیاد ہے، ہماری حالت دیکھ لو ہم سراپا بے ہنر ہی

ہین اور پھر آشفتہ حال ہین، اور یہ قول واقعیت سے دست وگریبان ہے، روزمرہ کے مشاہدے اس پر شاہد ہین کہ جس طرح اہل ہنر تباہ رہتے ہین، خدا کے لاکھون بے ہنر بندے در بدر خاک بسر پھرتے ہین، اہل ہنر کی پریشان حالی زیادہ نمایان نظر آتی ہو جس کا سبب یہ ہے کہ اُن کے ہنر اور اُن کے کمال پر دنیا کی نگاہین پڑتی ہین، اسیلیے اُن کی آشفتہ حالی کا رونا زیادہ رویا جاتا ہے، علاوہ برین وہ خود اپنی حالت زار کا ماتم کیا کرتے ہین، اور اُن کی آواز جس مین زور کمال ہوتا ہے فضا مین گونجتی ہے، اور زمانہ اُسکو فریاد بے ہنر کی طرح فنا کر دینے کی قدرت نہین رکھتا۔

(۲) دوسرا پہلو زیادہ لطیف ہے وہ یہ کہ شاعر کو باوجود کمال اپنے مین کوئی علم کوئی ہنر نظر نہین آتا، اور حقیقت مین یہی دلیل کمال ہے، حکیم سقراط کی حالت جس کی شاہد ہے، شاعر کو حیرت انگیز ہے کہ پھر ایسی حالت مین آسمان میرا دشمن کیون ہو۔

پوچھتے ہین وہ کہ غالب کون ہے　　غالب　　کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائین کیا

ز مردم یار می پرسد کہ عالی کیست طالع بین　　عالی　　کہ عمرم در محبت رفت و کار آخر رسید اینجا

آرگس :۔ اگرچہ پہلا مصرع بالکل ملتا جلتا ہے، مگر مضمون بالکل عام اور پیش پا اُفتادہ ہے، جو ہر شخص کے ذہن مین آسکتا ہے۔"

بیخود :۔ جناب آرگس کیخدمت مین گذارش ہے کہ جب مضمون عام ہے تو پھر اِس شعر پر التفات فرمانے کی ضرورت کیا تھی آپ فرمائینگے کہ توارد کی کثرت دکھانے کے لیے تو مین عرض کرونگا کہ بندہ نواز! شعر دو مصرعون کا ہوتا ہے اگر صرف ایک مصرع ملتا جلتا ہے تو اسے توارد کہنا کہان تک روا ہے، علاوہ برین اِس مضمون کو عام کہنا بھی اُسرسر

ظلم ہے، اسلیے کہ ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ عمر بھر محبت کرنے والے کو معشوق پہچانے تک نہین، مین دونون شعرون کا فرق نہایت واضح طور پہ بیان کیئے دیتا ہون۔

معشوق لوگون سے پوچھتا ہے کہ یہ عالی کون ہے مین نہین جانتا، عالی (عاشق) اپنے کسی ہمراز سے اس واقعہ کو نقل کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میری بدنصیبی دیکھ کہ ساری عمر محبت کرتے اور جان دیتے گزر گئی، اور انجام یہ ہوا کہ وہ مجھے آج تک پہچانتے بھی نہین۔

اِس شعر مین اپنے ہمدرد سے "طالع بین" کہ عمرم در محبت رفت و کار آخر رسید اینجا" کہتے وقت نگاہون سے ٹپکتی ہوئی مایوسی اور کم طالعی کے رنج سے چہرے کے اُڑے ہوے رنگ کا نقشہ آنکھون مین پھر جاتا ہے اور بیان واقعہ مین شان واقعہ پیدا ہوجاتی ہے اور اِس مین شک نہین کہ شعر کا اثر کہین سے کہین جا پہنچتا ہے، عالی کا شعر معشوق کی بیگانہ وشی و بے اعتنائی اور عاشق کی بے دست و پائی کا مرقع ہے اب دیکھنا چاہیے کہ غالب کے شعر مین اسکے سوا کچھ اور بھی ہے یا نہین ؎

پوچھتے ہین وہ کہ غالب کون ہے
کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائین کیا

اِس شعر مین "پوچھتے ہین وہ" کو اس ٹکڑے سے ملا کر دیکھیے "کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائین کیا" تو صاف نظر آئیگا کہ یہ بھی اس شعر سے سمجھ مین آتا ہے کہ معشوق نے کسی اور سے یہ سوال کیا، اور یہ بھی سمجھ مین آتا ہے کہ خود عاشق ہی سے براہ راست پوچھا ہے، عالی کے یہان "زمردم یار می پرسد" یعنی معشوق صرف اور لوگون سے پوچھتا ہے۔ غالب کے یہان معنی مین اتنی زیادتی تو ہین موجود ہے۔

اِس شعر سے معشوق کی بیگانہ خوئی و بے اعتنائی اور عاشق کی شرمندگی و بیدست و پائی (یہ باتیں عالی کے شعر میں بھی پائی جاتی ہیں) کے علاوہ محبوب کی ستم ظریفی، بلندیٔ مرتبہ اور عاشق کی حالتِ زار اور اثر طول فراق و گرفتاریٔ فریبِ محبت و یاس و غضب وغیرہ بھی صاف نظر آتا ہے۔

"کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا" سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ بھری محفل میں ہو رہا ہے۔ ایسی حالت میں یہ سوال سُنا ہے تو بجلی سی گری ہے اور گھبرا کر اُس مجمع کی طرف خطاب کرتا ہے کہ للّٰہ بتاؤ تو میں کیا جواب دوں، شعر کا شعر بیان واقعہ نہیں واقعہ ہے۔ وہاں "طالع میں" سے مایوسی ٹپکتی تھی، تو یہاں "کوئی بتلاؤ" سے حیرانی اور دل میں چھپی ہوئی مایوسی برستی ہے۔

عالی اور غالب دونوں کے اشعار میں یہ مفہوم مشترک ہے ؎

امروز عیاں شد کہ نداری سرِ اہلی   بیچارہ غلط داشت بہر تو گمانہا

ترجمہ: آج معلوم ہوا کہ تجھے اہلی کا خیال بالکل نہیں اُس غریب کو تیری محبت سے کیا کیا گمان تھے۔

معشوق جان بوجھ کر انجان بن رہا ہے، جو ایک طرح کی چھیڑ بھی ہو سکتی ہے، مگر عالی کے شعر میں اس کی گنجائش نہیں۔ زمانہ فراق نے اسقدر طول کھینچا ہے، اور صورت ایسی بدل گئی ہے کہ وہ پہچانتے ہی نہیں۔

بالالتزام یہ بھی نکلتا ہے کہ جب تک معشوق نے اسکے متعلق پوچھا نہ تھا عاشق کو خبر نہ تھی کہ میری حالت ایسی متغیر ہے۔

ایک خوبصورت پہلو اور بھی ہے۔ یعنی معشوق نے پوچھا ہے تو دل میں آتا ہے کہ

یہ کہہ دون۔ ع آپ کی جان سے دور آپ پہ مرنے والے

پھر یہ کہتے ہوئے ڈرتا ہے کہ کہین بنتا ہوا کام بگڑ نجائے، اسی گھبراہٹ مین اُس کے حاشیہ نشینون سے پوچھتا ہے کہ تم لوگ مزاجدان ہو بتاؤ کہ جواب مین کیا کہون۔

اب میرے خیال مین دونون شعرون کا فرق صاف ظاہر ہوگیا ہے، ایسے اشعار کو توارد کی کارفرمائی سمجھنا اور سمجھانا سخت گناہ ہے، بہ اعتبار اختصار بھی مرزا کے شعر کو ترجیح دینی چاہیے:۔

نکتہ:۔ یاد رکھنا چاہیے کہ رفتہ رفتہ دلبری و دلربائی معشوق کا شیوہ ہوجاتی ہے اُن کی ہر بات، اُن کی ہر نگاہ ادا ہوجاتی ہے، بے ارادہ لگاوٹ اپنے کرشمے دکھاتی ہے اور گرفتاران دام محبت فریب وفا و محبت مین گرفتار رہتے ہین، جب اُن کی طرف سے حق محبت کا اظہار ہوتا ہے تو ایسے جواب ملتے ہین کہ بے اختیار زبان سے نکل جاتا ہے ؎

امروز عیان شد کہ نداری سر اہلی بیچارہ غلط داشت بھر تو گما تھا

کون ہوتا ہے حریف مے مردافگن عشق غالب ہے مکرر لب ساقی پہ صلا میرے بعد

گردفنا شد حریفان بزم عشق لا اعلم برخاک ریز جرعۂ مردآزمائے ما

آرگس :۔ "مے مردافگن اور جرعۂ مردآزما شارکت خیال کا سبب ہین اور خیال بھی تقریباً یکسان ہین، مرزا فاخر مکین کا بھی یہی مضمون ہے

زن سیرتان دور جہان را خبر کنید

ساقی گرفت جرعۂ مردآزمائے ما"

سہا:۔ اسکے (شعر غالب) مقابلہ مین دو دور از کار اشعار پیش کئے گئے ہین، جن مین محض الفاظ (ترکیب) مرد آزما ہونے کی وجہ سے طبع آزمائی فرمائی گئی ہے، مطلب سے حسب عادت کوئی سروکار نہین "

بیخود:۔ پہلے تہ کو مین سے بدل لیجیے، جناب آرگس کی تو وہی حالت ہوگئی جیسے مُلّا جامی نے اپنے لاجواب مطلع مین ظاہر کیا ہے ع

ہر کہ پیدا می شود از دور پندارم توئی

لفظ کی جھلک غلط انداز نگاہ سے دیکھی اور سرقہ یا توارد کی تان لگائی، جناب سُہا کے جواب کا انداز بھی سوال سے کچھ کم دلکش نہین۔

مطلب سے کچھ سروکار نہین، اتنا کہا اور حق جواب ادا ہوگیا، اب مین نفس مطلب بحث کرتا ہون۔

"مے مرد آزما" وہ شراب جس سے مردون کا امتحان لیا جاسکے یعنی جسے وہ اُلٹ نہ دے وہ مرد ہے۔

"مے مرد افگن" مردون کو زیر کرنے والی شراب

"لا اعلم" گرد فنا شدند الخ

مریضان بزم عشق گرد فنا (خاک ہوگئے) ہوگئے۔ اے ساقی اب آرہی۔ (عشاق کامل میکشان کامل) مرد آزما شراب زمین پر لنڈھا دے۔ یعنے اب اس کا کوئی پینے والا نہین رہا۔

زن سیرتان دورِ جہان را خبر کنید
ساقی گرفت جرعۂ مرد آزمائے ما (مرزا فاخر)

دور دنیا کے بودون سے کہدے کہ ساقی نے اب ہماری مردآزما شراب اُٹھائی ہے یعنی کہین بھول کر بھی جرات نہ کر بیٹھنا ورنہ خیر نہو گی۔

—— ﴿ غالب ﴾ ——

کون ہوتا ہے حریفِ مے مرد افگن عشق ۔۔۔ ہے مکرر لبِ ساقی مین صلا میرے بعد

(۱) میرے مر جانیکے بعد ساقی بار بار کہتا ہے کہ ہے کوئی جو عشق کی مرد افگن شراب کا حوصلہ رکھتا ہو، اِس مین اتنا ٹکڑا مقدر ہے" اور کوئی نہین بڑھتا۔"

(۲) ساقی کے صلاے عام پر بھی جب کوئی ہمت نہین کرتا تو وہ افسوس کے لہجے مین زیر لب کہتا ہے "کون ہوتا ہے حریف مے مرد افگن عشق" الخ اور اس طرح شعر مین یہ خوبصورتی پیدا ہو جاتی ہے کہ پہلی مرتبہ صلاے عام کی آواز، دوسری بار حسرت کے لہجے مین اپنے الفاظ کا اعادہ، یہ تمام باتین آنکھون کے سامنے آجاتی ہین اور ساقی کی تصویر پہلے نظر آتی ہے پھر اُسکے الفاظ کانون مین گونجنے لگتے ہین اور مردہ مضمون مین جان پڑ جاتی ہے یہ واقعہ ہے کہ مرزا فاخر کے شعر مین یوہین سا بانکپن نکلتا ہے، دوسرے شعر مین "گرد فنا شد ندا الخ" مین دل کو لہو کر دینے والا اثر ہے، اب رہا مرزا غالب کا شعر اُس مین ایسا اثر ہے، جس سے دل کی رگین ٹوٹنے لگتی ہین اسلیے کہ ساقی رندون کی جان ساقی (معشوق) کو صلاے عام کی ضرورت پڑے اور پھر اس دعوت کی اجابت کرنیوالا کوئی نہو جسکی منت تین کرتے رہے ہون، آج وہ یوسف بے کاروان ہو جائے، اگر معشوق مراد ہو تو یہ مفہوم ہوگا کہ حسن و ادا سب بیکار ہو گئے، رندون کے رنج اور ساقی کے رنج مین فرق ہے، بیخود نا شاد کا یہ شعر پڑھیئے تو مرزا کے شعر کا پورا لطف آسکے ؎

امنگ کا یہ رنگ ہے ہجوم در رنج و یاس مین
بیخود: کہ جس طرح کوئی حسین ہو ماتمی لباس مین

چھوڑونگا مین نہ اُس بت کافر کا پوجنا — غالب — چھوڑے نہ خلق گو مجھے کافر کہے بغیر
خلق می گوید کہ خسرو بت پرستی میکند — خسرو — آرے آرے می کنم با خلق و عالم کار نیست

آرگس:۔ "خیال عام اور معمولی ہین، مگر اتنے قریب ہین کہ جدائی مشکل ہے"

بیخود:۔ جب خیال عام ہین اور معمولی تو پھر یہان پیش کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ "چھوڑونگا مین نہ" اور "چھوڑے نہ خلق گو" اِن ٹکرون سے غالب کے شعر کا حسن بڑھ گیا ہے۔

گرنی تھی ہمپہ برق تجلی نہ طور پر — غالب — دیتے ہین بادہ ظرف قدح خوار دیکھکر
نہ کوتہی ز عطا بود عشق می داند — عرفی — کہ بر کرشمہ تنگ بود خلعت طور

آرگس:۔ عرفی نے کہا تھا کہ ہمپر جو برق تجلائے طور نہین گری تو یہ عطا کی کوتاہی نہین تھی، عشق کو یہ راز معلوم ہے کہ ہمارے جسم پر خلعت طور تنگ تھی (تھا) یعنی وہ ہمارے قابل نہ تھا، غالب کے یہان خیال اس سے گھٹا ہوا ہے، وہ صرف اتنا کہتے ہین کہ طور پر برق تجلی کیون گری، ہمپر کیون نہ گری"

بیتھا:۔ آپ نے خلعت طور کا ترجمہ برق تجلے غلط کیا ہے خلعت طور

سے مراد خلعت نبوت موسوی یا خلعت پیغمبری یا کلیمی ہے۔

چنانچہ عرفی کہتا ہے کہ مجھے اگر نبوت نہ ملی تو اس سے عطا کا نقص نہین پایا جاتا، کیونکہ خلعت نبوت میرے لیے کوتاہ تھی (تھا) گویا مجھے اِس سے بہتر خلعت دیا گیا۔ یعنی خلعت عشق، چنانچہ عشق می داند کا قرینہ اِسی مطلب کی توضیح ہے۔

اور غالب کہتا ہے کہ خود وہ برق تجلائے طور (جسکو عرفی عطا کے لفظ سے ظاہر کرتا ہے) جو طور کو سوختہ کرسکتی ہے اور خلعت نبوت و عشق عطا کرتی ہے ہمپر گرنی چاہیے تھی کیونکہ ہمارا ہی ظرف ایسا ہے کہ ہم اُس کو دل مین رکھ لیتے اور کسی کو خبر نہوتی، ہم طور کی طرح سوختہ نہوتے، اور موسیٰ کی طرح ہوش و حواس نہ کھو بیٹھتے "

بیخود:۔عرفی کے یہان یہ شعر ہے

نہ کوتہی ز عطا بود عشق می داند | کہ ہر کرشمۂ ما تنگ بود خلعت طور

اِن اشعار کے بعد ہے

طلب بہانہ و مترس از متاع منع کلیم | بساط عذر میار کہ نیستی معذور
اگر بجشمۂ مقصود نیست عشوۂ ما | شکست ساغر اُمید او بسنگ فتور
نہ کوتہی ز عطا بود عشق میداند | کہ ہر کرشمۂ ما تنگ بود خلعت طور

متاع منع کلیم۔ لن ترانی۔ تو مجھے ہرگز نہین دیکھ سکتا۔

مین اِن اشعار کا مختصر مطلب عرض کیے دیتا ہون

عشق اور سچی آرزو پیدا کر اور مین جو کلیم سے لن ترانی کہدیا ہے اُسے بہانہ نہ بنا

اور یہ نہ کہہ کر اُدھر سے صاف جواب مل چکا ہے اب کس توقع پر دیدار کی تمنا کرین، اگر ہمارے عشوہ کے ہاتھون کلیمؑ کی اُمید کا ساغر چشمہ مقصود پر سنگ فتور سے چور چور ہو گیا (یعنی اُنکی یہ تمنا پوری نہ کی گئی) تو عشق خوب جانتا ہے کہ اسکا سبب کوتاہی کرم نہ تھی، بلکہ ہمارے کرشمہ کیلیے خلعت طور تنگ یا تنگ تھا، یعنی طور مین اتنا تحمل نہ تھا کہ ہمارے جلوہ کا متحمل ہوتا، اگر موسےٰ نے دل کی آنکھ اور عشق کی نگاہ سے دیکھنا چاہا ہوتا تو اُن کی یہ آرزو ضرور پوری کیجاتی۔

اب اہل نظر انصاف فرمائین کہ عُرفی کہین بھی پیمبری کو اپنے قابل نہ سمجھنے کا نام لیتا ہے یا یہ کہتا ہے کہ مجکو خلعت عشق دیا گیا ہے جو خلعت نبوت سے بہتر ہے۔

غالب کہتا ہے کہ ہم بار امانت کے حامل ہین برق تجلّی کا تحمل ہم کو ہوسکتا ہے، طور پر تجلی کی ضرورت کیا تھی، یہ وہی ہے جسنے بار امانت کے تحمل سے انکار کیا تھا، مختصر یہ کہ تیری ایک تجلی رائگان گئی۔

یارب وہ نہ سمجھے ہین نہ سمجھینگے مری بات — غالب — دے اور دل اُنکو جو نہ دے مجکو زبان اور

زبان شوخ من ترکی و من ترکی نمیدانم — خسرو — چہ خوش بودے اگر بودے زبانش در دہان من

آرگس:۔ دونون مصرعون مین ایک قسم کا فرق ہے، خسرو کا مصرع نہایت چُست ہے، اگرچہ غالب کا فلسفیانہ انداز کا نہایت کامیاب مصرع ہے "

بیخود:۔ میرے نزدیک دونون شعر بالکل الگ ہین، خسرو کہتا ہے کہ میرے چنچل معشوق کی زبان ترکی ہے اور ترکی مجھے آتی نہین، کیا اچھا ہوتا، اگر اُسکی زبان

میرے دہن مین ہوتی کہ اپنی کہتا اور اُسکی سُنتا۔ ہان اِس ٹکڑے مین کہ "بوڈے زبانش در دہانِ من" مین مزے کا ایہام پیدا ہوگیا ہے۔

غالب کہتا ہے، اے میرے پروردگار وہ (معشوق) ابتک میرا مدعا نہین سمجھے اور نہ سمجھینگے اگر تو مجکو ایسی زبان نہین دیتا جس کا اثر اُن کے دل پر پڑے، تو اُن کے دل کو بدل دے۔

(۱) اِسکا ایک پہلو یہ ہے کہ وہ ایسا کمسن ایسا بے پروا اور ایسا بھولا ہے یا اُسنے ایسی تربیت مین پرورش پائی ہے کہ دل عشاق کی تمنا سے بیخبر ہے اور نہ آج میری سمجھتا ہے نہ آئندہ سمجھنے کے آثار پائے جاتے ہین (نہ سمجھینگے بیتابیٔ شوق نے کہلوادیا ہے) اور عشق کو تاب انتظار نہین، اگر تو میری زبان مین اثر نہین دیتا تو اُسکے دل مین ویسے ہی شوق کے جذبات پیدا کر دے جو میری جان لیے لیتے ہین۔

اِس صورت مین یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ جب معشوق ایسا کمسن یا سادہ دل ہے تو پھر اِس دُعا کے کیا معنی، اسکا جواب یہ ہے کہ اِس دعا سے عاشق کی بیتابیٔ شوق اور تکلیف انتظار کا اندازہ ہوتا ہے۔

(۲) کلام غالب مشکل تھا، اسپر صرف گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل ہی نہین سارا دیوان اور شرحون کی آشفتہ بیانی دال ہے، لوگون کے نہ سمجھنے سے تنگ آکر یہ یہ دعا کرتے ہین۔

نکتہ:۔ مرزا نے یہ نہین کہا کہ جو اُن کا دل نہین بدلتا تو میری زبان بدل دے بلکہ اُسکے برعکس، یعنی اگر مجھے اور زبان نہین دیتا تو اُن کو اور دل دے، اِس سے پتہ چلتا ہے کہ اہل زمانہ کی نافہمی سے اتنا دل دُکھا ہے کہ اب یہ دعا نہین کیجاتی کہ

اُن کا دل بدل دے بلکہ یہ کہتے ہین کہ مین ایسی زبان سے درگزرا جس کے سمجھنے والے نہین ملتے۔

پہلے مطلب مین "جو ندے مجکو زبان اور" سے یہ منشا ہوگا کہ اُسکا دل تو یہی چاہتا ہے کہ خود اُنکی زبان مین اثر ہوتا اور معشوق اُس سے متاثر ہوکر رام ہوتا تو اسکا کیا کہنا تھا، یہ نہین کرتا تو بلا سے اُس کا دل بدل دے، بیتابیٔ شوق میری جان لیے لیتی ہے۔

یہ بھی کہہ سکتے ہین کہ "جو ندے مجکو زبان اور" سے کوئی خاص زور پیدا کرنا مقصود نہین ہے بلکہ مساوات کے معنے پیدا کرنا مقصود ہین یعنی یہ نہ کر تو وہ کر۔

صفائے حیرت آئینہ ہے سامان زنگ آخر　　غالب　　تغیر آب برجا ماندہ کا پاتا ہے رنگ آخر

در طینت فسردہ صفاہا کدورت است　　بیدل　　آئینہ می کند ہمہ زنگار آب را

آرگس: ۔شعر دونون اُلجھے ہوئے ہین سلجھائیے تو ماحصل ایک نکلیگا۔"

سُہا: "شعر دونون سلجھے ہوئے ہین، غالب جمود کے معائب بیان کرتا ہے اور بیدل افسردگی کے، اور یہی فرق دونون اشعار مین ہے۔"

بیخود: افسردہ طینت، پست ہمت، پانی اور برسات کی ہوا سے آئینہ فولادی مین زنگ دوڑ جاتا ہے۔

مرزا بیدل فرماتے ہین کہ پست فطرتون اور کم ہمتون کے لیے سامان خوبی (تعلیم و دولت وغیرہ) تباہی کا باعث ہوجایا کرتا ہے دیکھو آئینہ فولاد پانی کو سراپا زنگار بنا دیتا ہے، یعنی پانی ہر جگہ شادابی پیدا کرتا ہے مگر آئینہ فولادی کی پست فطرتی نے پانی ہی

طاہر و مطہر شے کو سراپا زنگار بنا کے چھوڑا۔

مرزا غالب فرماتے ہین حیرت آئینہ کی صفائی آخر مین زنگ کا سامان ہو جایا کرتی ہے، دیکھو بند مے پانی مین کائی جم جاتی ہے اور پانی کا اصلی رنگ دریا برد ہو جاتا ہے، یعنی اہل صفا پر جہان عالم حیرت ایک زمانہ تک طاری رہا وہ تباہ ہو کر رہتے ہین اور کسی نقطۂ اہل کمال کی ترقی کا رک جانا تمہید زوال ہوتا ہے۔

دونون شعرونکا فرق یہ ہے کہ بیدل پست ہمتون کیلیے سامان خوبی (تعلیم و دولت وغیرہ) کو مضر بتاتا ہے۔ اور غالب اہل کمال کیلیے عالم حیرت کے طاری رہنے کو۔

ہوا داغ زمرد بھی مجھے داغ پلنگ آخر	غالب	نہ کی سامانِ عیش و جاہ نے تدبیر وحشت کی
چمن از سایۂ گل پشت پلنگ است اینجا	بیدل	منزلِ عیش تو وحشتکدہ امکان نیست
ہر چند چراغانش کنی پشت پلنگ است	”	در وحشت این بزم بعشرت نتوان زیست

آرگس:۔ غالب کہتے ہین کہ عیش و جاہ سے وحشت کا سد باب نہو سکا زمرد کا داغ بھی میرے لئے داغ پلنگ یعنی سرمایۂ وحشت بن گیا بیدل کہتا ہے کہ وحشت کدۂ عالم مین یہ صلاحیت نہین کہ منزل عیش بن سکے چمن سایہ گل سے پشت پلنگ بن گیا۔

سہا۔ غالب نفس عیش و جاہ کو، بیدل دونون شعرون مین اس دنیا کو سرمایہ وحشت قرار دیتے ہین، غالب کا موضوع زیادہ نازک ہے مضامین اور مشبہ مین فرق ہے اگرچہ مشبہ بہ مشترک ہے۔

بیخود :- حضرت آرگس نے غالب کے شعر میں جام زمرد کی جگہ داغ زمرد لکھا اور جناب سُہا نے اُسے صحیح قرار دیا، میں حضرت آرگس کے لیے سرقہ کی ایک اور مثال پیش کردوں ؎

نہر گلزار ہمہ کام نہنگ است اینجا
پرطاؤس چمن پشت پلنگ است اینجا

بیخود موہانی ؎

بیدل دنیا کو وحشت کدہ قرار دیتا ہے اور ایسا وحشت کدہ کہ سامان آرائش سے اور زیادہ وحشتناک ہوجاتا ہے۔

غالب کہتے ہیں سامان عیش وجاہ علاج وحشت نہیں ہوسکتا۔ رفتہ رفتہ جام زمرد (سامان عیش وجاہ) بھی میرے لیے پشت پلنگ بنگیا۔

بیدل نے اپنے اشعار میں دنیا کو چراغاں اور چمن کو سایۂ گل سے پشت پلنگ بنایا۔ مرزا نے جام زمرد کو داغ پلنگ بتایا، ہر ایک نے جدا تشبیہ نکالی۔

فلک سے ہمکو عیش رفتہ کا کیا کیا تقاضا ہے
متاع بردہ کو سمجھے ہوئے ہیں قرض رہزن پر

نقدے کہ دوران بردہ است از کیسۂ عمرم برون
جاوید مستغنی شوم از صد دہ گر نیسم وا

آرگس :- "بنائے خیال رہزن سے متاع بردہ کی واپسی پر مبنی ہے جو دونوں شعروں میں موجود ہے"

سُہا :- "اس شعر میں غالب نے کہیں بھی واپسی متاع پر شعر کی بنیاد نہیں رکھی وہ تو واپسی کے خیال کو حماقت ظاہر کرتا ہے جیسے کوئی شخص رہزن کو اپنا مقروض سمجھے۔

نہ نظیری نے واپسی پر بنائے خیال رکھی ہے بلکہ یہ کہتا ہے کہ زمانہ نے مجھے اسقدر لوٹا ہے کہ اگر اُسکا ہزاروان حصہ بھی مجھے ملجائے تو میرے عیش جاوید کیلیے کافی ہو یعنی غالب عیش رفتہ کی باز طلبی کو حماقت کہتا ہے اور نظیری اپنی فراوانی بربادی ظاہر کر رہا ہے"

بیخود:۔ جناب سُہا نے یہ تو صحیح لکھا ہے کہ غالب عیش رفتہ کی باز طلبی کو حماقت کہتا ہے مگر نظیری کا شعر سلجھانے کی کوشش نہین کی۔ نظیری کے یہان نقد سے مراد عمر رفتہ زور۔ شباب غیرہ ہے۔ کہتا ہے کہ اگر میری گزری ہوئی عمر کا چھوٹے سے چھوٹا حصہ مجھے ملجائے تلافی مافات کرکے باز پُرس محشر سے بے نیاز ہو جاؤن۔

نہ لیوے گر خس جوہر طراوت سبزۂ خط سے | غالب | لگاوے خانہ آئینہ مین روئے نگار آتش
کتانِ طاقتم را پردہ داری میکند جنبش | حزین | رخش در شامِ خطِ ماہِ سحاب آلودہ را ماند

آرگس:۔"غالب کا خیال ہے کہ آئینہ کے خس جوہر کو اُسکے سبزۂ خط سے طراوت پہونچتی رہتی ہے ورنہ میرے معشوق کا چہرہ خانہ آئینہ مین لگادے شیخ علی حزین کا خیال تھا کہ میرے کتان صبر کی پردہ داری اُسکا حسن کرتا ہے، خط جو اُسکے رخسارہ کو ڈھانک رہا ہے وہ ایک سحاب ہے جس کی وجہ سے میری کتانِ صبر پر اس چاند کا اثر پورا نہین پڑ سکتا۔ ایسا نہو تو کتان صبر پارہ پارہ ہو جائے، اس شعر مین پرواز خیال یکسان ہے مضمون مین کچھ نہ کچھ فرق ہے"

سُہا:۔ آپنے یہ بھی ملاحظہ کیا کہ حزین کے شعر کی بندش کسقدر سُست

اور غیر مربوط ہے۔

دوسرے یہ کہ جب حسن ہی پردہ دار طاقت ہے تو طاقت کو پارہ کرنیوالی کون سی چیز باقی رہجاتی ہے"

بیخود۔ جناب آرگس کا خیال صحیح ہے، دونوں شعروں میں پرواز خیال کا ایک رنگ ہے۔ انداز بیان بھی ایک ہی ہے۔ مگر دونوں کا خیال الگ ہے۔ مضمون میں بہت بڑا فرق ہے۔

جناب سُہا کو شاید یہ نہیں معلوم کہ معشوق کی صورت ہو یا عبارت۔ اشارت ہو یا ادا سب کے سب ملکر بھی حسن ہیں اور الگ الگ بھی حسن ہیں۔ حزیں کہتا ہے کہ حُسن یار (یا خود یار جو سراپا حُسن ہے) خود میری طاقت کی پردہ داری کر رہا ہے۔ خط کی شام میں اُسکے چہرے کی مثال ماہ سحاب آلودہ کی سی ہے یعنی اگر خط کا سواد نہوتا اور ماہ روئے یار اپنی پوری روشنی سے چمکتا تو کتاں صبر پارہ پارہ ہوئے بغیر نہ رہ سکتی۔ حُسن عارض کے اثر کو جسنے کم کر دیا وہ حُسن خط ہے۔ حزیں کے شعر کی بندش بھی سُست نہیں خط بھی حُسن ہوتا ہے اسکی صرف ایک مثال کافی ہوگی۔

غنی کشمیری ؎
حسن سبز بخط سبز مرا کرد اسیر
دام ہمرنگ زمین بود گرفتار شدم

اک نازک فرق یہ بھی ہے کہ حزیں نے حسن یار کا اثر ذی روح پر دکھایا ہے اور غالب نے غیر ذی روح (آئینہ) پر۔

پرتو خور سے ہے شبنم کو فنا کی تعلیم غالب ہم بھی ہین ایک عنایت کی نظر ہونے تک

گرانجان تر ز شبنم نیست جسم ناتوان من حزین اگر می بود با من روے گرمی آفتابش را

آرگس :۔ غالب کا خیال ظاہر ہے، شیخ کا خیال ہے کہ میرا جسم ناتوان شبنم سے زیادہ گرانجان تو نہین ہے کہ وہ مجھپر نظر عنایت کرے اور فنا نہو جائے۔ صائب کہتا ہے ؎

بہ اندک روئے گرمی پشت بر گل می کند شبنم

چرا در آشنائی اینقدر کس بے وفا باشد

آفتاب کی تھوڑی سی توجہ مین شبنم پھول پر لات مار دیتی ہے، بڑا افسوس ہے آشنائی اور پھر یہ بیوفائی۔"

سُہا :۔ شبنم کی بے ثباتی کی تمثیل عام طور پر زبان مین رائج ہے لیکن مسلمہ تشبیہات و تمثیلات کے متنوع استعمال سے اشعار ہم مضمون نہین ہو جایا کرتے۔"

بیخود :۔ جناب سُہا کا یہ ارشاد صحیح ہے کہ مسلمہ تشبیہات و تمثیلات کے متنوع استعمال سے اشعار ہم مضمون نہین ہو جاتے، میرے نزدیک ان شعار مین تمثیل اور خیال دونون ایک ہین۔ مگر حزین کے شعر مین بہ تقاضائے بشریت کچھ فروگزاشتین ہو گئی تھین۔ مرزا نے اُن کو نکال دیا۔

(۱) انسان کا جسم وہ کیسا ہی ناتوان کیون نہو شبنم سے زیادہ اسکا سخت جان ہونا ظاہر ہے، پھر اسی ٹکڑے کے بل پر حزین دوسرے مصرعے مین فرماتے ہین ع

اگر می بود با من روے گرمی آفتابش را

(۲) جسم انسانی کا شعاع مہر کے پڑتے ہی فنا ہو جانا سمجھ مین آنے کی بات نہین۔ مرزا نے یون کہدیا کہ جس طرح شبنم آفتاب کے ذرا سے التفات مین درجۂ فنا حاصل کرلیتی ہے اُسی طرح ہمارے لیے بھی معشوق کی ایک نگاہ التفات کافی ہے۔

کب سے ہون کیا بتاؤن جہان خراب مین | شبہائے ہجر کو بھی رکھون گر حساب مین

زہے عمر دراز عاشقان گر | شب ہجران حساب عمر گیرند

آرگس:- دونون شعر ایک ہی مضمون کے ہین کیا فرق کیا جائے۔ البتہ مندرجۂ ذیل خیال کچھ علیحدہ ہے ؎

زخضر عمر فزونست عشقبازان را سپہری اگر ز عمر شمارند شام ہجران را

نیچود:- یہ مصرع یون ہوگا ع شب ہجر از حساب عمر گیرند۔ سپہری نے صرف اتنا ٹکڑا اس مین بڑھا دیا ہے "زخضر عمر فزونست" ورنہ اُن کے یہان عشقبازان ہے خسرو کے یہان عاشقان ہے، ہان درازیٔ عمر عشاق کے اندازہ کے لیے اُسنے عمر خضر کا ذکر کر دیا ہے اور اس مین شک نہین کہ اس سے شعر مین تازگی پیدا ہوگئی ہے ورنہ مضمون بالکل ایک ہے، غالب نے بھی ایسا ہی کیا ہے، اُنھون نے جہان خراب کا ٹکڑا بڑھایا ہے جس سے ہجران نصیبون کی زندگی کا زحمت و بلا ہونا اور زیادہ روشن ہوگیا ہے، مگر میرے نزدیک "عمر خضر" یا "جہان خراب" کے اضافہ سے کوئی بزرگ زیادہ داد کے مستحق نہین۔

قاصد کے آتے آتے خط اک اور لکھ رکھوں — غالب — مین جانتا ہون جو وہ لکھینگے جواب مین

آنجا جواب نامۂ عاشق تغافل است — بیدل — بیہودہ انتظار خبر می کشیم ما

آرگس :- مضمون دونون ایک ہین، ممکن ہے کہ بغیر پہلا شعر دیکھے دوسرا شعر کہا گیا ہو "

سہا :- کسقدر عامۃ الورود مضمون ہے اس لیے بیدل کے شعر مین کوئی خاص بات پیدا نہوئی، مگر غالب کی فکر عالی یہان بھی ندرت پیدا کر گئی یعنی کہتا ہے کہ جواب نامہ تو آئے گا مگر جو کچھ وہ لکھینگے مجھے معلوم ہے یعنی عشق کس کو کہتے ہین، ہوتا بھی ہوگا، تو یہ کیسے یقین ہو کہ تمھین بھی عشق ہے اور تم کون ہو جی ہم پہ مرنے والے اور بلا سے مرتے ہو مرجاؤ ہم کیا کرین، غرضکہ اس قسم کے جواب کیلیے غالب ایک اور خط لکھ کر رکھ لینا چاہتے ہین اور یہی حصہ شعر جدت طرازی پر مبنی ہے "

بیخود :- یہ توارد نہین کیونکہ دونون کی شاہراہین بالکل علحدہ ہین۔

جناب سہا سے التماس ہے کہ بندہ پرور یہ کونسا استدلال ہے کہ مضمون عامۃ الورود تھا اسلیے بیدل کے شعر مین کوئی خاص بات پیدا نہوئی آپ بیدل کی جلالت قدر سے واقف نہین، یہ وہی شخص تھا جس کی ہر ادا پر غالب ایک عمر تک مٹتے رہے، اسکے شعر مین مایوسیون کا ایسا سمندر پنہان ہے جس مین طوفان آنیکے کچھ دیر پہلے سکون نظر آتا ہو۔ جب تاب انتظار نے دم توڑ دیا، تو عاشق اپنے دل مین یا باآواز بلند کہہ اٹھا ہے کہ وہان عاشقون کے خط کا جواب تغافل اور خاموشی ہے مین بیکار جواب کا منتظر ہون، اس سے بالالتزام معشوق کی بے نیازی بلندی مرتبہ

افتادِ مزاج اور خدا جانے کیا کیا ظاہر ہوتا ہے پھر اُلجھ اُلجھ کر یہ کہنا کہ مین ناحق انتظار کرتا ہون کیا یہ کوئی سرسری بات ہے جو مُنہ سے نکلی اور ختم ہوگئی ایسی حالت مین دل کا جو عالم ہوتا ہے اُسے ذہن مین رکھئے تو بیدل کے شعر مین آپ کو ہر بات خاص ہی نظر آنے لگے۔

"آنجا جواب نامۂ عاشق تغافل است" سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عاشق اِس بات سے خوب واقف تھا کہ معشوق عاشقون کے خط کا جواب نہین دیتا پھر خط لکھا کیون اسلیے کہ اپنی محبت پر حد کا اعتماد تھا، اُدھر سے بے ارادہ (بربنائے مشق وعادت جو طبیعت ثانیہ بن گئی) لگاوٹ ہوتی ہوگی، عاشق فریب خوردہ فا مین گرفتار ہوگا، اپنے کو معشوق کے عام برتاؤ سے مستثنیٰ سمجھتا ہوگا کوئی اُستاد کہتا ہے ؎

چو می بینم کسے از کوئے اُو دلشاد می آید
فریبے کز وے اول خوردہ بودم یاد می آید

مگر جس طرح بیدل نے "بیہودہ انتظار خبر می کشیم ما" کہکر کیفیات اور جذبات کا ایک عالم پیدا کر دیا ہے، غالب نے "خط اک اور لکھ رکھون" کہکر ایک خیالات کی دنیا پیدا کردی اس شعر مین کم سے کم اتنے پہلو ہین۔

(۱) جب تک قاصد پلٹے پلٹے ایک خط اور لکھ کر رکھدون مین جانتا ہون کہ وہ کچھ جواب نہ دینگے مگر دل نہین مانتا ؎

یہ جانتا ہون کہ تو اور پاسخ مکتوب — مگر ستم زدہ ہون ذوق خامہ فرسا کا
خط لکھینگے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو — ہم تو عاشق ہین تمھارے نام کے

اور یہی مفہوم ہے جو بیدل کے شعر کی بنیاد ہے مگر ذوق خامہ فرسائی کا مضمون غالب کے

یہان زیادہ ہے

(۲) مین اُسکے رنگ مزاج سے واقف ہون مین سمجھتا ہون کہ وہ میرے خط کا جواب کیا لکھے گا، اسلیے اُسکا جواب پہلے سے لکھ رکھنا چاہیے اِس مفہوم کا ایک پہلو وہی ہے جسے جناب سُہا نے اپنی اردوے معلّٰے مین لکھا ہے۔

(۳) یہ پہلو کسی قدر نازک ہے، عاشق کو مشق تصور سے اب یہ بات حاصل ہو گئی ہے کہ جو خیال معشوق کے دل مین آتا ہے اُسے خبر ہو جاتی ہے اسلیے جو معشوق وہان لکھ رہا ہے اُسکا جواب پہلے سے لکھ رکھنا چاہتے ہین تاکہ قاصد کو جواب کے لیے ٹھہرنا نہ پڑے۔ ان اشعار سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ بیدل پر اِس خیال سے کتنا حوصلہ شکن اثر پڑا ہے اور غالب پر کتنا حوصلہ افزا۔

اہلِ بینش کو ہے طوفانِ حوادث مکتب	غالب	لطمۂ موج کم از سیلیِ اُستاد نہین
من و بلاے تو نطع ادیم و تاب سہیل	خاقانی	من و جفاے تو شاگرد و سیلیِ استاد
صد جفاے عشق بہ از کے بلہوس و ارد قبول	ظہیر فاریابی	کے شناسد طفل قدر سیلیِ اُستاد را

آرگس: "غالب کے یہان بصورت عمومیت، خاقانی کے یہان بصورت خصوصیت ظہیر کے یہان بصورت نفی ایک ہی مضمون کو باندھا گیا ہے بناے اشتراک خیال سیلیِ اُستاد کے سوا کچھ نہین"

سُہا: "غالب مصائبِ روزگار یا حوادث ارضی و سماوی کی تمثیل اہلِ عقل کیلیے سیلیِ اُستاد سے کرتا ہے اور اِس طرح استقلال اور بلند ہمتی کی روح پھونکتا ہے اور خاقانی جفاے محبوب کی اور ظہیر فاریابی عشق و ہوس کی

امتیازی خصوصیت کو سیلیٔ اُستاد سے مثال دیتے ہین۔

تینون اشعار جُدا جُدا مضمونون کے حامل ہین، بلکہ آخر الذکر دونون شعر تو آپس مین کوئی چیز مشترک رکھتے ہین لیکن غالب کا شعر بالکل علیحدہ ہے"

بیخود:۔ مین سب اشعار کا مفہوم بیان کئے دیتا ہون اور فیصلہ حضرت آرگس پر چھوڑتا ہون۔

میرے نزدیک غالب کا مضمون نہایت وسیع ہے علاوہ اسکے اُسنے طوفانِ حوادث کو مکتب قرار دیا ہے، مکتب کا ہنگامہ خواہ لڑکون کے پڑھنے سے پیدا ہو یا سیلیٔ اُستاد کا نتیجہ ہو، اُس سے طوفان کے جوش وخروش کا عالم نظرون مین پھرنے لگتا ہے، دوسری لطافت یہ ہے کہ (لطمۂ) موج کے تھپیڑے اور اُستاد کے طمانچے مین کیسی زبردست مشابہت ہے، یہ لفظ اپنے معنون کی تصویر ہے۔ پھر شعر کا ایک ہی تلازمہ بحر مین ختم ہو جانا بھی اثر شعر کا کفیل ہے، غالب کہتا ہے کہ اہل بینش کے لیے کوئی حادثہ ہو سبق آموز ہے۔

خاقانی کے شعر کا سجاؤ اہل خبر کیلیے مایۂ ناز ہے ادھر "من وبلائے تو" اُدھر جواب مین "من وجفائے تو"۔ پھر "نطع ادیم" "وتابِ سہیل اور شاگرد وسیلیٔ اُستاد" کا تقابل شعر کے حُسن کو دو بالا کئے دیتا ہے، نطع ادیم، وتاب سہیل کی تمثیل جدت طرازی کی بین مثال ہے، خاقانی معشوق کی ڈالی ہوئی ہر بلا کو ویسا ہی مفید بتاتا ہے جیسے نطع ادیم کیلیے تاب سہیل اور شاگرد کیلیے سیلیٔ اُستاد۔

نطع ادیم۔ ادیم مین جب سہیل یمنی طالع ہوتا ہے تو اُسکی روشنی مین چمڑا رکھدیا

جاتا ہے جس مین نہایت خوشگوار خوشبو پیدا ہو جاتی ہے اُسکے دستر خوان بنائے جاتے ہین

ظہیر نے بلہوس (ہوس پرست) کو باعتبار نادانی طفل کہا ہے اور صدمۂ عشق کو سیلی اُستاد سے تعبیر کیا ہے، اس مین شک نہین کہ صدمہ کی لفظ قریب قریب اُسی شان کی رکھدی ہے جیسی غالب کے شعر مین لطمۂ موج ہے۔

صدمہ کے معنی لغت مین ٹکرانے کے ہین، یہ لفظ بھی بیان واقعہ کو واقعہ بنا رہا ہے، جب یون ہے تو کوئی شعر ندرت سے خالی نہین۔

سب کہان کچھ لالہ و گل مین نمایان ہوگئین	غالب	خاک مین کیا صورتین ہونگی کہ پنہان ہوگئین
اے گل چہ آمدی ز زمین گو چگونہ اند	خسرو	آن روئہا کہ در تہ گرد فنا شدند
ہر سبزہ کہ بر کنار جوئے رستہ است	عمر خیام	گویا ز لب فرشتہ خوئے رستہ است
پا بر سر سبزہ تا بخواری ننہی		کان سبزہ ز خاک لالہ روئے رستہ است

آرنگس: "اگرچہ خسرو کے یہان کچھ تفاوت کے ساتھ کہا گیا ہے مگر دراصل یہ مضمون عمر خیام کا حصہ ہے جو ادنی ادنی تغیر کے ساتھ متعدد مرتبہ کہا گیا ہے"

سُہا: "غالب لالہ و گل مین حسینان زیر خاک کے حسن کو دیکھتا اور اُسپر متعجب ہوتا ہے، خسرو پھولون سے مرنے والون کا حال پوچھتا ہے کیونکہ یہان پھول کی تخلیق غالب حسن سے نہین بانی گئی، اور خیام ایک درس عبرت دیتا ہے لیکن اس عبرت آموزی سے غالب کی حیرت زیادہ مؤثر ہے کیونکہ وہ حکمت ہے یہ کیفیت"

بیخود: خسرو نے گل کو دیکھا تو فوراً پیوند خاک ہو جانے والے گلرخون کا خیال آگیا، تخییل شاعرانہ کو جنبش ہوئی اور اُن خاک مین ملجانے والون کی تصویر نظر مین پھر گئی، بیتاب ہوکر پوچھتا ہے کہ تو اور وہ ایک ہی بزم کے بیٹھنے والے ہین خدا کیلیے اُن کا حال بتاتا جا۔

خیام کہتا ہے کہ نہر کے کنارے اُگنے والا سبزہ معشوقون کے سبزۂ پشت لب (سبزۂ خط) سے پیدا ہے اور یہ معمولی سبزہ لالہ رویون کی خاک سے اُگا ہے دیکھ اسے سبھ کر پامال کرنا یہ سبزہ لالہ رویون کی خاک سے اُگا ہے، غالب یہان حیرت کا اظہار نہین کرتا، بلکہ حسرت کا۔

غالب کی نظر لالہ و گل کے چمن پر پڑتی ہے اور ذہن ادھر منتقل ہوتا ہے کہ یہ لالہ و گل نہین بلکہ خاک مین دفن ہو جانے والے معشوقون کی خاک ہے جو ان کے پردہ مین جلوہ دکھا رہی ہے، پھر افسوس کرتا ہے کہ لالہ و گل مین اتنی بہار اتنی رعنائی ہے جن کی خاک سے اِن کا وجود ہوا ہے وہ کیسے حسین ہونگے، یعنی صرف لالہ و گل کے دیکھنے سے نہ مرجانے والے حسینون کی تعداد کا اندازہ کوئی کرسکتا ہے نہ حُسن کا اور اس مطلب پر "کیا صورتین ہونگی" کا ٹکڑا دلالت کرتا ہے۔

سب شعر جُدا جُدا ہین اور اچھے ہین مگر کوئی شعر غالب کے شعر کو نہین پہونچتا اسلیے کہ تخییل کی جدت اس مین اُبھر اُبھر کے ظاہر ہو رہی ہے

مین چمن مین کیا گیا گویا دبستان کھل گیا — غالب — بلبلین سُنکر مرے نالے غزلخوان ہوگئین

آب و رنگ گلستان عشق اکنون از منست — عالی — عندلیبان ہر چہ میگویند مضمون از منست

آرگس :۔ "دونون مضمون تقریباً یکسان ہین، عالی کے یہان و بتان
نہین ہے مگر اُسکے ہونے سے کچھ فرق نہین پیدا ہوتا"

بیخود :۔ یہ پہلا مقام ہے جہان مجھے جناب آرگس کی راے سے بہت تھوڑے اختلاف کے ساتھ اتفاق ہے یعنی تقریباً نہین مضمون بالکل ایک ہین اسے ترجمہ کہیئے یا توارد آپ کو اختیار ہے، مگر مین اِسے ترجمہ نہین کہہ سکتا اسلیے کہ اسکے مفہوم مین کوئی ایسی خاص بات یا دلکشی نہین کہ غالب اسکے ماننے یا اُسکے ترجمہ کیطرف مائل ہو۔

وفاداری بشرط استواری اصل ایمان ہے — غالب — مرے بتخانہ مین تو کعبہ مین گاڑو برہمن کو

بہ کیش برہمنان آنکس از شہیدانست — عرفی — کہ در عبادت بت روے بر زمین میرد

آرگس :۔ دونون کے بنائے خیال وفاداری پر مبنی ہے، مضمون
قریب قریب ایک ہے۔

بیخود :۔ اس مین شک نہین کہ وفاداری اصل ایمان ہے، مگر یہ مسلمات واغراض کی شان رکھتا ہے یعنی ایک مستقل بحث ہے جسپر ہر شخص قلم اُٹھا سکتا ہے، دیکھنا چاہیے کہ کسنے زیادہ خوبی کیساتھ اِسے بیان کیا۔

عرفی کہتا ہے کہ اہل دیر کے مشرب مین وہ شخص شہید سمجھا جاتا ہے جو بت کے سجدے مین دم توڑ دے، اسکی واقعیت مین شک نہین صاف لفظون مین یہ مفہوم ہوا کہ انسان کسی مذہب کا ہو اگر اپنے مذہب سے وفا رکھتا ہے تو اُس کی موت مذہب والون کے نزدیک شہیدون کی موت ہے۔

غالب کہتا ہے کہ اصل ایمان نام ہے، غیر متزلزل وفاداری کا، اسلیے میری رائے یہ ہے کہ اگر کوئی برہمن حالت وفاداری مین مرجائے تو وہ اس قابل ہے کہ کعبہ مین دفن کیا جائے۔

عرفی کے شعر مین یہ وسعت مشرب نہین وہ صرف یہ کہتا ہے کہ ہر مذہب والا اپنے مذہب کے پابند کا بڑا درجہ سمجھتا ہے۔ غالب کہتا ہے کہ حقیقت یون ہے کہ وفاداری اصل ایمان ہے، دیر مین مرنے والے برہمن کو کعبہ مین دفن کرنا چاہیے یہان دیدۂ تحقیق کی حد نگاہ اور ہے وہان اور، میرے نزدیک عرفی کا شعر اچھا ہے مگر اتنا اچھا نہین کہ غالب کے شعر کا جواب سمجھا جاسکے۔ مرزا کا شعر دنیا پر چھایا ہوا ہے پھر بتکدے مین مرنے والے کو کعبہ مین دفن کرنا، بتکدہ اور کعبے کے تضاد کیوجہ سے اور زیادہ خوبصورت ہوگیا ہے۔

جسے نصیب ہو روز سیاہ میرا سا | غالب | وہ شخص دن نہ کہے رات کو تو کیونکر ہو

ز فروغ آفتابم نبود خبر کہ بے تو | عرفی | چو وزلف تست یکسان شب و روزم ای ستمگر

آرگس: " دونون شعرون کی بنا اس مضمون پر ہے کہ بدنصیبی کی وجہ سے ہمارے یہان دن رات یکسان ہے "

یزدو: حضرت آرگس خدا سے ڈریئے۔ اظہار بدنصیبی ایک مبحث ہے جسپر دونون استادون نے قلم اٹھایا ہے۔ عرفی کہتا ہے کہ بدنصیبی کے چلتے میرا دن بھی ویسا ہی تاریک ہے جیسی میری رات، مجھے خبر بھی نہین ہوتی کہ آفتاب کب نکلا۔ زلف یار کی تشبیہ کا مقصد یہ ہے کہ دن رات کے یکسان تاریک ہونیکا

خیال سامع کو ممکن نظر آنے لگے اور یہی سبب ہے کہ زلف کے ساتھ دو کا لفظ حشو (زائد) نہین ہے بلکہ نہایت برمحل صرف ہوا ہے۔

نکتہ :۔ لیکن یہ امر اہل نظر سے پوشیدہ نہین کہ زلف کی تشبیہ سے یہان اگرچہ شاعر کا دعوی صاف طور پر ثابت ہوگیا ہے کہ میرے دن رات دونون یکسان تاریک ہین مگر شعر کے دلگدازاثر مین کمی ضرور ہوگئی اسلیے کہ زلفین اگرچہ سیاہ رنگ ہین مگر عشاق کیلیے دلولہ خیز ہین، یہان کسی ایسے لفظ کی ضرورت تھی جس مین وحشت وہیبت کا پہلو قوی ہوتا۔

غالب کہتا ہے جس شخص کا دن ایسا تاریک ہو جیسا کہ میرا، وہ اگر رات کو دن نہ سمجھے تو کیونکر بنے یعنی میرا دن ایسا تاریک ہے کہ اُسکے مقابلہ مین رات ایسی روشن ہے جیسے دن یعنی میرا دن رات سے ہزار درجہ تاریک ہے، اب آپ انصاف فرمائین کہ ان دونون شعرون کے مضمون کا ایک ہونا کیا معنی، ان مین کوئی نسبت بھی ہے، اسلیے کہ عرفی کے رات دن یکسان تاریک ہین، غالب کا دن اتنا تاریک ہے کہ اُسکے مقابلہ مین رات کی تاریکی دن کی روشنی معلوم ہوتی ہے۔

یہان شاید یہ اعتراض کیا جائے کہ مصیبت زدہ کے لیے رات دن سے زیادہ سخت ہوتی ہے تو مین کہونگا کہ عام طور پر تو ایسا ہی ہے مگر مصیبت کیلیے کسی وقت کی قید نہین، دن مین زیادہ مصیبت پڑجائے تو رات سے کہین زیادہ تکلیف ہو اور ایک دن تو ایسا سخت گزرا ہے، جیسا سخت کوئی دن نہ گزرا ہے نہ گزریگا اور نہ دنیا کی کوئی رات ایسی سخت ہوئی ہے نہ ہوسکتی ہے اور یہ دن وہی دن تھا جب آفتاب امامت کمال پر پہونچنے سے پہلے غروب ہوگیا۔ (روز عاشورہ)

بساط عجز میں تھا ایک دل یک قطرہ خون وہ بھی   غالب   سو رہتا ہے بہ انداز چکیدن سرنگوں وہ بھی

دریاب کہ ماندہ است زدل قطرۂ خونے   فیضی   آن قطرہ ہم از دست تو لبریز چکیدن

آرگس: "یہ مضمون دونوں کا تقریباً ایک ہی ہے، کوئی خاص قابل تفریق نہیں"

بیخود:- مرزا نے بساط عجز کہا تھا، جناب آرگس نے بساط ہجر تبالیا۔ میرے خیال میں دونوں شعروں میں بہت زیادہ فرق ہے۔

غالب کہتا ہے کہ میں ہمہ تن عجز و مجبوری ہوں میرے پاس لے دے کے ایک دل تھا، جو خون کا ایک قطرہ تھا، اب اسکی یہ حالت ہو رہی ہے کہ ٹپکنے کے انداز سے سرنگوں رہا کرتا ہے یعنی یہ حالت ہو گئی ہے کہ یہ قطرہ بھی ٹپکا ہی چاہتا ہے۔

فیضی معشوق سے کہتا ہے کہ دل میں اب ایک قطرۂ خون کے سوا کچھ رہا نہیں، (یعنی پہلے بہت کچھ تھا) وہ قطرہ بھی تیرے ہاتھوں لبریز چکیدن ہے یعنی فنا ہوا چاہتا ہے اگر تجھے خبر لینا ہے تو دیر نکر۔ اب بھی وقت باقی ہے، پھر کچھ نہو سکے گا۔

فیضی کا مطلب یہ ہے کہ تو نے جلا جلا کر یہ حال کر دیا ہے مگر ابھی رحم کی گنجائش باقی ہے، غالب انسان کی مجبوری و بیدست وپائی کی داستان سناتا ہے، فیضی اپنی حالت زار دکھا کر معشوق کو مہربان کرنا چاہتا ہے۔

رہا دل کا قطرۂ خون کہنا مشہور بات ہے اور اغراض و مسلمات کے حکم میں ہے، اسے بنائے اشتراک خیال کہنا شرمناک غلطی ہے۔

غالب کے شعر میں بہ انداز چکیدن سرنگوں اور فیضی کے شعر میں لبریز چکیدن کے ٹکڑے داد کے قابل ہیں پہلا اپنے معنی کی تصویر ہے دوسرا مناسبات کا مرقع۔

مئے عشرت کی خواہش ساقیٔ گردون سے کیا کیجے　غالب　لیے بیٹھا ہے اک دو چار جام واژگون وہ بھی

آسمان جام تہی دان کز مے عشرت تہی است　مولانا جامی　جستن مے از تہی ساغر نشان ابلہی است

آرگس :۔ "ایک مضمون ہے چند الفاظ کی کمی بیشی پر ایک کو دوسرے سے علیحدہ نہین کیا جا سکتا"

بیخود :۔ جسے جناب آرگس مضمون کہتے ہین اگر اُسے مبحث کہدین تو کوئی اشکال باقی نہ رہے۔

جامی نے یون کہا ہے کہ آسمان کو ایک جام تہی سمجھ لے جو مئے عشرت سے خالی ہے اور خالی جام مین شراب ڈھونڈھنا حماقت ہے، معلوم ہوتا ہے کہ ایک واعظ ہے جو خطابیات سے کام لے رہا ہے، اِس مین ابلہی کا لفظ بھی واعظانہ ہے شاعرانہ نہین۔

مرزا کہتا ہے اور اِس طرح کہتا ہے جیسے کسی کے دل مین اپنی بیسر وسامانی پر کڑھتے کڑھتے یہ خیال گزرا ہے کہ شاید آسمان ہمارا جام بھر سکے، پھر کہتا ہے کہ آسمان کے ساقی سے ایسی آرزو کیا کرین وہ خود کچھ خالی جام لیے بیٹھا ہے، یعنی کہین سے ملنے والی ہوتی تو وہ خود ہی اپنے جام بھر لیتا، دونون اشعار مین واقعہ اور بیان واقعہ کا فرق ہے ایک پیکر بے جان ہے، ایک پیکر ذی روح۔

غالب کے شعر مین اک دو چار ملکے سبعہ سیارہ کے (سات) ساغر ہوئے جاتے ہین۔ پھر ساغر تہی اور جام واژگون مین بڑا فرق ہے۔ ہر خالی پیالہ ساغر تہی ہے مگر جام واژگون مین یہ مطلب بھی پنہان ہے کہ اِن جامون مین کبھی مئے عشرت تھی، اب نہین رہی۔ یہ عام قاعدہ ہے کہ شراب پی چکنے کے بعد جام اُلٹ دیئے جاتے ہین

جو دور کے ختم ہونے کی علامت ہے، یعنی ہم اُسوقت پہونچے جب دور ختم ہو گیا تھا، یہ دوسری حد فاصل ہے۔

یہ بھی نہ بھولنا چاہیے کہ مُلا جامی نے خود آسمان کو ساغر تہی کہدیا جس سے دیسکنے اور نہ دے سکنے کا اختیار سلب ہو گیا ہے گویا ایک جام ہے، اگر بھرا ہوتا ہم لے لیتے خالی ہے مجبور ہین لیکن مرزا نے آسمان کو ساقی کہہ کر اپنی بے اختیاری اور ساقی کا بے دست و پا ہونا ظاہر کیا ہے، پھر جس برجستگی سے ادا ئے مطلب کیا ہے وہ جامی کے شعر مین نہین ہے۔

مشکین لباس کعبہ علیؑ کے قدم سے جان ناف زمین ہی نہ کہ ناف غزال ہے

از کرمش ناف زمین ناف غزال است مشکین ز چہ شد ورنہ لباس حرم آیا

ناف زمین کعبہ مگر ناف مشک شد کاندر سموم کرد اثر مشک از فرش

نافۂ آہو شدہ است ناف زمین از رضا عقدۂ دو پیکر است پیکر باغ از ہوا

آرگس "خیال کی جان اتنی سی بات ہے کہ کعبہ ناف زمین ہے اور وہ ناف غزال ہو گیا ہے، یہی غالب کے یہان ہے اور یہی خاقانی کے یہان"

بیخود، مین اسے توارد سمجھتا ہون اسلیے کہ خیال پیش پا افتادہ ہے اور غالب کے شعر سے اشعار خاقانی بہتر ہین۔

کل کے لیے کر آج نہ خسّت شراب مین　　غالب　　یہ سوئے ظن ہے ساقیٔ کوثر کے باب مین

امروز کم خورانده فردا چه دانی آنکه　　خاقانی　　ایام قفل بر در فردا بر فگند

آرگس"۔ خیال صرف اتنا مشترک ہے کہ آج کل کا غم نہ کرنا چاہیئے مگر اس مین خاقانی کا خیال بہت ارفع واعلیٰ ہے"۔

بیخود۔ ان اشعار مین مبحث مشترک ہے جیسے وفا پر ہزار لکھنے والے قلم اُٹھائین اُسکے ماورا خاقانی کا انداز بیان معمولی ہے، غالب نے اِس مبحث پر یون لکھا ہے کہ جدت سجدے کرتی ہے۔

خاقانی کہتے ہین کہ کل کا غم (فکر) آج نہ کر۔ تجھے یہ کیونکر معلوم ہو گیا کہ زمانہ کل کے دروازہ کو مقفل کر دے گا یعنی کل تجھے کچھ نہ ملے گا۔

غالب کہتے ہین کہ کل کے لیے شراب مین خسّت نہ کر، اسلیے کہ تیرا ایسا کرنا ساقی کوثر (علی ابن ابی طالب علیہ السلام ساقی حوض کوثر) کے بارے مین سوءِ ظن ہے۔

مسلمانون کے اکثر فرقون کا اعتقاد یہ ہے کہ قیامت کے دن جناب امیر علیہ السلام پیاسون کو سیراب کرینگے! اور یہ تو سب مسلمانون کا اعتقاد ہے کہ شرابی مے کوثر سے محروم رہیگا، انھین دونون اعتقادون کے علم پر شعر کی بنا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ آج تو اس خیال سے شراب مین کمی کرتا ہے کہ روز قیامت مے کوثر سے محروم رہیگا، سوچ تو یہ خیال کیسا ہے، بھلا کہین ایسا ہو سکتا ہے کہ علی ساکریم کمی کرے، دوسرے مصرع کی شان کا کیا پوچھنا۔ ان دونون شعرون کو مقابل مین رکھنا اپنے کو پیرایۂ سخن سنجی سے عاری ثابت کرنا ہے۔

دل سے مٹنا ترے انگشت حنائی کا خیال | ہو گیا گوشت سے ناخن کا جدا ہو جانا
وصل تو بے ہجر تو ان دیدنی | گوشت جدا کے شود از استخوان

آرگس۔ خاقانی کا پہلا مصرع اس مفہوم کا ہے کہ تیرا وصل بغیر ہجر ناممکن ہے دوسرا مصرع تمثیلی بالکل ایک ہے "

سُہا: ظاہر ہے کہ غالب انگشت حنائی کے تصور یا خیال سے دل کی جدائی ناممکن قرار دیتا ہے، نیز انگشت حنائی نے شعر کی شعریت اور رعایت لفظی میں کس قدر پر لطف شان پیدا کر دی، برخلاف اسکے خاقانی ہجر و وصل کا پیش پا افتادہ مضمون ضرب المثل کے ساتھ نظم کر گیا ہے پھر دونوں شعروں میں ناخن اور استخوان کا فرق بھی موجود ہے۔ جناب تمثیل ایک ہے تو حصے کی کیا بات ہے "

نیخود:۔ مجھے جناب سُہا سے اتفاق ہے، میں صرف اتنا اور کہنا چاہتا ہوں کہ مولانا اس شعر میں شعریت پیدا کرنے والے صرف دو ٹکڑے ہیں۔

(۱) ہو گیا۔ (۲) جدا ہو جانا

اس میں روح انھیں نے پھونکی ہے، کہنے کے انداز سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عاشق ابتدا ابتدا میں سمجھا تھا کہ ترک خیال یار کچھ مشکل نہیں، مگر آگے بڑھکر جب دل سے کسی وقت اسکا خیال جدا ہی نہیں ہوتا تو کہتا ہے کہ انگشت حنائی کا خیال دل سے نکلنا ایسا ہی ناممکن ہو گیا جیسا گوشت کا ناخن سے جدا ہونا۔

خاقانی نے فارسی کی ایک ضرب المثل نظم کی ہے اور غالب نے ایک اور فارسی مثل کا ترجمہ کیا ہے، خاقانی کا شعر سیدھا سادہ ہے اور کچھ خشکی لیے ہوئے، غالب کے شعر میں

عاشق کے ابتدائے عشق اور انتہائے عشق کی کیفیت نظر آتی ہے اور وہ خود تعجب کے ساتھ اُسے محسوس کرتا نظر آتا ہے۔

کُھلتا کسی پہ کیون مرے دل کا معاملہ — غالب — شعرون کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے

رازِ درونِ پردہ برانداخت دیریغ — نظیری — حال من شہر بافسانہ و غزل گشت دریغ

آرگس: "تقریباً دونون مضمون ایک ہین کوئی خاص فرق نہین ہے"

سُہا: "اِن ہر دو اشعار مین فرق یہ ہے کہ غالب تو انتخاب اشعار کو وجہ رسوائی بیان کرتا ہے اور نظیری کہتا ہے کہ میری صورت سے راز درونیہ ظاہر ہونے لگا اور اسلیے میری حالت کو لوگون نے نظم و نثر مین بیان کرنا شروع کردیا، چنانچہ نظیری کا یہ فقرہ "ز رُخ پردہ برانداخت" کیسا صریح ہے مگر آرگس صاحب تو اِس فقرہ اور لفظ انتخاب کو مترادف ملتے ہونگے"

بیخود: جناب آرگس نے نظیری کے مطلع کو شعر بنادیا تھا، جناب سُہا نے گرد کو ساخت سے بدل کر پھر مطلع کردیا۔

جناب سُہا غالب اور نظیری کے اشعار کا فرق بیان فرماتے ہین کہ غالب تو اشعار کو وجہ رسوائی بیان کرتا ہے اور نظیری کہتا ہے کہ میری صورت سے راز درونیہ ظاہر ہونے لگا اور اسلیے میری حالت کو لوگون نے نظم و نثر مین بیان کرنا شروع کردیا، چنانچہ نظیری کا یہ فقرہ "ز رُخ پردہ برانداخت" کیسا صریح ہے الخ۔

مین پہلے دونون شعرون کا فرق بیان کردون تو جناب سُہا کے متعلق کچھ عرض کرون

"از رخ پردہ بر انداختن"۔ بے نقاب ہو جانا۔ سامنے آجانا

نظیری کہتا ہے اور دل آویز انداز سے کہتا ہے کہ میرے دیرینہ رازدون نے اپنے چہرے سے نقاب اُلٹ دی یعنی ظاہر ہوگیا اور اُسی نے میری حالتِ دل کو میری نظم و نثر کے لباس مین الم نشرح کردیا، یعنی رازِ عشق جسے مین نے مدت تک دل مین چھپائے رکھا اُسنے اپنے ظاہر کرنے کی صورت یہ نکالی کہ میری انشا اور غزل پر چھا گیا اور تاڑنے والے تاڑ گئے کہ نظیری کا دل کہین آیا ہوا ہے، اس شعر مین اپنی مجبوری اور استیلائے رازِ عشق کا مرقع کھینچا گیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ شعر اچھا ہے۔

غالب کہتا ہے کہ میری دل کی حالت ظاہر نہ ہوتی مگر مجھے انتخاب شعر نے رسوا کردیا، ہر شخص وہی اشعار پسند کرتا ہے جو اُس کی دلی حالت سے لگاؤ رکھتے ہین مثلاً آجکل ایک کہن سال محقق، عالم، ادیب، شاعر جس کی فضیلت پر اُسکے لاجواب کارنامے اور اہل نظر گواہ ہین ایسے شعر پڑھتا ہے اور سر دُھنتا ہے ؎

جلسے ہین غیر کیا کیا وہ مری خلوت سے جب نکلے

پریشان باندھ کر جوڑا و دوپٹہ اوڑھ کر اُلٹا

غالب کہتا ہے کہ ہر طرح مین نے رازِ عشق کو چھپایا، مگر خدا سمجھے انتخاب اشعار سے جس کی وجہ سے رسوائی سی رسوائی ہوئی۔

غالب

مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو

یک گونہ بیخودی مجھے دن رات چاہیئے

رباعی عمر خیام

مے خوردن من نہ از برائے طرب است — نے بہر فساد دین و ترک ادب است

خواہم کہ ز بیخودی برآرم نفسے — مے خوردن و مست بودنم زین سبب است

آرگس:۔ "یہ کہنا بیکار سی بات ہے کہ دونوں مضمون ایک ہیں، مگر یہ کہنا کہ یہ مضمون عمر خیام کا خاص مضمون ہے جو اکثر ان کی رباعیوں سے ظاہر ہوتا ہے۔"

بیخود:۔ میں عمر خیام کے کمال شاعری کا کم سے کم ویسا ہی معترف ہوں جیسے جناب آرگس، لیکن جناب موصوف نے غالب پر سرقہ کا الزام لگایا ہے اسلیے میرا فرض ہے کہ اُن کی پیش کردہ رباعی اور مرزا کے شعر کا مقابلہ کر کے دکھادوں کہ کس کی حالت کیا ہے، مگر پہلے یہ عرض کردوں کہ یہ بحث جن پر ان بزرگوں نے قلم اُٹھایا ہے وہ ایران و ہندوستان کے شعرا میں خواہ وہ میکش ہوں یا نہوں، عالمگیر ہے، پھر غالب اور عمر خیام میں تو بادہ کشی بھی مشترک تھی

خیام نے رُباعی کے چار مصرعے پُر کرنے کے لیے تفصیل سے کام لیا ہے اور کہا ہے "میں نہ عیش و طرب کی نظر سے شراب پیتا ہوں، نہ مذہب کے قیود سے آزادی کی تمنا میں، نہ اُصول ادب کے توڑ دینے کی آرزو میں، بلکہ میں اسلیے پیتا ہوں کہ بیخودی کی لذت اُٹھاؤں، چوتھے مصرعہ میں مے خوردن کے بعد مست بودنم کو عوام حشو و زوائد سے تعبیر کرینگے مگر نہیں حقیقت اسکے خلاف ہے، اور اس ٹکڑے نے بیان واقعہ کو واقعہ کر دکھایا، اور اب ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے یہ واقعہ ہماری نظروں کے سامنے ہو رہا ہے، اسلیے خیام کی رباعی کا یہ ٹکڑا کلام کو زیادہ مؤثر

بنا دیتا ہے، اور داد کے قابل ہے۔

مختصر یہ ہے کہ خیام صرف بیخودی کی لذت اُٹھانے کی غرض سے شراب پیتا ہے اب دیکھنا چاہیے کہ مرزا کیا کہتا ہے۔

میرا خیال یہ ہے کہ خیام جتنا چار مصرعون مین نہ کہہ سکا اُس سے کہین زیادہ غالب نے دو مصرعون مین کہہ دیا ہے، اور خیام کی تفصیل سے غالب کا اجمال کہین زیادہ وقیع ہے۔

میری نظر مین اس طرح کے کئی شعر ہین، مین مرزا کے شعر سے سب کا موازنہ کئے دیتا ہون۔

(یزید ملعون)

انا المسموم ما عندی بتریاق ولا راق　　ادر کاساً وناولہا الا یا ایہا الساقی

یعنے میرے جسم مین زہر چھٹک رہا ہے اور نہ تریاق میرے پاس ہے، نہ جھاڑنے والا میسر ہے، اے ساقی شراب کا دور چلے، مختصر یہ کہ زہر میری جان لیکر رہیگا، اسلیے جو وقت رہ گیا ہے اُس مین دور جام ہو۔ تاکہ جو گھڑیان باقی رہ گئی ہین وہ موت کے خوف سے بے لطف نہ گزرین۔ عجب نہین جو یہ شعر بعد شہادت مولائے کونین کہا گیا ہو

(خواجہ حافظ)

الا یا ایہا الساقی ادر کاساً وناولہا　　کہ عشق آسان نمود اول ولے افتاد مشکلہا

یعنے پہلے عشق آسان نظر آتا تھا، اب مشکلون کا سامنا ہے، اے ساقی دور شراب ہو تاکہ نشہ مین عشق کی تکلیف تکلیف نہ معلوم ہو، مشکلہا کا ٹکڑا نہایت معنے خیز ہے اور تمام مشکلات عشق پر حاوی ہے، وہ تکلیف انتظار ہو یا درد فراق وغیرہ وغیرہ۔

اب مرزا کا شعر ملاحظہ ہو :-

مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو　　　ایک گونہ بیخودی مجھے دن رات چاہیئے

مرزا صرف نشاط کا استثنا کرتا ہے یعنے مین شراب عیش ونشاط کی نظر سے نہین پیتا، ایک طرح کی بیخودی مجھے ہر وقت چاہیئے۔

یہ شعر اتنا وسیع المعنی ہے کہ اِسکی شرح آسان نہین، نشاط کے سوا جتنی ضرورتین شراب پینے کی ہو سکتی ہین سبھی تو اس مین موجود ہین اسلیے کہ اُن کے سمجھنے کا بار مصنف نے ذہن سامع پر ڈال دیا ہے، بہت سے مختلف پہلو اس شعر مین دکھائے جا سکتے ہین۔

(۱) اب مین حصول نشاط کی غرض سے شراب نہین پیتا، بلکہ عادت پڑ گئی ہے، نہ پیون تو انگڑائیان آئین، بدن ٹوٹے جان پر بن جائے۔

(۲) گناہون کی ندامت میری جان لیے لیتی ہے، نہ بیخودی مین وہ یاد آئینگے، نہ مین تڑپ تڑپ کر رہونگا۔

(۳) دنیا والون سے اس حد کی نفرت ہو گئی ہے کہ حواس مین رہونگا، تو زندگی دوبھر ہو جائے گی۔

(۴) غم بھولا رہیگا۔

(۵) کسی کو مجھ سے آزار نہ پہنچے گا۔

(۶) مجھ کو کسی سے آزار نہ پہونچے گا۔

(۷) بہت سی برائیون سے محفوظ رہونگا، صرف میکشی کا گناہ میرے سر رہے گا زیادہ سے کہ یہ قول ایک رند کا ہے)۔

(۸) قید خرد سے آزاد رہونگا۔

قید ادب سے چھوٹ جاؤنگا۔

(۱۰) مجھے جو درد ہے لاعلاج ہے۔ اسلیے بیخودی کی ضرورت ہے

(۱۱) غم فراق جو ہر وقت رہتا ہے اس سے نجات رہے گی۔

دیکھنے مین یہ شعر بہت صاف ہے، مگر قریب قریب اس کا ہر لفظ معنے کثیر پر حاوی ہے مثلاً۔

(۱) روسیاہ۔ ظاہر کرتا ہے کہ اگر مین نے نشاط کی غرض سے شراب پی ہو تو گنہگار، کون کافر اس نظر سے پیتا ہے۔

(۲) یک گونہ۔ کا مطلب یہ ٹھہرتا ہے کہ مجھے ایک طرح کی بیخودی کی ضرورت ہے یعنی کچھ شراب ہی پر منحصر نہین بیخودی کا حصول مقصود ہے، وہ کسی طرح حاصل ہو جائے، اور کوئی نشہ نہ کھایا شراب ہی پی لی۔

(۳) دن رات کا لفظ قیامت کا ہے، یعنے دن بھر انتہا کے تکلیف پہونچانیوالے خیالات میرے دل مین رہتے ہین اور رات کو سوتا ہون تو ہولناک خواب نظر آتے ہین، مختصر یہ کہ سوتے جاگتے مجھے چین نہین ملتا، اسلیے شراب پیتا ہون۔

(۴) چاہیئے۔ سے شعر کے معنے مین انتہا کا زور پیدا ہو گیا ہے یعنے مجھے بیخودی کا شوق نہین بلکہ یہ میرے لیے لازمی ہو گئی ہے، بلکہ یون کہیے کہ میری دوا ہے۔

مین نے ایک آئینہ رکھدیا ہے جس مین ہر شعر کے خط و خال صاف نظر آتے ہین، اور الحمد للہ کہ ہندوستان ابھی اندھون کی محفل نہین۔

حضرت آرگس مجھے بھی معلوم ہے کہ یہ مضمون عمر خیام کا خاص مضمون ہے مگر بُرا نہ مانئے تو کہون کہ یہ رباعی تو شعر غالب کے سامنے کچھ روکھی پھیکی سی معلوم ہوتی ہے۔

آپ کو داد دینا چاہیے تھی کہ غالب نے خیام کے خاص مضمون پر قلم اُٹھایا تو ایسی تصویر کھینچکر رکھدی کہ خیام کے مرقع (البم) میں مشکل سے ملیگی۔

یہ شعر قلیل الالفاظ کثیر المعنے کی بہترین مثال ہے۔

(بیخود موہانی)

مایۂ تحقیق

شرح قصائد خلاق المعانی حضرت خاقانی
نوشتۂ علامۂ شادمان لکھنوی پر ایک نظر

رسید نہاے منقار ہما بر استخوان غالب
پس از عمرے بیادم داد راہ و رسم پیکان را

ہندوستان کی دنیا بدل چکی اب فارسی کا خواب تو یہان کبھی کبھی نظر آ بھی جاتا ہے مگر جلوۂ ہوشربا نظر نہین آتا انوری و خاقانی کے شیدائی فردوسی و نظیری کے فدائی، اپنی اپنی خوابگاہون مین آرام کر رہے ہین اور اس طرح کہ دیکھنے والا بے اختیار کہہ اٹھتا ہے ؎

اللہ ری بے نیازی آسودگان خاک (خود موتی) اس قرب پر کسی سے کوئی بولتا نہین

ہندوستان کے لیے آج وہ زمانہ ہے جس مین اس امر کا امتیاز مشکل ہے کہ یہان فارسی زبان زندہ ہے یا مردہ اور سچ یہ ہے کہ جب یہ عالم ہو ؎

وہان اب سانس لینے کی صدا آتی ہے مشکل سے
جو زندان گونجتا رہتا تھا آواز سلاسل سے ۔ یگانہ مرزا بانی

تو پھر فارسی مین اُن لوگون کے انہماک اور شیفتگی پر کیون پیار نہ آئے جو آج بھی اُسے کلیجے سے لگائے پھرتے ہین اور یہی وجہ ہے کہ جب کبھی آتش کدہ ایران کی بجھتی ہوئی آگ کی چنگاری رقص کرتی ہوئی نظر آتی ہے تو شکر یزدانی کا زمزمہ لب شوق کے بوسے لینے لگتا ہے کوئی اُستاد کہتا ہے ؎

جنس کساد شکر را نرخ ازان بلند شد کز طرف دیار غم قافلہ نمی رسد

اس قحط الرجال مین جو لوگ فارسی کی حلاوت سے لذت آشنا رہ گئے ہین اُن مین قدر افزائے بیخودنا شاد علامہ سید محمد نقی صاحب شادمان لکھنوی پروفیسر اورینٹل کالج ریاست عالیہ رامپور بھی ہین، آپنے قصائد خاقانی کی شرح لکھی ہے۔ مین علامہ موصوف کی شرح سے پھر بحث کرونگا، پہلے ایک حقیقت کو بے نقاب کرنا چاہتا ہون اور وہ یہ کہ اب ہندوستان مین فارسی کا چراغ گل ہو چکا اگلے خاک نشینون کی یادگارون کے سوا اورون کیلیے اس امر کا احساس بھی قریب قریب محال ہے کہ قصائد خاقانی کی شرح کرنا کام ہے اور بہت بڑا کام، خاقانی وہی شخص ہے جسے دنیا کے نکتہ رس، نکتہ شناس خلاق المعانی کہتے آئے اور آج بھی کوئی اہل دل جسے فارسی سے ذوق ہو، جس سے الفاظ محو تکلم ہون، معانی سرگرم ایما و اشارت ہون، اُسکی خلاق مضامینی جیسے انکار کی جرارت نہین رکھتا تلمیحات کا زور، ابداع و اختراع الفاظ و تراکیب بدیع کا شور، مضامین کا ہجوم، توفر و تنوع اسالیب کی دھوم، طبیعت کی روانی، سوز سخن کی آتش فشانی اُسکا کلمہ پڑھنے والی، ہزار ہا لفظ اُسکے آفریدہ، ہزار ہا مضمون اُسکے درم ناخریدہ، اصطلاحات و مسائل علوم قشتہ پر قلم برداشتہ لکھ جانا، اور یون کہ سخن سنجانہ ادا جانے نہ پائے، یہ خاقانی کی ایک معمولی خصوصیت ہے، یہ وہی کتاب ہے جسکے پڑھانے مین ملک الشعراء

نہیں بلکہ طالب آملی

پایۂ تخت جہانگیری ابوطالب کلیم ہمدانی سا اُستاد یگانہ عہدہ برآنہ ہوسکا، حق یہ ہے کہ اس کتاب کی شرح جیسی چاہیے فی زمانناقریب محال ہے، اور اگر کسی میں یہ قدرت ہو بھی تو اس بیستون کو کاٹ کر جوئے شیر کس اُمید پر لائے، اس حالت میں مکرمی علامہ شادمان نے جو کچھ کیا ہے مستحق صدہزار آفرین ہے، علامہ موصوف نے مجھے اپنی شرح کے تین جزو بھیجے ہیں، جن میں (۵۳) شعار کی شرح فرمائی ہے، میں اُنکا منت گزار ہوں کہ اُنھوں نے اس امر پر زور دیا کہ تنقید مقصود ہے، تقریظ مطلوب نہیں، اب تصویر کے دونوں رُخ اہل نظر کے سامنے آسکینگے، ان اجزا میں قصیدۂ ذیل کی شرح کی گئی ہے۔ مطلع ہے

ہر صبح سر زگلشن سودا برآورم　　　　وز صورِ آہ بر فلک آوا برآورم

اس قصیدے کے چار شارح ہیں جناب محشی جنکی شرح قصائد خاقانی مطبوعہ کے حاشیہ پر ہے، جناب مولانا محمد علی صاحب نامی پروفیسر الہ آباد یونیورسٹی، جناب مولانا سید اولاد حسین صاحب شادان بلگرامی، اور جناب مولانا سید محمد نقی صاحب شادمان لکھنوی

جناب شادمان نے شروح متذکرۂ صدر کے مطالب نقل فرماکر اُن کے صحت وسقم سے بحث کی ہے کہیں تخطیہ کیا ہے، کہیں تائید فرمائی ہے اور ایسا ہی کرنا بھی چاہیے تھا، اسلیے کہ اب ناظرین کرام معقول فیصلہ فرما سکینگے، مگر کہیں کہیں علامہ موصوف علامہ شادان و علامہ نامی سے اختلاف کرنے میں ایسے محو ہوئے ہیں کہ لہجہ ایسا درشت یا ظریفانہ ہو گیا ہے کہ متانت اُنکا منہ دیکھ کر رہ گئی ہے خصوصیت کے ساتھ جو داب تکلم جناب علامہ شادان کے ساتھ اختیار فرمایا ہے اُسپر ہر واقف حال کو تعجب آتا ہے۔ قریب قریب علامہ بلگرامی اور علامہ لکھنوی کی عمر ایک جگہ گزری ہے۔ الفاظ شادان وشادمان کی یکرنگی نے

بھی علامہ بلگرامی کے دامن پر ہاتھ ڈالکر اس شیوۂ گفتار سے باز نہ رکھا حیرت سی حیرت ہے ۔ نقد و تخطیہ عیب نہین، مگر لہجہ کی متانت مین وہ دلربائی ہے کہ بیان و شرح سے بے نیاز ہے، علامہ موصوف نے علامہ بلگرامی کو کہین علامہ الہ آبادی کا پورا پورا شاگرد، کہین پورا پورا مترجم کہا، ان کی شرح کو گرامو فون کا نغمہ قرار دیا، خیر یہ تو جو کچھ لکھا گیا اُسے شرح کے انداز تحریر سے تعلق ہے، اب مین اپنی ناچیز رائے شرح علامہ لکھنوی کے متعلق پیش کرتا ہون، میرا اجمالی فیصلہ یہ ہے کہ علامہ لکھنوی (حضرت شادمان) نے شرح بہت اچھی لکھی ہے اور باقی شرحون سے آپ کی شرح بہت زیادہ وقیع ہے اور آپنے بہت سے مقامات حل کر دیے ہین۔

مطلع

ہر صبح سر ز گلشن سودا برآورم
وز صور آہ بر فلک آوا برآورم

علامہ نامی و شادان نے مطلع ہی سے وہ راہ اختیار فرمائی ہے جو کعبہ نہین ترکستان کو جاتی ہے، خاقانی نے کہا ہے " سر ز گلشن سودا برآورم " ان بزرگون نے اسکا مفہوم یہ قرار دیا کہ خاقانی ہر صبح گلشن سودا یعنی مراقبہ سے مجبور ہو جاتا ہے اسلیے فریاد کرتا ہے، یہ حل دل کو نہین لگتا، اسکے خلاف علامہ شادمان کا ارشاد کہ خاقانی کے گریہ و زاری کا سبب شوق معرفت الٰہی ہے صحت سے دست و گریبان ہے مگر اسکے ساتھ ہی ساتھ مجھے یہ بھی عرض کرنا ہے کہ میری ناچیز رائے یہ ہے کہ اُنھون نے اس شعر کے حل مین ایک نے یادتی اور ایک کمی کی ہے خلاصہ ارشاد علامہ لکھ کر کچھ عرض کرونگا۔

شادمان " یعنی مین عشق حقیقی اختیار کرونگا اور مثل بلبل کے معشوق ازلی کی یاد مین فریاد کرونگا جس کی آواز آسمان تک پہونچے گی، یہ میری آواز

کیا ہو گی صور ہو گی جس سے زمین تو زمین آسمان پر قیامت قائم ہو جائیگی"۔
زیادتی تو یہ ہے کہ شارح علام نے "زمین تو زمین" کا ٹکڑا ایسا رکھدیا جس سے مُراد قائل کو زرا بھی تعلق نہیں یعنی زمین پر قیامت قائم ہو ہی جائے گی آسمان کا بھی یہی حشر ہوگا۔
اور کمی یہ ہے کہ "بر فلک آو ابر آورم" کے ٹکڑے کا مطلب دلنشین کرنے کی کوشش نہیں فرمائی اور میرے خیال ناقص میں جبتک اس کی شرح نہ کی جائے حق شرح ادا نہیں ہوتا۔ "آسمان پر قیامت قائم ہو جائے گی" کا بھی وہ مطلب نہیں جو علامہ موصوف کے الفاظ اور انداز تحریر سے ظاہر ہوتا ہے۔
مجھے اس شعر میں دو پہلو نظر آتے ہیں، جن کی طرف صور قیامت کے دو اثر اشارہ کرتے ہیں (سب کا مرجانا، سب کا زندہ ہوجانا)
(۱) خاقانی یہ کہتا ہے کہ میں ہر صبح گلشن سودا (عشق و مراقبہ) میں پہونچونگا اور ایسے سوز و گداز سے آہ کرونگا کہ عالم ملکوت کے تسبیح و تہلیل کرنے والے پہلے تو اُسے سُنتے ہی دم بخود ہو جاینگے پھر نہایت ذوق و شوق سے زمزمۂ یاد الٰہی میں مصروف ہو جائینگے، مختصر یہ کہ میری آہ اُنپر پہلے استعجاب کا اثر ڈالے گی پھر اُن میں عاشقانہ اور عارفانہ ذوق عبادت پیدا کر دے گی اور اُن کو معلوم ہوگا کہ دل والے خدا کو اس طرح یاد کرتے ہیں یہ دو شعر میرے مدعا کو واضح کر دینگے۔

کدام مرغ اسیر از قفس صفیر کشید   (سعدی)   کہ بُلبلان ہمہ منقار از نوا بستند
میں چمن میں کیا گیا گویا دبستان کھل گیا   غالب   بلبلیں سنکر مرے نالے غزلخوان ہوگئیں

خاقانی کا یہ خیال اس تحقیق و اعتقاد پر مبنی ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہے اور بارامانت (عشق خدا) کا حامل، فرشتے اور انسان میں بڑا فرق ہے، فرشتے نفس امارہ

نہین رکھتے اسلیے وہ عبادت نہ کرینگے تو اور کیا کرینگے، اِن کی عبادت کا محرک حکم آلہی ہے آلہی عشق الہی نہین۔

(۲) ایسی آہ کرون کہ فرشتے عبادت چھوڑ کر بالاے آسمان یون جمع ہو جائین جسطرح اہل محشر میدان حشر مین جمع ہونگے۔ یعنی میری آہ کا اہل آسمان پر وہ اثر ہو جو صور قیامت کا اہل زمین پر ہوگا۔

ہر کوہ چون لعاب گوزن اوفتد بصبح
ہوی گوزن وار بصحرا برآورم

اس شعر کا مطلب بجوری لذت مراقبہ والے ٹکڑے سے قطع نظر کرکے سبنے صحیح لکھا ہے، میرے نزدیک لعاب گوزن سے آفتاب کی شعاعین نہین سپیدۂ صبح مراد لینا چاہیے اسلیے کہ لعاب گوزن مین خاص طرح کی سفیدی ہوتی ہے تابندگی نہین ہوتی، علاوہ برین بانگ گوزن کو ہو سے تعبیر کرکے اسکے لیے ایک نیا اسم صوت پیدا کر دیا گیا ہے اور حالت وحشت مین بارہ سنگھے کے رم کا ذکر کرکے عاشق شوریدہ سر کی رمیدگی کا نقشہ کھینچدیا ہے۔

از اشک خون پیادہ واز دم کنم سوار
غوغا بھفت قلعۂ مینا برآورم

علامۂ لکھنوی فرماتے ہین کہ فاضل بلگرامی نے خون کی جگہ چون بھی پڑھا ہے اور جسب کا ترجمہ کیا ہے میرے نزدیک اچھا نہین، میرے نزدیک خون سے چون کہین

بہتر ہے، اس طرح ایک جھول بھی مٹجاتا ہے، یعنی جب اشک خون یا خونین کہا تو دم عنبرین یا عنبر چاہیے ورنہ لفظون کا توازن باقی نرہے گا، خاقانی کا عام انداز یہی ہے مثلاً ؎

بس اشک شکرین کہ فرو بارم از نیاز بس آہ عنبرین کہ بعمدا بر آورم

شادمان: تم اس موقع پر تعجب کروگے کہ خاقانی تو یاد الٰہی مین ہو رہا تھا یہ جنگی طیاری کیسی؟ اسکی وجہ قابل نامی یہ قرار دیتے ہین " نیرنگ سازیش مرا از لذت مراقبہ جدا کردہ" مگر فاضل بلگرامی نے کچھ سمجھکر محض شعر کے معنی پر اکتفا کی حملہ کی کوئی وجہ نہین قرار دی - تحریر کرتے ہین، جب آنسوؤن کے پیادے اور آہون کے سوار بنالون تو ہفت قلعہ سماوی مین غوغا مچادون "

بیخود: خاقانی ابھی یہ ارادہ کر رہا ہے نہ وہ عالم عشق مین در آیا ہے نہ نالہ و فریاد کر رہا ہے -

علامۂ لکھنوی نے آنسو کو پیدل اور آہ کو سوار کہنے کا سبب آنسوؤن کے اپنے پاؤن سے چلنے اور آہ کے دوش صبا پر سیر کرنے کو قرار دیا ہے اس کی صحت مین کلام نہین -

---

خود بے نیازم از حشر اشک و فوج آہ
کان آتشم کہ یک تنہ غوغا بر آورم

اس شعر کا مطلب سب نے صحیح لکھا ہے مین صرف چند لفظون کی معنویت کیطرف اشارہ کرنا ضروری سمجھتا ہون -

جب گریہ اور آہ کا ساتھ ہوتا ہے تو آہون کی تعداد آنسوؤن سے کم ہوتی ہے اسی طرح

پیدل زیادہ اور سوار کم ہوتے ہیں یہی سبب ہے کہ خاقانی نے اشک کیلیے حشر (بھیڑ۔ ٹڈی دل) اور آہ کیلیے فوج کا لفظ اختیار کیا۔ اسکے بعد "کان آتشم" کا ٹکڑا آتا ہے علامہ لکھنوی نے خود آتشم کہنے کی وجہ یہ بتائی ہے کہ العشق نار آیا ہے، یہاں آتش کا ترجمہ آگ ہی کرنا چاہیے اس سے "یک تنہ غوغا برآورم" خوب سمجھ میں آتا ہے، کیونکہ آگ کی چنگاری شہر کا شہر پھونک سکتی ہے۔ علامہ لکھنوی فرماتے ہیں "فاضل بلگرامی نے "نان آتشم" بھی پڑھا ہے مگر یہ اچھا نہیں"۔ مجھے اس رائے سے اتفاق ہے۔

اسفندیار این و زروئین منم بشرط
ہر ہفتہ، ہفتخوان آتش بہ تنہا برآورم

اس شعر کے لغات حل کرنیکے بعد علامہ لکھنوی رقمطراز ہیں:۔

شادمان ہ، "یہ تینوں شعر ترک تعلقات دنیا و مافیہا میں ہیں شدہ وجہ جو قابل نامی نے اختیار کی ہے یعنی ترک مراقبہ، خاقانی نے باغ عشق الٰہی میں قدم رکھا، عشقی تکالیف سے رویا پیٹا چلایا۔ اشکوں کا دریا بہایا۔ اسی رونے میں وہ خیال قائم کرتا ہے کہ گو میں ترک دنیا کر چکا ہوں مگر پھر بھی قوائے شہوانی پر اطمینان نہیں، کہیں ایسا نہو کہ پھر انکا میلان لذات کی طرف ہو جائے اسلیے ان آسمانوں پر حملہ کر کے ان کو تباہ کر ڈالوں آسمان پر حملہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اسی کی گردش سے تمام مادی چیزوں کا تکون ہوتا ہے، جنپر انسان کی روح خدا سے غافل ہو کر مائل ہو جاتی ہے اور قوائے شہوانی کی مطیع اور بندہ، اسلیے اصل ہی پر حملہ کروں یہ آسمان

ہونگے نہ مادی چیزوں کا نگون ہوگا اوراسی بنا پر عاشقان الٰہی اُن کو دشمن قرار دیتے ہیں چنانچہ خاقانی خود کہتا ہے ؎

آباے علوئید مرا خصم چون خلیل
بانگ ابا زنسبت آبا برآورم "

یہ وجہ سمجھ لینے کے بعد شعر کا مطلب سمجھنا چاہیے۔

"حکیم کہتا ہے کہ میں تو شرطیہ اس اژدہات کے قلعہ کا اسفندیار ہوں، میں تو ہرہفتہ اسکے ہفتخوان کو اکیلا فتح کرونگا اور اپنی عقل و روح کو جو گرفتار عالم فانی ہیں چھڑا کرلے آؤنگا جس طرح اسفندیار اپنی بہنوں کو چھڑا کر لے آیا تھا، مجھے اس پلٹن اور رسالہ کی کوئی ضرورت نہیں۔"

اتنا لکھ چکنے کے بعد علامہ لکھنوی نے علامہ بلگرامی والہ آبادی کا حل نقل فرماکر بہت کچھ ارشاد فرمایا ہے میں اُسے نقل کر کے کچھ عرض کروں گا۔

نامی :۔ "من روزانہ بزور ریاضت و مراقبہ ہفت افلاک را طے کردہ روح خود را ہمچنانکہ اسفندیار خواہران خود را از قید رہا کردہ بود از قید نفس رہا میکنم شادمان :۔ شعر نمبر (۲) میں قابل شارح نے جو حملہ کی وجہ قرار دی ہے کہ آسمان کی نیرنگی مجھے عشق و مراقبہ سے علیحدہ کردیا اسو جہ سے اسپر حملہ کرکے اُسے پارہ پارہ کردونگا۔"

اب یہاں روح قید نفس امارہ سے چھڑائی جاتی ہے، معلوم ہوا کہ اوپر والی وجہ حملہ کی نہ تھی، پھر دن کو تو مراقبہ سے علیحدہ ہی کردیا جاتا ہے۔ روزانہ بزور ریاضت و مراقبہ کیا۔ یا یہ کہ آپ کی عبارت کی تاویل کیجائے اور روزانہ سے شبانہ مراد لیجائے، مگر مشکل ہے

کہ وہ عملدرآمد ہی کو کر رہا ہے، علاوہ بریں شارح کی اس عبارت کا سمجھنا کم از کم میرے لیے بہت دشوار ہے "کہ سات آسمانون کو طے کرکے اپنی روح کو قید نفس امارہ سے چھڑا دونگا" یہ نفس کیا سات آسمانون کے اوپر ہے کہ جن کو طے کرکے روح چھڑائی جائیگی۔

فاضل بلگرامی کا مطلب اور اسکا سقم فاضل بلگرامی باوجود پورے مترجم ہونے کے اسمقام پر آپ کی تھوڑی سی عبارت سے کچھ سوچکر علیحدہ ہوگئے فرماتے ہین" مین روزانہ اپنی قوت ریاضت و مراقبہ سے قید تعلقات عالم سے اپنی روح کو چھڑاتا ہون اور آسمان کے اُس پار پہونچا دیتا ہون اور حضوری خدا حاصل کرتا ہون۔

فاضل بلگرامی، کو جناب نامی کی آخری عبارت مین سقم نظر آیا اسلیے آپ نے روح کو اُس پار لیجاکر خدا سے ملا دیا مگر یہ بھی غلط وہ بھی غلط نہ خاقانی یہ کہتا ہے نہ وہ۔

بیخود - نہایت افسوس ہے کہ مجھے جتنا اختلاف علامہ موصوف کی رائے سے اسمقام پر ہے شاید کہین اور ہو - یہ وجہ بھی ویسی ہی سقیم ہے جیسی علامہ الہ آبادی کی بتائی ہوئی وجہ، جہانتک مین سمجھتا ہون اِس شعر کا جو مطلب علامہ بلگرامی نے بیان کیا ہے وہ تھوڑے سے تغیر کے بعد صحیح ٹھہرتا ہے اسلیے کہ وہ فرماتے ہین:-

شادان :- مین روزانہ اپنی قوت ریاضت و مراقبہ سے قید تعلقات عالم سے اپنی روح کو چھڑاتا ہون اور آسمان کے اُس پار پہونچا دیتا ہون اور حضوری خدا حاصل کرتا ہون"

پہلی غلطی تو اِس مطلب مین "روزانہ" کی ہے دوسری غلطی "زمانہ" کی ہے۔ یعنی چھڑاتا ہون پہونچاتا ہون۔ صحیح نہین، یہان چھڑا دونگا وغیرہ کہنا چاہیے، اسلیے کہ خاقانی ابھی ترک دنیا کا ارادہ کر رہا ہے۔

تیسرے شعر تک خاقانی کے رونے کی وجہ علامۂ الہ آبادی و بلگرامی نے محرومیٔ لذت مراقبہ بتائی ہے مگر اسکے متعلق علامۂ لکھنوی کی رائے صحیح معلوم ہوتی ہے۔

علامۂ لکھنوی نے علامہ الہ آبادی سے یہ سوال کیا ہے۔

"یہ نفس کیا سات آسمانون کے اوپر ہے کہ جن کو طے کرکے روح چھڑائی جائیگی"

مگر مجھے تعجب ہے خود علامہ لکھنوی یہ ارشاد فرماتے ہین کہ مین اپنی عقل و روح کو جو گرفتار عالم فانی ہین چھڑا کے لے آؤنگا۔

اُن کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ عالم فانی نے روح و عقل کو گرفتار کرکے افلاک کے مستحکم قلعہ مین بند کرا دیا ہے اسلیے خاقانی حملہ کرکے اُسے چھڑا لائیگا۔

اس غلطی کا سبب یہ ہے کہ شارحین کرام اسفندیار کے ہفتخوان والے کل قصہ سے مطابقت دینا چاہتے ہین۔ اس شعر مین صرف ہفتخوان طے ہو جانا، یعنی موانع کا سدراہ نہ ہونا قدر مشترک ہے مطلب یہ ہے کہ جس طرح سات سخت منزلین (ہفتخوان) اسفندیار کے لیے منزل مقصود تک پہونچنے مین مانع نہو سکین، تو کوئی ایسا بڑا کام نہین اسکے لیے نہ حشر اشک کی ضرورت ہے نہ فوج آہ کی، اسے تو مین تن تنہا یکسوئی قلب سے صرف ایک ہفتہ مین کر سکتا ہون۔

علامۂ لکھنوی کی بتائی ہوئی وجہ کے یہ ٹکڑے حیرت انگیز ہین:۔

(۱) آسمان پر حملہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اسی کی گردش سے تمام مادی چیزون کا تکون ہوتا ہے، جنپر انسان کی روح خدا سے غافل ہوکر مائل ہو جاتی ہے، اسلیے اصل ہی پر حملہ کرو نہ یہ آسمان ہونگے نہ مادی چیزون کا تکون ہوگا۔

(۲) مین تو ہر ہفتہ اُسکے ہفتخوان کو اکیلا فتح کرونگا اور اپنی عقل و روح کو جو گرفتار عالم فانی
مین چھڑا کے لے آؤنگا جس طرح اسفندیار اپنی بہنونکو چھڑا کرلے آیا تھا۔"

میرے نزدیک یہ وجہ وجیہ نہین اور یہ سارا بجوگ "ہر" کی وجہ سے پڑتا ہے
اسلیے کہ جب آسمان ایک بار تباہ و برباد کر ڈالے گئے اور روح خواہران اسفندیار کی طرح الگ
چھڑا لی گئی تو پھر ہر ہفتہ مین کون تباہ کیا جائے گا اور کون قید سے چھڑایا جائیگا۔ کیا آسمان
مٹجانیکے بعد بادوسکے تیلون کی طرح پھر جیسے تھے ویسی ہی ہوجائینگے۔

میرے خیال مین یہ شعر یون ہوگا ؎

اسفندیار این دژ روئین منم بشرط — در ہفتہ ہفتخوانش یہ تنہا برآورم

حملہ کا ارادہ اسلیے ہے کہ افلاک روح اور لامکان و مبدء روح کے درمیان حاجب ہین
اگر بفرض محال تسلیم کرلیا جائے کہ خلاق المعانی نے ہر ہفتہ ہی فرمایا ہے تو صاد کے سوا کیا
کہا جا سکتا ہے۔

قصائد خاقانی پر نظر کرنیسے میرا یہ اعتقاد ہوگیا ہے کہ اُس سے زیادہ کیا اُسکے برابر
بھی کسی ایرانی شاعر نے لفظی و معنوی ربط و مناسبت و تعلقات ادبیہ مرعی نہین رکھے
یہان ہفتخوان رستم کو چھوڑ کر ہفتخوان اسفندیار کو صرف اسلیے اختیار کیا ہے کہ اسفندیار
روئین تن تھا اور یہان وہ افلاک کو قلعہاے روئین کہنا چاہتا تھا جب ہفتخوان کا ذکر
آچکا تو تھوڑی سی مدت کا مفہوم ادا کرنے کے لیے در ہفتہ کہدیا۔

بس اشک شکرین کہ فرو بارم از نیاز
بس آہ عنبرین کہ بعمد ابر آورم

شادمان:۔ یہ جو میری آنکھون سے آنسو جاری ہین، ان کو تم گریۂ غم نہ سمجھنا میرے دل مین عشق الٰہی ہے اور مجھے اسکی بے انتہا خوشی ہے اسلیے کہ کہان مین ناچیز کہان حسن ازلی کا عشق عزیز الخ"

بیخود:۔ ابھی زمانہ حال کے استعمال کا وقت نہین آیا، اسپر یہ اشعار شاہد ہین

تا کے بر غ کعبہ نشینان عروس دار — چون کعبہ سر زشقہ دیبا بر آورم

او لی ترآنکہ چون حجر الاسود از پلاس — خود را لباس عنبر سارا بر آورم

یہ اشعار دلیل قاطع ہین کہ ابھی تک "خاقانی"، عشق و معرفت کے مراحل طے نہین کر چکا بلکہ صرف ارادہ کر رہا ہے۔

خاقانی اس شعر مین یہ بھی نہین کہتا کہ میرے گریہ کو تم گریۂ غم نہ سمجھنا بلکہ وہ پچھلے شعر مین کہہ چکا ہے کہ ان آسمانی قلعون کے فتح کرنے مین فوج اشک و آہ سے کام نہ لونگا اب کہتا ہے کہ مین روؤنگا، مگر یہ گریہ گریۂ ذوق اور یہ آہ آہِ شوق ہوگی

لب را حنوط ز آہ معنبر کنم چنانکہ
رخ را وضو باشک مصفا بر آورم

ناآمی پر شادمان کا صحیح اعتراض
اس شعر کا مطلب حضرت شاداں اور حضرت شادمان نے صحیح لکھا ہے۔ حضرت ناآمی نے لبون کو مردہ سمجھکر آہ معنبر سے حنوط کرنا ضروری سمجھا، علامہ شادمان نے اُنکا تخطیہ پُرزور اور مدلل الفاظ مین کیا اور اُسکے سامنے تسلیم خم کرنے کے سوا چارہ نہین۔

قندیل دیر چرخ فرو میرد آن زمان
کان سرد باد زآتش سودا بر آورم
دلہائے گرم تپ زدہ راشربتی کنم
زان خوشدمے کہ صبحدم آسا بر آورم

نامی:- "(۱) میں جب وقت ٹھنڈا سانس عشق کی بھڑکتی آگ سے نکلتا ہوں اُسوقت اس بتخانۂ فلک کی قندیل گل ہو جاتی ہے۔

(۲) اینکہ آہ من چنان تاثیری دارد کہ آفتاب را ہم بیتاب میکند و در تب تاب می اندازد"

بیخود:- خبر نہیں کہ فرومُردن قندیل کے معنے یا مفہوم در تب وتاب انداختن بتانا کس تحقیق پر مبنی ہے۔

شارحان نے وہی پرانا دُکھڑا محرومی لذت مراقبہ کا رونا ہے، یا دوسرے معنی آہ بے تاثیر لکھے ہیں۔ علامہ لکھنوی نے اسپر اعتراض کیا ہے جو اُٹھائے نہیں اُٹھ سکتا، قرینہ کلام سے ایسی بے ادائی اللہ اللہ۔

علامۂ لکھنوی:- دیر چرخ میں اضافت تشبیہی ہے۔ چرخ کو دیر اسوجہ سے کہا ہے کہ اس میں اشکال جنوبی و شمالی اور ستارے سیارے موجود ہیں جو بمنزلہ بت ہیں۔

قندیل دیر چرخ آفتاب ہے۔

مطلب:- حکیم کہتا ہے کہ میں باغ عشق میں تو آ ہی گیا اور میرے اندر عشق کی آگ تو بھڑک ہی رہی ہے اگر میں اس بھڑکی آگ سے

ٹھنڈی سانسیں نکالوں تو یقین جانو کہ دنیا کے بتخانوں کی قندیلوں کا تو
کیا ذکر، اتنے بڑے دیر چرخ کی اتنی بڑی قندیل اُسوقت بجھ جائیگی
خاقانی اس قصیدے بھر مین نہ بطریق اشارہ نہ بطریق تصریح کہتا ہے
کہ مین صبح کے وقت عشق و مراقبہ سے علیحدہ ہو گیا۔"

بیخود:۔ مین یہان قندیل دیر چرخ سے آفتاب مراد لیتے ہوئے گھبراتا ہون اسلیے کہ قندیل ساز و سامان بتخانہ اور بتان دلربا کے حسن کو جگمگا دینے کے لیے روشن کیجاتی ہے نہ کہ نظر سے اوجھل کر دینے کے لیے۔ یہ اچھی قندیل ہے کہ روشن کیجائے تو بت اور آرائش بتکدہ سب کے سب غائب ہو جائین۔ یہان قندیل دیر چرخ سے ماہتاب مراد ہے اور بتون سے تارے سیارے۔

مطلب۔ جب مین جوش عشق مین آہ سرد کھینچونگا تو ماہتاب کی قندیل گل ہو جائیگی اور بتخانہ آسمانی کے بت یعنی تارے سیارے یون چھپ جائینگے جس طرح چراغ گل ہوتے ہی ہر شے پر ظلمت کا پردہ پڑ جاتا ہے۔

اس شعر مین حسن تعلیل ہے آفتاب نکلنے سے تارے بے نور ہو جاتے ہین مگر خاقانی اس کی شاعرانہ وجہ یہ بیان کرتا ہے کہ ماہتاب اور ستارون کے غروب ہونے کا سبب طلوع صبح نہوگا بلکہ میری آہ سحری سے قندیل ماہ گل ہو جائے گی اور جب قندیل گل ہو جائے گی تو یہ بت نظرون سے پنہان ہو جائین گے، اور جب شاعر آہ سرد کو نسیم سحری کا ہم اثر کہہ چکا تو کہتا ہے کہ یہی آہ سرد جو ماہتاب کی قندیل گل کر دیگی تپ فراق معشوق حقیقی (محرومان تجلیات ربانی) مین تڑپ تڑپ کر بسر کرنے والون کے دل مین ٹھنڈک ڈال دیگی یعنی میری آہون کے صدقے مین ارباب تجلیات مشاہدا

اُن عشاقِ الٰہی پر بھی کھل جائے گا جن کا سوز ابھی ناتمام ہے۔

قندیلِ دیرِ چرخ سے آفتاب مراد لین تو ساری دنیا بتخانہ ٹھہرے، جسکا فرش زمین چھت آسمان اور تمامی موجودات عالم بت اور ساز و سامان بتکدہ ہین قندیل سقف سے آویزان کیجاتی ہے یا محراب سے، اور آسمان مین سقف اور محراب دونون کی شان نکلتی ہے۔ اگر یہان بھی آفتاب مراد ہو تو بتون سے ستارے سیارے مراد نہین ہو سکتے اور مطلب یہ ہوگا کہ جب مین صبح کو آہ سرد کھینچون گا تو قندیلِ آفتاب بے نور ہو جائے گی اور تمام موجودات پر رات کا سا تاریک پردہ پڑ جائے گا یعنی مراقبہ کی محویت مین ساری دنیا میری نظرون سے اوجھل ہو جائے گی یہان تک کہ آفتاب سی عالمتاب شے بھی موجود نہ معلوم ہوگی صرف جلوۂ یار پیش نظر ہوگا۔

دلہائے گرم تب دہ را شربتی کنم — زان خوشدمے کہ صبح دم آسا برآورم

اس شعر مین یہ لطف بھی ہے کہ معنی ضمیر درست پیدا ہوگئے ہین، یعنی وہی آہ سرد جو ہوا تھی رقیق ہو کر شربت بن گئی۔

ہر دم مرا بعیسیٰ تازہ است حاملہ

زان مردمے چو مریم عذرا برآورم

علامۂ بلگرامی و لکھنوی نے اس شعر کا مطلب لفظون کے الٹ پھیر سے ایک ہی لکھا ہے جس کی صحت مین کلام نہین، علامۂ ناطقی نے ہر دمے کو مردمے وال کے پیش سے پڑھا ہے اور اس مین یائے تعظیم تجویز فرمائی ہے اور فرماتے ہین کہ اس بڑے آدمی سے حضرت عیسیٰ مراد ہین، میرے نزدیک یہ کوہ کندن و کاہ برآوردن

ہے اور بہر حال بے ضرورت اور بے لطف مُرْدنے وال کے زبر سے معنی دیتا ہو مگر ہر دستے کو ترجیح ہے اور اسی کو علامہ لکھنوی نے اختیار فرمایا ہے۔

زین رُو ے چون کرامت مریم بباغ عمر
از نخل خشک خوشہ خرما برآورم

شادمان " نخل خشک سے ہر شارح نے قلم مراد لی ہے مین اسکو غلط نہین کہتا، مگر میرے نزدیک خود خاقانی کا قد مبارک مراد ہے جو عشق کی تکالیف سے خشک ہوگیا۔

خوشہ خرما مضامین عشقیہ نہ کلام شیرین جسکو قابل نامی وفاضل بلگرامی نے اختیار کیا ہے "

بیخود :- مجھے اس راے سے اتفاق ہے، لیکن اگر نخل خشک سے قلب صنوبری مراد ہو تو بھی کوئی قباحت لازم نہین آتی۔

تردامنان کہ سر بگریبان فرو برند
سحر آورند من ید بیضا برآورم

شادمان " تردامن۔ گنہگار، یہان اُن متصوفین سے مراد ہے جو عشق الٰہی کے جھوٹے دعوے کرتے ہین اور اُن مین فی نفسہ عشق نہین ہوتا۔ جناب محشی ونامی و بلگرامی ہمعصر شعرا مراد لیتے ہین "

بیخود :- میرے نزدیک علامہ لکھنوی حق پر ہین۔ مطلب بھی انھون نے

صحیح بیان فرمایا ہے یعنی میرا کلام سچے عشق کیوجہ سے ید بیضا یعنی معجزہ اور مدعیان معرفت (ریاکار صوفی) کے اقوال سحر یعنی باطل۔

نامی: "اینکہ من موسیٰ طور کلامم و حریفان من (گنہگار شعراء) ہمچو گروہ فرعون مردود اند و کلام شان پیش کلام چون سحر باطل میشود فروغ نمی یابد"

بیخود۔ گنہگار سے حریف شعراء مراد لینے مین جناب نامی نے سہو فرمایا، باقی حق یہ ہے کہ گروہ فرعون کی طرف انکا خیال بیجا نہین گیا،

خاقانی پردہ پردہ مین حضرت موسیٰ اور ساحران دربار فرعون کے مقابلہ اور ید بیضا کے نظر خیرہ کردینے والے معجزہ کی چھوٹ ڈال رہا ہے اور لفظون مین واقعہ کی تصویر بھی ہے اور تصویر بھی ایسی دلکش جیسے باریک چلمن کے اودھر بجلی کا جھمکڑا ہو۔

دل در مغاک ظلمت خاکی فسردہ شد
رختش بتاب خانۂ بالا بر آورم
رستی خورم ز خوانچۂ زرین آسمان
و آوازۂ صلا بہ مسیحا بر آورم

شادمان:۔ نامی نے اس شعر کے مرادی معنی بیان فرمائے کہ مین اپنے دل کو تعلقات اہل دنیا سے علیحدہ کرکے عالم بالا پر لیجاؤنگا۔

یہان صرف عالم بالا کہنا کافی نہین بلکہ شعر مین افسردگی اور

تابخانہ کا ذکر ہے، چاہیے تھا کہ اس تنوری روشنی سے فائدہ اٹھانیکا خیال ظاہر کیا جاتا۔"

شادان:۔"مین اپنے دل افسردہ کو چرخ چہارم پر فیض آفتاب معرفت سے جوش پیدا کرنے کے لیے لیجاؤنگا۔"

اسپر شادمان کا ایراد یہ ہے کہ بھلا چرخ چہارم سے آفتاب معرفت کو کیا خصوصیت ہے۔ اور حق یہ ہے کہ انکا یہ ارشاد بجا ہے۔

خود علامہ لکھنوی دل کو چرخ چہارم پر لیجانیکی وجہ یہ بتاتے ہین کہ آفتاب کی خوب سرخ سرخ سلگی ہوئی تنوری روشنی سے گرمی پہونچاؤنگا۔ مین اتنا اضافہ اور ضروری سمجھتا ہون کہ تنور و الامکان گرم ہوگا، اُس سے ہی گرمی پہونچے گی۔

اِس شعر کی شرح سے پہلے اگر یہ کہدیا جاتا تو بہتر ہوتا کہ خاک کا مزاج خشک سرد ہے، زمین کی تعبیر مغاک ظلمت خاکی سے نہایت لطیف ہے۔ (مغاک۔ گڑھا غار) ظاہر ہے کہ گڑھے اور کنوئین مین سطح خاک سے زیادہ سردی ہوتی ہے اور آسمان پر نظر کرتے ہوئے زمین کا مغاک ہونا تشریح کا محتاج نہین۔ ظلمت مستلزم ہے عدم نور کو، بلکہ ظلمت نام ہے عدم نور کا، جہان روشنی نہ آئے گی وہان سردی کا ہونا لازمی ہے۔

"ستی خورم نہ خوانچۂ زرین آسمان آوازۂ صلا بمسیحا برآورم"

بیخود:۔ شادمان نے خوانچہ زرین مین اضافت تشبیہی بتائی اور یہی صحیح ہے نامی نے خوانچۂ زرین سے آفتاب مراد لیا اور بلگرامی نے فلک البروج سے کنایہ لیا، علامۂ عدم آبادی (محشی) فرماتے ہین:۔

"سخن آنجانی گویم۔ اما ہیچ نگویم کہ عیسیٰ کہ فصیح گو ہست ازین استفادہ بُرد۔

لے این ہر دو بیت را اقتضائے تمامی ہم است"

علامۂ لکھنوی اس حل کو سخت مضحکہ انگیز فرماتے ہین اور سب بھی ایسا ہی تقاضائے تمامی والے جملہ کا مطلب مین بیان کر دون یعنی اسے قطعہ نہ قرار دین تو بھی ہر شعر اپنے معنی دیتا ہے، نامی خوانچہ زرین سے آفتاب مراد لیتے ہین۔ رُستی سے غذائے روحانی و کلام لاثانی سمجھتے ہین اور مطلب یہ لکھتے ہین۔

"اینکہ من ترک دنیا کردہ ام از عالم بالا چنان فیض یابم کہ حضرت عیسیٰ را کہ در مہد گویا شدہ بود جہت حصول لذت و استماع کلام خود می طلبم"

علامۂ بلگرامی فرماتے ہین۔

"فلک چہارم یا ہشتم پر نان فیض روحانی کھاؤنگا" الخ

اسپر علامۂ لکھنوی کا ایراد ہے کہ اگر یوہین ہے تو پھر خاقانی یہ کیا کہتا ہے ع

زین نان دہان بآب تبرا برآورم

یہ استدلال نہایت قوی بلکہ لاجواب ہے۔ حقیقتاً جب فیض روحانی مراد ہو تو اس سے تبرا کرنا کیا معنے۔

علامہ لکھنوی سے اختلاف — علامۂ لکھنوی نے مسیحا کی دعوت کرنیکا سبب یہ بیان کیا کہ چونکہ وہ بہت بڑی روٹی ہے۔ اسلیے بطور ایثار حضرت عیسیٰ کو بھی بلاؤنگا کہ تم بھی کھالو میرے نزدیک حضرت عیسیٰ کو دعوت دینا برسبیل تعریض و طنز ہے۔ یعنی دیکھو تم کو اتنا زمانہ گزرا کہ اس نعمت سے کامیاب ہو تمہارے منہ سے کبھی نہ نکلا کہ اؤ تم بھی شریک ہوجاؤ۔

دوسری صورت خاقانی ہمیشہ اس نعمت سے محروم رہا تھا، اب جو اُسے عالمِ خیال مین یہ دن نصیب ہوا تو اترانے لگا، اگر نہ اترانا تصنع ہوتا

چون در تنور شرق پزد نان گرم چرخ
آواز روزہ بر ہمہ اعضا برآورم
نے نے من از خراس فلک در گزشتہ ام
سر زان سوفلک بہ تماشا برآورم

جناب شادمان سے اتفاق

جناب نامی "نان گرم چرخ سے آفتاب مراد لیتے ہین

حضرت شادمان فرماتے ہین کہ چرخ پزد کا فاعل ہے

لاریب یہ قول غلط نہین۔

اب رہا شعر کا مطلب اُسکے بارے مین یہ کہنا کہ علامۂ الہ آبادی علامۂ بلگرامی نے مقام کی مناسبت سے بحث نہین رکھی روزہ کی فضیلت بیان کردی شرعی حیثیت سے اِس مین کلام کی گنجائش نہین، مگر خاقانی کو اس محل پر اِس بات سے کوئی سروکار نہین، وہ تو بقول علامۂ لکھنوی یہ کہہ رہا ہے کہ مین اب لامکان کی سیر کرونگا مجھے آسمان کی بڑی چکی یا آفتاب کی روٹی سے کیا تعلق۔

آبستنم کہ چون رسدم بوے نان گرم
از سینہ باد سرد تمنا برآورم

نیستم ہے جیسے
افادہ استاذی م

نامی "آفتاب نکلنے پر اگرچہ مجھے دنیوی ضرورتین پیش آتی ہین

لیکن چونکہ مین فیض آلہی روح القدس انوار واسرار معرفت سے
حاملہ ہون اسلیے خواہشات دنیوی کیطرف رخ نہین کرتا اسلیے کہ
حاملہ کا حمل گرم روٹی کے کھانے سے ساقط ہوجاتا ہے"

بلگرامی "آفتاب کو اعظم آیات آلہی سمجھکر اُسکے حصول کی خواہش
کرتا ہون"

علامہ لکھنوی نے اس شعر کے دو مطلب تحریر فرماتے ہین:-

(۱) "گو مین اس سفید روٹی کو استعمال نہین کرونگا بلکہ مین نے تو یہانتک
انتظام کرلیا ہے کہ میرے اعضا بھی استعمال نہ کرین اور روزہ رکھین
مگر پھر بھی اس مادّی عالم کی رغبت کچھ ایسی ہے کہ جس وقت اس
گرم گرم روٹی کی خوشبو میرے مشام مین پہونچتی ہے تو اُسکی خواہش
مین میرے سینے سے ٹھنڈی ٹھنڈی سانسین نکلتی ہین کیونکہ
مین ابھی دنیوی خیالات سے حاملہ ہون۔

(۲) مین تو عالم لامکان مین آگیا اور خیالات عشقیہ سے حاملہ ہوگیا
اب اگر میرے مشام مین اس گرم گرم روٹی کی خوشبو پہونچے گی
اور مجھے اس کی تمنا ہوگی تو مین سر سے اس باد سرد تمنا ہی کو
سینہ سے باہر نکال پھینکونگا"

(بیخود)

سبب اختلاف اس شعر کا پہلا مصرع استفہام انکاری ہے، خاقانی کہتا ہے
کیا مین حاملہ ہون کہ بوئے نان گرم میرے مشام مین پہونچے تو مین اُسکی حسرت

مین آہ سرد کھینچنے لگون۔

آب سینہ زنان سفید فلک بہ است
زین نان دہان بآب تبرا بر آورم

محشی: "نان دہان اسم فاعل ترکیبی قضا و قدر، وہ فرشتے جو دانے پانی کے موکل ہین۔
آب طوفان عشق نان سفید فلک سے بہتر ہے، اندرین صورت مین ان روٹی دینے والون (قضا۔ قدر) یا فرشتون پر لعنت.......
کرتا ہون"
حضرت نامی بھی یہ تغیر قلیل یہی فرماتے ہین۔
شادمان:۔"ان بزرگون کے اقوال حد کفر تک پہونچتے ہین"
نیخود۔ اگر نان دہان اسم فاعل ترکیبی ہے تو پھر بآب تبرا بر آورم کے معنی کیا ہین۔ "دہان بہ آب بر آوردن"۔ منہ کو غوطہ کرنا یعنی مین اس روٹی (آفتاب) پر لعنت نہ بھیج دونگا۔

آبائے علو نیند مرا خصم چون خلیل
بانگ ابا ز نسبت آبا بر آورم
از خاصگان مراست دم سر مہر عشق
ہر جا کہ محرمیست دم آنجا بر آورم

در کوے حیرتے کہ ہمہ عین آگہی است

نادان تمایم ودم دانا برآورم

الحمد للہ کہ ان اشعار مین سب صراط مستقیم کے سالک رہے۔

چون نائے اگر گرفتہ دہان دارد دم جہان

این دم زراہ چشم ہمانا برآورم

الہ آبادی:- "جب تک آنکھون مین دم رہے گا، راز معرفت بیان کرنا نہین چھوڑونگا"

لکھنوی:- "رو رو کر اظہار عشق کرونگا"

بلگرامی:- "آنکھون کے اشارے سے ادا کرونگا"

جناب محشی:- "آنکھون کے اشارے سے ادا کرونگا"

بیخود:- علامۂ لکھنوی نے گرفتہ دہان کی معنویت اور صورت ظاہری پر نظر نہین فرمائی۔ جب کوئی کچھ کہنے لگتا ہے اور دوسرا شخص اُسکے منہ پہ ہاتھ رکھدیتا ہے تو وہ شخص روتا نہین بلکہ اگر کہنا ضروری ہے تو اشارون مین کہتا ہے میرے خیال مین جناب محشی نے خوب سمجھکر لکھا ہے جس سے یہ مراد ہو سکتی ہے کہ رمز وکنایہ مین ادا کرونگا۔

اب رہی شعر کی لفظی ومعنوی لطافت، یہ خاقانی کا عام انداز ہے کہ ایسے الفاظ وتشبیہات واستعارات مین ادا ے مطلب کرتا ہے کہ بیانِ واقعہ واقعہ بنجاتا ہے، کہنا صرف یہ تھا کہ زبان سے کہنے نہ دینگے تو اشارون مین کہہ جاؤنگا

اسکے لیے نے کی تشبیہ سے کام لیا۔ نے بجاتے وقت انگلیاں سوراخہاے نے پر رہتی ہین اور دہانِ نے نواز لب شہناپر گویا منہ بند کردیا گیا۔ اور آواز نکلتی ہو سوراخون سے، شعر پڑہتے وقت خدا جانے کیا کیا نظر آنے لگتا ہے اور الفاظ شعر مفہوم کے لیے آئینہ جلوہ نما بنجاتے ہین

ورساق من چو چنگ بہ بندد بدہ رسن
ہم بساق عرش معلّٰی بر آورم

علامہ لکھنوی والہ آبادی دونون سے اتفاق

علامۂ لکھنوی دہ رسن سے دس دس زنجیرین (جن سے کثرت مراد ہے) سمجھتے ہین اور علامۂ الہ آبادی حواس عشرہ مراد لیتے ہین دونون قول صحیح ہین، اگر کچھ فرق ہے تو اتنا کہ علامۂ لکھنوی کے قول سے کلام کا زور بڑھ جاتا ہے، علامہ الہ آبادی کے ارشاد سے لطافت اس مین کچھ شک نہین کہ یہی حواس عشرہ روح کو مادیات مین اُلجہاے رہتے ہین

با روزگار ساختہ رنگم ہوسے آنکہ
امروزکار دولت فردا بر آورم

اس شعر کا مطلب اہلِ خاکسار کی رائے مین سب نے صحیح لکھا ہے۔ یعنے زمانہ کی ہمرنگی اسلیے اختیار کی ہے کہ اپنی عاقبت بناوٗن۔

جام بلور درخم رویین بدستم است
دست از دہان خم بمدارا برآورم

شادمان :۔ "جام بلور ۔ آفتاب

مطلب ۔ بیشک یہ جام بلورین (آفتاب) کہ جو خم رویین مین ہے، میرے قبضہ تصرف مین ہے اسکو ترک کرونگا مگر برفق و نرمی"

علامۂ لکھنوی علامۂ بلگرامی والہ آبادی نے جام بلور کی تعبیر دل یا دجود سے کی ہے یہی ٹھیک ہے" جناب محشی اور جناب نامی نے دوسرا مطلب

سے اختلاف یہ بیان فرمایا ہے۔

نامی :۔ "این است کہ من بہ تاثیر آفتاب اگرچہ سخنور کامل ہستم لیکن حصول کلام انسان بمدارات می کنم یعنی کلام آسمانی را بہ لغو گوئی صرف نمی کنم بلکہ جز شریعت شریفہ مضامین تصوف چیزے نمی گویم"

بیخود :۔ یہ مطلب نہین خواب پریشان ہے، ایک اور مطلب حضرت نامی و محشی و بلگرامی نے لکھا ہے

" یعنی اینکہ دل صاف مرا با سنگدل آسمان یا اہل زمانہ کار افتادہ، پس با یشان بامدارا بسر می برم و بہ نرمی عرض مدعا میکنم تا دل مرا از ایشان خوف ضرر نماند چنانکہ جام بلور را از خم رویین"۔

یہ ارشاد بجا ہے ہان "بہ نرمی عرض مدعا می کنم" کا ٹکڑا کا داک واقع ہوا ہے شاعر کا مقصود یہ ہے کہ اگر زمانہ سے ان بن ہو گئی تو عاقبت کا بنانا محال ہو جائے گا۔

تا چند بہر صیقلی زنگ چہرہ ہا
خود را بزنگ آئینہ رعنا برآورم

علامۂ شادمان سے اختلاف — ارشاد علامۂ لکھنوی "چہرہ ہا مین یہ (ہا)
علامۂ نامی و بلگرامی سے اتفاق — زائد ہے، نہ جمع کا۔ مین کہین اور بھی کہہ
آیا ہون کہ خاقانی اکثر زائد لایا ہے"

ہیچمدان۔ اِس شعر مین (ہا) جمع کا ہے زائد نہین، چہرہ منہ اور گال دونون معنون پر اہل زبان کے کلام مین آیا ہے جس طرح "رُخ" دونو گالون کے معنون پر، مجھے "دو چہر" کی مثال اس وقت یاد نہین آتی مگر اس کی صحت مین شک نہین "دو رُخ" کی مثال حاضر ہے۔ خدائے سخن فردوسی داستان رُستم و سہراب مین سُہراب کے زخمی ہونے پر اُس کی زبانی کہتا ہے ؎

چو برخاست آواز کوس از درم — بیا مد پُر از خون دو رخ مادرم

اِس شعر مین چہرہا سے اہل دنیا کے چہرے حضرت نامی و شادان نے مراد لیے ہین اور ہیچمدان خاکسار اِسی کو صحیح سمجھتا ہے اسلیے کہ اسکے کچھ معنی نہین ہوتے کہ مین کبتک اپنے چہرے کا زنگ مٹانے کے لیے اپنے آپ کو آئینہ کی طرح خوبصورت (مصفا) یا دو رنگ (باعتبار رو و پشت آئینہ) بنائے رکھون۔ اسلیے کہ خود ہی آئینہ ہین اور خود ہی منہ دیکھنے والے اور خود ہی منہ کے داغ اور دھبے چھڑانے والے" جناب نامی فرماتے ہین:۔

"کہ مین کبتک ریاکاری سے دنیا والون کا ہادی بنا رہون درانحالیکہ خود میرا ظاہر اچھا اور باطن بُرا ہے"

اشعار شمارہ ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱ کا حل علامہ لکھنوی نے نہیں لکھا، اور نہ کسی سے اختلاف فرمایا ہے۔

خارا چو مارہ برکشم ولیں مبایب عصا
دہ چشمہ چون کلیم ز خارا برآورم

شادمان: "اس ریشمی لباس کو سانپ کی کیچلی کی طرح اُتار کر پھینکدونگا اور صاحب کرامت ہوجاؤنگا، پھر میں اگر حضرت موسیٰ کی طرح پتھر پر عصا مارونگا تو ایک چھوڑ دس چشمے جاری ہوجائینگے یعنی مجھسے ایسے افعال سرزد ہونگے جو مفید خلق اللہ ہونگے"

نامی: "دہ چشمہ مراد دہ لطیفہ، یا دہ حواس خود را از آلودگی نفس پاک کنم"

بیخود: میرے خیال میں علامۂ لکھنوی کے ارشاد کا یہ جزو "یعنی مجھسے ایسے افعال سرزد ہونگے جو مفید خلق اللہ ہونگے" اور علامۂ نامی کے ارشاد کا یہ ٹکڑا کہ حواس عشرہ کو آلودگی نفس سے پاک کرونگا" بے محل ہے ہاں دہ لطیفہ والا ٹکڑا لطیف ہے اور تصوف سے اُسی کو زیادہ تعلق ہے

دو ز رو و سُرخ شام و سحر بودہ ام کنون
تن را بعودی شب یلدا برآورم

شادمان: "میں اسوقت تک رات دن کی رنگ رلیون میں

پڑا رہا، مگر اب درویشون کا سیہ جبّہ پہنونگا۔

خلاصہ :۔ بہ لباس فقر شب بیداری کردن میخواہم ؂

بیخود :۔ میرے خیال مین علامۂ لکھنوی نے یہان دادِ سخن فہمی دی ہے اور علامۂ الہ آبادی شرحِ شعر سے عہدہ برآ نہو سکے، بیشک "تن را بعودی شب بلید ابرآورم" کو شب بیداری کرنیسے کوئی رابطہ نہین۔

داؤد شادی آبادی: ترجمہ" اب سے پہلے مین صبح و شام کو جب شفق پھولتی تھی مراقبہ کرتا تھا اب سے شب بیداری کیا کرونگا ؂

یہ اُسی مطلب کا ایک جزو ہے جو حضرت نامی نے لکھا ہے اِسکا سقیم ہونا ظاہر ہے اسلیے کہ اشعار ماسبق و مابعد کا مفہوم یہ ہے کہ اب تک مین آلودۂ دنیا تھا اب تارکُ الدنیا ہو جاؤنگا ؂

چون شب مرا ز صادق و کاذب گریز نیست
تا آفتابے از دل و روا برآورم

علامۂ الہ آبادی و بلگرامی نے صادق و کاذب سے تجلیات و مغالطات مراد لیے ہین ان کی صحت و لطافت مین محل کا خیال کرتے ہوئے کلام ہے۔

علامۂ لکھنوی نے صادق سے عالم عشق و محبت اور کاذب سے مادی دنیا مراد لی ہے اور آپ اِس شعر کو شعر ۲۵ یعنی ؎

با روزگار ساختہ رنگم بہوے آنکہ امروز کار دولت فردا برآورم

سے مربوط قرار دیتے ہین اور یہی قول قرینِ صواب ہے۔

جناب محشی نے آفتاب سے سخن مغلق سمجھا اور یہ ایسا سمجھنا ہے جسے خود وہی سمجھے
علامۂ لکھنوی نے بھی اِسے رد کیا ہے اور یہ ہے بھی رد کرنیکے قابل۔

برسوگ آفتاب وفا زین پس ابرِوار
پوشم سیاہ و بانگ معزا برآورم

علامۂ لکھنوی :۔ "آفتاب وفا سے خود وفا مراد ہے"

علامۂ بلگرامی :۔ "وفا سے مراد میثاق روزالست ہے"

علامۂ لکھنوی فرماتے ہین :۔

"یہ جو مین نے کہا کہ مجھے دنیا اور اہل دنیا سے کچھ نہ کچھ علاقہ ضرور رکھنا پڑیگا مگر افسوس ان دونون مین وفا نہیں بلکہ وفا تو بالکل مردہ ہوگئی اندرین صورت مین اِس مردہ وفا کے سوگ مین لباس تعزیت پہنونگا اور ماتم پُرسی مین آواز نکالونگا"

علامۂ بلگرامی نے وفا سے میثاق روزالست مراد لی ہے اور یہی صحیح ہے ظاہر ہے کہ جو شخص ترک دنیا کریگا وہ اتنے زمانہ تک پیمان الست کے فراموش کردینے پر افسوس کئے بغیر نہ رہے گا۔

چند از نعیم سبعۂ الوان چو کافران
کار جحیم سبعہ ز معا برآورم

علامۂ لکھنوی و الہ آبادی نے "کار جحیم سبعہ زامعا" پڑھا اِسکی صحت مین کلام نہین

لیکن علامۂ بلگرامی نے جحیم سبعہ امعا پڑھا اور از کو حذف فرما دیا جس سے مفہوم شعر میں ایک نازک فرق پیدا ہوگیا۔ اول الذکر حضرات نے فرمایا کہ " انتڑیوں سے دوزخ کے سات طبقوں کا کام لیتا رہونگا" آخر الذکر بزرگ نے خود امعائے سبعہ کو ہفت دوزخ کہدیا اور ظاہر ہے کہ اس سے معنی کا زور کتنا بڑھ گیا۔ میرے خیال میں اسی کو ترجیح ہے۔ اول تو اس سے شعر کا ترنم بڑھ جاتا ہے، پہلے مصرع میں نعیم سبعہ الوان کہا تھا دوسرے میں جحیم سبعۂ امعا فرمایا۔ سبعۂ الوان کے استعمال سے اپنے کو دوزخ کے عذاب کا سزاوار بنانا اور ہے اور پیٹ کے دوزخ کا بھرنا اور۔

شویم دہان حرص بہفتاد آب و خاک
وآتش ز باد خانۂ احشا بر آورم

علامۂ لکھنوی:۔" میں دہن حرص کو ستر آب و خاک سے پاک کرکے اسکی انتہائی طہارت کرونگا، اور بالکل بھوکا رہ کر اپنے معدہ اور آنتوں کے باد خانہ سے آگ نکالونگا"۔

بیخود:۔ اصل لغات کے سلسلہ میں بتایا ہے بھوک میں معدہ کی حرارت بڑھ جاتی ہے۔ اِس کلیہ سے اختلاف نہیں مگر علامہ موصوف کا صرف یہ کہدینا کافی نہیں کہ آگ نکالونگا۔ علامۂ الہ آبادی فرماتے ہیں:۔

"میں آنتوں کے باد خانوں سے حرص کی آگ نکال دوں"۔

یہ شرح سقیم ہے اور عقیم، وجہ یہ ہے کہ جب شاعر نے حرص کو ذی روح تصور کرکے اسکے لیے دہن تجویز کردیا تو پھر اس قول کے کچھ معنی نہیں رہتے کہ میں حرص کا منہ

دہوکر اسکے پیٹ سے حرص کی آگ نکالونگا۔

علامۂ بلگرامی فرماتے ہین ،۔ کہ با دخانۂ احشا سے آگ نکالونگا یعنی انکو جلا کر خاک کر دون گا . مطلب یہ ہے کہ مین حرص کو ترک کر دونگا"

" اُن کو جلا کر خاک کر دونگا" یہ تعبیر معنی بھی حسن و صحت سے بیگانہ ہے میرا خیال یہ ہے کہ خاقانی اِس شعر مین معنی صیرورت پیدا کر رہا ہے ، اور کہتا ہے کہ بادخانہ احشا کی ہوا تخیل ہو کر آگ بن جائے گی اور آگ سے مراد آتش عشق و معرفت ہے۔

بلبل شیراز کہتا ہے ؎

اندرون از طعام خالی دار تا درو نور معرفت بینی

قرص جوین و خوش نمکے از سرشک غم

بزانکہ دم زمیدۂ دارا برآورم

شنجود - اِس شعر مین مجھے صرف اتنا ہی کہنا ہو کہ نمک اور آنسو کی تشبیہ نہایت بدیع واقع ہوئی ہے ، آنسوؤن کا رنگ نمک کی طرح سفید اور مزہ نمکین ہوتا ہے اسلیے اُسے شور آبہ شور با کہنا نہایت پُر لطف ہے ، اگر اِس شعر مین خوش نمک سے مزہ دار نمک ہی مراد لین تو بہتر ہے اسلیے کہ جو کی روٹی کا نمک سے کھاتا انتہائے زہد ہے نمک اور جو کی روٹی سے انتہائے قناعت اور مائدۂ دارا سے انتہائے نعمت کا اظہار ہوتا ہے اور دونون کا تقابل بھی پر لطف ہے۔

ہم شور ہائے اشک نہ سکبائے چہرہا
کین شور بہ قیمت سکبا برآورم

علامۂ الہ آبادی نے سکبائے چہرہ سے اُمرا کی ترشروئی مراد لی ہے یہ صحیح ہے مگر علامۂ لکھنوی اس سے اپنی بے چینی مراد لیتے ہین اور ایمان کی یہ ہے کہ یہ نہایت لطیف ہے یعنی خوشی خوشی کھاؤنگا اور میرے چہرے پر ناگواری کے آثار تک نہونگے۔

مولو مثال دم چو برآرد بلال صبح
من نیز سر ز چو خہ خارا برآورم

علامۂ لکھنوی فرماتے ہین کہ یہ شعر یہان بے ربط ہے اور اسے اس شعر کے بعد ہونا چاہیے ؎

خارا چو مار برکشم آنگہ از عصا   دہ چشمہ چون کلیمؑ ز خارا برآورم

اور حقیقت بھی یہی ہے۔ میرے خیال مین یہان خارا کے معنی سنگ سخت لینا چاہیے یعنی راہبون کی طرح ترک لباس کرونگا اور پتھر کے غار سے بقصد عبادت نکلونگا گویا جبتک غار کوہ مین تھا لباس خارا پہنے تھا۔

چون عیش تلخ من بقناعت نیوہ خوش
زان حنظل شکر شدہ حلوا برآورم

علامۂ لکھنوی کا خیال ہے کہ خاقانی کے الفاظ کچھ اور ہونگے اور اگر یہی ہین تو وہ جناب نامی کے حل پر اکتفا فرماتے ہین اور حضرت نامی کا ارشاد یہ ہے:۔

"اینکہ زندگی من ہمچو حنظل، تلخ شدہ مگر قناعت دران مثل شکر بیامیخت کہ بباعث آن مرا لذت خلوت بیامد یعنی اکنون مرا قناعت بسیار لذت بخش و مسرت انگیز معلوم میشود۔"

جناب بلگرامی نے عیش تلخ کو حنظل سے تعبیر کیا ہے اور یہ مطلب بیان فرمایا ہے جبکہ میری زندگی تلخ قناعت محض پر راضی نہ تھی تو مین نے اُس مین قناعت کی شیرینی ملاکر اُسے حلوائے لذیذ بنادیا یعنی باوجود عیش تلخ قانع ہون۔

بیخود:۔ مجھے علامہ لکھنوی کی اِس رائے سے اتفاق ہے کہ اِس شعر مین تصرف کاتب ہے، انھون نے حضرت نامی کے حل پر قناعت فرمائی مگر مجھے نہین ہوسکتی اسلیے کہ وہ جناب فرماتے ہین چونکہ میری زندگی قناعت پر خوش نہ تھی اسلیے مین اِس شکر ملے ہوئے حنظل سے حلوا تیار کرتا ہون۔ مطلب اینکہ "زندگی من ہمچو حنظل تلخ شدہ مگر قناعت دران مثل شکر بیامیخت کہ بباعث آن مرا لذت حلوا بیامد"، جب زندگی قناعت پر خوش نہ تھی تو قناعت اُس مین شکر کیطرح ملی کیونکر اور یہ حلوا تیار کیونکر ہوا۔ اسلیے کہ خاقانی حنظل ہی کا شکر بنجانا بیان کرتا ہے علامہ بلگرامی کی عبارت اِس سے زیادہ اُلجھی ہوئی ہے، وہ فرماتے ہین:۔

"جبکہ میری زندگی تلخ قناعت محض پر راضی نہ تھی تو اُس مین مین نے قناعت کی شیرینی ملاکر حلوائے لذیذ بنا دیا۔"

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب زندگی قناعت محض پر راضی نہ تھی تو اُس مین قناعت کی شکر ملائی کیونکر گئی مین تو اِس معجزہ کی شان رکھنے والی عبارت کے سمجھنے کی قابلیت نہین رکھتا۔ اور یہی حال علامہ نامی کی عبارت کا ہے، میرے نزدیک عیش تلخ

مصائب و آلام، شکر، قناعت، اور نبود کی جگہ نمود ہے اور نمایہ کے معنی دیتا ہے، اگر کوئی کہے کہ یہ کیونکر تو مین کہدونگا کہ اسی طرح جس طرح شارحین کرام نے برآورم کے معنی برآوردم کے لیے اسلیے کہ سب یہی کہتے ہین کہ حلوائے لذیذ بنا دیا، حلوا تیار کر دیا۔

مطلب۔ جب میرے مصائب و آلام (جو تلخی مین حنظل تھے) اور قناعت مین پٹنے لگے اور حنظل مصائب شکر بنجائے تو مین اسی سے حلوائے لذیذ تیار کرون یعنی جب مصائب و آلام پر قانع ہوجاؤنگا، تو پہلے جو تکلیف اُن سے ہوتی تھی اب نہوگی، صاف لفظون مین یون کہہ سکتے ہین کہ جب انسان مصیبتون پر قانع ہوجاتا ہے تو اُسے اُن مین تکلیف کی جگہ مزہ ملنے لگتا ہے۔

شعر شمارۂ ۴۱ و ۴۲ و ۴۳ کا مطلب سب نے بہ تغیر الفاظ ایک ہی بیان کیا ہے اور مجھے کوئی اختلاف نہین۔

چون آئینہ نفاق نیارم کہ ہر نفس
از سینہ زنگ کینہ بہ سیما برآورم

علامۂ لکھنوی۔ حضرت شادمان فرماتے ہین کہ مین ہرگز آئینہ کی طرح منافق نہین ہونا چاہتا کہ اندر کچھ اور باہر کچھ یعنی مین ایسا نہین کرنا چاہتا کہ نفاق ظاہر کرون اور اپنے صاف سینے سے کینہ کا زنگ نکال نکالکر چہرہ پر لاؤن، مین تو اپنے دل کو حسد و بغض و کینہ و ریا سے بالکل پاک صاف رکھنا چاہتا ہون اور باہر یکسان "

علامہ الہ آبادی۔ " این کہ من ہمچو آئینہ صاحب نفاق نیم کہ بظاہر

صاف وشفاف معلوم شود وچون کسے با او ہم نفس شود دوم ہمدمے
در دم مکدر شود بلکہ من ظاہر وباطن خود را از نفاق بالکل
پاک وصاف می دارم۔"

علامۂ لکھنوی اِس پر ارشاد فرماتے ہین:۔

"آئینہ پر سانس مارنے سے آئینہ میلا ہوتا ہے۔ آپ کسیقدر مطلب سے
ہٹ گئے ہین پھونک مارنے کا یہان کوئی ذکر نہین۔"

بیخود:۔ میرے نزدیک علامۂ شادمان کا ارشاد صحیح نہین۔ خاصکر اُسکا
یہ ٹکڑا " اپنے صاف سینے سے کینہ کا زنگ نکال نکال کر چہرہ پر لاؤن" تو بالکل
اُن کے ارشاد کے خلاف پڑتا ہے اسلیے کہ جب سینہ صاف ہے تو اُس مین زنگ کینے
آئیگا کہان سے اور نکلیگا کیا جناب شادمان نے اِس مصرع پر "از سینہ زنگ کینہ
بسیما برآورم" پر نظر نہ فرمائی اور نہ آئینہ کی تشبیہ پر زیادہ غور فرمایا۔ رہا مطلب
اُسے نہ جناب نامی نے سلجھا کر بیان فرمایا نہ علامۂ لکھنوی نے۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان کیسا ہی عیار کیون نہو، لیکن یہ ممکن نہین کہ دل
کے خیالات کے مطابق اُسکے چہرے کا رنگ نہ بدلے۔ خاقانی یہی کہتا ہے کہ مین
آئینہ کی طرح منافق نہین کہ ظاہر کچھ باطن کچھ جب کسی سے ہمکلامی ہوئی تو مین نے زبان
سے کچھ کہا اور چہرے کی حالت نے کچھ اور کہا، اور اہل نظر تاڑ گئے کہ ہے کچھ اور
اور ظاہر کیا جا رہا ہے کچھ اور۔ آئینہ پر پھونک مارنے کی ضرورت نہین جب
آئینہ کے سامنے کوئی سانس لیگا۔ آئینہ دُھندلا ہو جائے گا۔

آن رہ روم کہ گوشۂ وحدت طلب کنم
زال زرم کہ نام بہ عنقا بر آورم

اس شعر مین گوشہ وحدت کی جگہ توشہ وحدت تھا۔ مگر علامہ لکھنوی نے توشہ کو گوشہ سے بدل لیا ہے اور حق یہ ہے کہ جو کچھ اُنھون نے سمجھا ہے وہی صحیح اور بہتر ہے، چلیے تو عنقا اور زال زر کا نام گوشہ گیری سے مشہور ہوا ہے۔

شہبازم ارچہ بستہ دہانم بگاہ صید
گردانہ ہزارہ بلبل گویا بہ آورم

علامۂ بلگرامی نے ارشاد فرمایا ہے:۔

"مین شہباز فضائے معرفت ہون اگرچہ وقت شکار منہ بند ہون (موانع مجھے لاحق ہین) مگر پھر بھی وقت شکار ہزارون بلبل گویا کو گرو برد کر سکتا ہون"

علامہ الہ آبادی:۔ اگرچہ اہل دنیا مرا مجبور ومقید میدارند لاکن من شہباز ہوائے عشق ہستم پس بوسیلہ این چنین مضامین اسرار معرفت شعرائے لنوگو را پامال می کنم"

علامۂ لکھنوی نے علامہ بلگرامی کے اس ٹکڑے پر "اگرچہ وقت شکار منہ بند ہون" اعتراض کیا اور فرمایا کہ شکار کے وقت باز کی ٹوپی اُتار دیجاتی ہے اور یہ ارشاد بالکل بیجا ہے، علامہ بلگرامی آگے بڑھ کر فرماتے ہین "مگر پھر بھی وقت شکار ہزارون بلبل گویا کو گرد برد کر سکتا ہون" اس سے مجھے ایسا گمان ہوتا ہے کہ یہ تصرف کاتب ہے۔

علامۂ الہ آبادی سے صرف اتنا اختلاف ہے کہ بلبل گویا سے شعرائے لغو گو مراد نہین ہوسکتے، متصوفین ریاکار مطلوب ہین، طامات جنکا شیوہ، خرافات جنکا شعار ہے اور یہان بھی سخن فہمی کا سہرا علامہ لکھنوی کے سر ہے۔

سر زان فرو برم کہ برآرم دمار نفس
نفس اژدہاست ہیچ مگو تا برآورم

علامہ الہ آبادی نے دمار کے معنی مغز لکھے ہین اور علامہ لکھنوی نے ہلاک، حق علامہ لکھنوی کیطرف ہے، علامہ بلگرامی نے ہیچ مگو بنا کر مطلب یہ لکھا کہ اے مخاطب مجھے مشورہ دے کہ اسے نکال ڈالون علامہ نامی فرماتے ہین کہ نفس اژدہا ہے اُسکا محبوس و مقید رہنا اچھا ہے۔
علامہ لکھنوی انکا تخطیہ فرماتے ہین کہ برآورم کا تعلق دمار سے ہے نفس سے نہین اور یہی قول درست ہے۔

صہبا کشادہ آبے و درز نہفتہ آتشی است
من آب و آتش از رز و صہبا برآورم

علامہ الہ آبادی آب و آتش سے جوش و روانی طبیعت اور علامہ بلگرامی شراب معرفت سمجھے، علامہ لکھنوی "آب آتش از چیزے برآوردن" کا مفہوم اسکا تباہ و برباد کردینا سمجھے میری راے مین حضرت نامی و بلگرامی جادۂ مستقیم سے دور جا پڑے اور علامہ لکھنوی صراط مستقیم کے سالک ہین، معلوم ہوتا ہے کہ اشعار شمارہ ۵۰، ۱۵، ۲۵ کا مطلب سب نے صحیح سمجھا ہے

با این نفس چنان ہمہ ہشیار نیستم
مستم نہان و عربدہ پیدا برآورم

علامۂ بلگرامی نے مصرع اوّل کو یون پڑھا ہے ع "با این چنین نفس ہمہ ہشیار نیستم" علامۂ لکھنوی نے اسے پسند فرمایا ہے مجھے بھی اس رائے سے اتفاق ہے مگر علامۂ لکھنوی نے یہ لکھا ہے کہ باوجود اس کلام کے جو مین اوپر کہہ آیا ہون کہ مین نفس کشی کرون اور شراب و کباب اور گل و زیرۂ گل سے علیحدگی، غرضکہ جو کچھ مین ترک لذات کے متعلق بیان کر آیا ہون پھر بھی میرے اندر طلب دنیا کا نقشہ موجود ہے یہ جنگ جو مین نے کی ہے ظاہر بظاہر ہے، مجھے صرف "مستم نہان" کے مفہوم اور "یہ جنگ جو مین نے کی ہے" سے اختلاف ہے میرے نزدیک حکیم خاقانی کا مطلب یہ ہے کہ کہہ تو دیا مین نے سب کچھ پھر بھی ایمان کی یہ ہے کہ ابھی تک میری حالت ایسی نہین کہ دل مین مطمئن ہو کر علانیہ جنگ چھیڑ دون۔ "مستم نہان" یعنی خوف شکست کی طرف سے بے پروا ہو کر۔

اب مین اپنی ہرزہ سرائی ختم کرتا ہون، علامۂ لکھنوی نے شارحین کرام کے حل پر تنقید فرمائی تھی اسلیے میرے یہان بھی محاکمہ کی صورت قائم ہو گئی مجھے یہ خیال نہین کہ جو کچھ مین نے لکھدیا ہے وحی آسمانی ہے اسمین بھی لغزشین ہون گی اب کوئی اہل نظر ایسا لکھدیگا جیسا لکھنا چاہیے، جہان تک مین نے نظر کی ہے (۳۵) اشعار کی شرح مین علامۂ الہ آبادی نے ۲۸، علامۂ بلگرامی نے ۲۰، علامۂ لکھنوی نے ۹ مقامون پر سہو فرمایا ہے اور مجھے یہ کہنے مین ذرا پس و پیش نہین کہ علامۂ لکھنوی کی شرح امتیاز خاص رکھتی ہے، چلتے چلتے یہ بھی کہدون کہ داؤد شادی آبادی کی شرح سے کوئی شارح زیادہ فائدہ نہین اُٹھا سکتا اسلیے کہ اُسنے قصیدہ بھر مین دو دو چار چار اشعار کی شرح کردی ہے اور آگے بڑھ گیا ہے۔

ناچیز محمد احمد بیخود موہانی
(ایم۔ اے)
شیعہ کالج "لکھنؤ"

آئینۂ تحقیق

یعنی

حضرت ناطق لکھنوی کے تبصرۂ اصلاح سخن کی حقیقت

این چہ شوریست کہ در دور قمر می بینم
ہمہ آفاق پُر از فتنہ و شر می بینم

اِدھر پنجۂ خواب نے مژگان کی چلمن کو گرایا، اُدھر دستِ اختلاج نے منظرِ پریشانی سے پردہ اُٹھایا، دنیا خواب پریشان کی دنیا، خاک آرمیدہ زلزلوں کا گہوارہ نظر آئی، اہرام مصری کی بنیادیں بازیچۂ جنبش، ابوالہول کے پائے ثبات وقفِ لغزش، گنبد افراسیاب گنبدِ حباب، طاق کسریٰ دار الخراب، قصرِ شیریں طلسمِ خواب، جوئے فرہاد نقش برآب، آسمان محورِ رکوع، سربفلک ایوان وقفِ خشوع، اب کنگرے زمین پر آرہے ہیں، اب غبار کے تتق آسمان پر چھا رہے ہیں، غبار زمین میں انداز سما، آسمان جوشِ غبار سے خاک کا پتلا، نگاہِ پریشان چلا اُٹھی کہ آسمان کا خیمہ لہراتا ہے، قلبِ مضطر پکار اُٹھا کوئی زمین کو آسمان پر اُٹھائے لئے جاتا ہے، آندھی سیاہ چل رہی ہے، فطرت اپنی بربادی پہ ہاتھ مل رہی ہے، سمندر طوفان گاہ، وہ تلاطم کہ خدا کی پناہ، زمین سے آسمان تک موجوں کی زنجیر، کرۂ نار کرۂ زمہریر، بادِ عقیم نے قومِ ثمود کو برباد کرکے دنیا کو چھوڑ دیا تھا، سیلِ عرم نے قومِ عاد کو قعرِ دریا میں دفن کرکے عہدِ انتقام توڑ دیا تھا، مگر یہ آندھیاں تو لئے دنیا کو تلپٹ کرکے رہینگی، اجل گرفتہ اپنی بپتی کسی سے کہہ نہ سکینگے، جبال آتشبار کے دھوئیں سے تیرہ و تار بادل چھائے ہوئے، دنیا کے مناظر سیاہ چادر میں کفنائے ہوئے، تاجدار کرشمہ بدحواس، موت کی اُمید زندگی سے یاس، آنکھ نظر سے بیزار، لب خشک

زبان خارزار، درخت گلدستۂ فضائی، انسان بگولوں میں چھٹتی ہوئی ہوائی، اتنے میں سرفرش پکارا صیحہ صور نہیں صریر خامہ ہے، بیاض دشت قیامت نہیں گنہگاران ادب کا سیاہ نامہ ہے، موکلان فتنہ بلائیں لے رہی ہیں مبصر نے آنکھیں کھولی ہیں، حضرت ناطق اسکے کان میں اذان دے رہے ہیں۔

تعبیر خواب

ابھی جناب نیاز فتحپوری مدیر نگار اور جناب آرگس کی اڑائی ہوئی خاک بیٹھنے نہ پائی تھی کہ جنوری ۱۹۲۹ء میں "مبصر" نے جنم لیا، اور قرعہ ادارت جناب ابو العلا حکیم سعید احمد صاحب ناطق لکھنوی (انجمن معیار و معین الادب معراج الادب کے سرمایۂ ناز نقاد) کے نام نکلا، آپ نے جہان اور ادب نواز زبان فرمائیں وہاں جناب مولوی عبد العلی صاحب شوق سندیلوی کی ترتیب دادہ ہوئی کتاب اصلاح سخن پر (جس میں حضرت شوق نے اپنی پندرہ سولہ غزلوں پر قریب قریب کل مشاہیر شعرائے ہند کی اصلاحیں جمع کر دی ہیں) تبصرہ بھی فرمایا اور استاندہ کی اصلاحوں کے انتقادی نظر سے، زندان تمنا، بیابان تمنا، والی غزل کا انتخاب کیا یہ سلسلہ جنوری سے اپریل تک جاری رہا میں نے اسپر نظر انتقاد ڈالی، قصد تھا کہ یہ تبصرہ نیرنگ رامپور میں شائع ہو مگر یہ آرزو پوری نہ ہوئی بالآخر یہ مضمون میری کتاب کا آخری مضمون قرار پایا، میں نے حضرت ناطق کی عبارت حرف بحرف نقل کر دی ہے، تاکہ مبصر کی ورق گردانی ضروری نہ ٹھہرے، حضرت ناطق نے بصائر کے تحت میں اپنے معاصرین کے الفاظ وعبارات ومفاہیم وغیرہ کی غلطیاں ظاہر فرمائی ہیں، میں نے بھی یہی التزام کیا تھا، مگر کتاب کا حجم بڑھ جانے کے خوف سے صرف ایک مقام پر عبارات و معانی نقاد کی دلربائی دکھا دی ہے، اگر ضرورت ہوئی تو کل مضمون جو فلسکیپ کے ۱۱۶ صفحوں پر ختم ہوا ہے شائع کر دیا جائیگا، اب مجھے حضرت ناطق کی نکتہ سنجیوں پر نظر کرنی چاہیے، اسلیے کہ میں برابر یہ آواز سن رہا ہوں ع

بادہ در جوش ست و رندان منتظر

بندۂ ناچیز

بیخود موہانی

ارشاد ناطق:-

تبصرۂ اصلاح سخن

مولفہ

منشی عبدالعلی صاحب شوق سندیلوی

مبصر ۹ صفحہ کالم سطر

دنیا مین اپنی نوعیت کی یہ پہلی تالیف ہے جس پر مین نقد و تبصرہ کا وہ اخلاقی فرض ادا کرتا ہون جو کہ مجھ پر مکرر سکرر فرمائشون سے عائد کیا گیا ہو اور جس نے میرے مضبوط ارادہ کو متزلزل کردیا ہے کہ مین اردو شعر و شاعری پر نقد و تبصرہ نہ کرونگا۔ کیونکہ ہمارا ملک ابھی وہ علمی مراتب طے نہین کر سکا ہے کہ نقادان فن خلوص کے ساتھ شعرا کے حسن و قبح خدمت فن کیلیے پیش کرین اور اہل فن غمگین و آزردہ نہون، مگر مین شعرا کی طرف سے بھی اتنی وکالت ضرور کرونگا کہ اوسط درجہ کے علمی لوگون نے محض اس زعم پر کہ وہ نقد کا پورا حق ادا کرینگے شعرا کے کلام پر قلم اُٹھایا ہے اور کسی کو ذلت دی ہے کسی کو عزت، اس نفسانیت سے اُنھون نے اہل فن کو صدمات اور فن کو نقصانات پہونچائے ہین۔

مبصر جنوری ۲۹ صفحہ کالم سطر ۱۰

نقاد کو منصف اور خالص ہونے کے علاوہ فاضل متبحر اور خود صاحب فن ہونا ضرور ہے۔ افسوس ہے کہ مین قابلیت کا ثبوت تو دے نہین سکتا مگر صداقت کا ثبوت یہ پیش کر سکتا ہون کہ جہان مین نے اور شعرا پر نکتہ چینی کی ہے اپنے عیوب بھی نظر انداز نہین کیے ہین۔

جناب شوق سندیلوی نے کتاب صلاح سخن مین جسکو معرکۃ الآرا کہنا چاہیے تمام اساتذہ شعرائے اردو سے اپنے کلام پر اصلاحین حاصل کرکے جمع اور شائع کی ہین، درحقیقت ایک ہی چیز پر سب کی اصلاحین حاصل کرنے کا کوئی اور طریقہ سوا اسکے ممکن ہی نہ تھا کہ شوق نے اپنی شاگردی کا باریک جال سب اُستادون کے لیے بچھا دیا اور ہر شاعر کو یقین دلا دیا کہ وہ صرف اُسی کے شاگرد ہین، لیکن جب پندرہ بیس غزلون کے بعد یہ خبرین پھیلنے لگین تو انھون نے ایکدم سے اُس جال کو گھسیٹ لیا، اِس صیادی مین فکر اصلاح کے جسقدر طیور اسکے دنیائے ادب کے عجائب خانہ مین پیش کر دیے گئے۔

اس عجیب و غریب تالیف کے متعلق جسقدر ادبی و اعلیٰ خیالات اس تبصرہ کے ختم ہونے تک میرے ذہن مین آئینگے اور اُنسے کسی کو فائدہ پہونچ سکے گا یا کوئی غلط فہمی رفع ہو سکے گی مین ہدیۂ ناظرین کرونگا

صلاحون کو مؤلف نے جس طریقہ سے جمع کیا ہے وہ ایک اخلاقی جرم اور ادبی احسان ہے اور صلاحون کو جس طریقہ سے شائع کیا گیا ہے وہ سلیقہ مندی کا بہترین نمونہ ہے، تغزل مین جتنے عناصر ظاہری و باطنی ہو سکتے ہین اور جن مین سے بعض ادبی نکات ایسے ہین کہ کبھی زبان و قلم سے ظاہر نہو سکے وہ سب اِس تالیف مین قدرتاً جمع ہو گئے ہین، مثلاً زبان کے متعلق فصاحت و بلاغت کے جتنے اقسام اور پھر فن کے جتنے مراتب ہو سکتے ہین وہ تو ان چند غزلون

کی اصلاحون مین مجتمع ہین تخیل کے جتنے پہلو ردیف و قافیہ سے مہیا ہو سکتے ہین وہ تو اس کتاب مین جمع نہوسکے کیونکہ اُسکے لیے اس امر کی ضرورت تھی کہ ایک ہی قافیہ مین ہر شاعر کے اشعار ہوتے مگر ایک تخیل کی محاکات جتنی صورتون مین ہو سکتی ہے اُنکا مجموعہ اس مین موجود ہے۔ اور اجتماع تخیل سے اجتماع محاکات زیادہ پُرلطف ہے شعر کے انداز بیان مین جتنے رنگ ہو سکتے ہین، اُن سب کی نیرنگیان اور بوقلمونیان اس کتاب کے علاوہ کسی گلدستہ مین کیا بلکہ بہارستان مین بھی جمع ہوتے نہین دیکھین، شعر کے اغلاط، عیوب، نکات، لطائف اور بیشمار تنوعات نظم و اسلوب بیان اس تالیف سے اخذ ہو سکتے ہین۔ تمام دنیا کی شاعری کو اُردو شاعری نے اپنے جن قیود و شرائط سے گویا بے اصول ٹھہرا دیا ہے اور اپنے آپ کو جن امور مین ممتاز کر لیا ہے وہ نہایت باریک اور لطیف مگر بیش قیمت دقائق اس کتاب مین شعرا کی اصلاحون سے مدوّن ہو گئے ہین، یہ اور ایسی تمام باتین ہین آئندہ مثال مین پیش کرونگا جن سے تنوعات شعری واضح ہو جائینگے۔

مبصر جنوری ۲۹ء صفحہ ۳۴ کالم سطر ۱۱ تا ۲۵

اہل فن کے متعلق مجھے یہ کہنا ہے کہ اکثر شعرا کو جناب شوق کی اس حرکت جامع الشرو الخیر سے صدمہ پہونچا ہوگا۔ اسکے چند وجوہ ہین۔ جس شاعر کو یہ ذوق ہے کہ اُسکے تلامذہ کا دائرہ وسیع ہو (گو یہ اجتہادی غلطی ہو) اُسکے ان جذبات کو اس کتاب کے دیکھتے ہی صدمہ پہونچا

ہوگا کہ شوق صاحب ایک عجیب[10] الخلقت شاگرد کثیرالاستاد نکلے۔ مگر ایک دوسرا رنج[11] جو اس سے کہین زائد ہے وہ اسلیے اُنہین[12] پہونچا کہ کہین کہین وہ اصلاح دینے مین ناکام رہے[13] ہین تاہم[14] اس صدمہ کی تلافی تو یون ہوگئی[15] ہوگی کہ بعض جگہ وہ خاص طور پر کامیاب ہوئے ہین لیکن نفسیات[16] کے اس اصول پر مجھے افسوس اور شعرا سے ہمدردی ہے کہ رنج و خوشی ہونے کے بعد رنج کی حرارت غالب رہتی ہے، ان دونون صدمات سے کہین زائد اثر[17] بعض[18] شعرا پر[19] اُن کے خطوط[20] شائع ہونیکا ہوا ہوگا جس کی مختصر شرح[21] نظم سے فراغت حاصل کرنیکے بعد ہوسکے گی، یہان اتنا ضرور کہونگا، کہ مؤلف نے خطوط شعرا[22] اور خصوصاً[23] وہ عبارتین[24] جو فن سے متعلق نہ تھین بلکہ پرائیوٹ[25] اور ذاتی ضروریات سے البتہ تھین، شائع کرکے علمی فوائد مین کوئی اضافہ نہین کیا بلکہ اپنی[26] بداخلاقی ستم ظریفی کے لباس مین[27] پیش کی ہے۔

التماس بیخود (۱) حرکت جامع الشر و الخیر، ایسی ترکیبین مزاج اُردو کو سازگار نہین اسلیے کہ اوّل و آخر کی عبارت یہ ہے" اہل فن کے متعلق مجھے یہ کہنا ہے کہ اکثر شعرا کو جناب شوق کی اس حرکت جامع الشر و الخیر سے صدمہ پہونچا ہوگا" پھر شر مین (ر) کی تشدید بھی فصاحت کے کانون کو ناگوار ہے، حضرت شوق کا یہ فعل خیر ہی خیر ہے، اس مین شر کا کہین نام نہین ۔ میرے نزدیک اخلاق شعرا کا درست ہونا نہایت ضروری ہے اسلیے کہ وہ معلم اخلاق ہین۔ صرف اُن شاعرون کے متعلق ایسی عبارتون کا شائع کرنا بداخلاقی ہے جنکی معاش کا ذریعہ شاعری ہے، باقی حضرات کے

متعلق اگر کوئی ایسی صورت ہو تو اُسکا اظہار صرف جائز ہی نہین واجب ہے۔

(۲) جناب ناطق پہلوے ذم اور الفاظ مکروہ کو خوب پہچانتے ہین ذرا ملاحظہ فرمائین کہ " اس حرکت سے" یہ ٹکڑا " صدمہ پہونچا ہوگا" ملکر کہین ذم تو نہین پیدا کرتا

(۳) " اسکے چند وجوہ ہین" یہان زیادہ فصیح معلوم ہوتا ہے" یا اس کی کئی وجہین ہین"

(۴) چند وجوہ لکھنے کے بعد اول، دوم، سوم یا ۱، ۲، ۳ لکھنا چاہیے تھا۔

(۵) اکثر شعرا کو صدمہ پہونچا ہوگا" لکھ چکنے کے بعد جس شاعر کو یہ ذوق ہے کہ اُسکے تلامذہ کا دائرہ وسیع ہو لکھنا مناسب ہے کہ" جن شاعرون کو الخ"

(۶) کہ اُسکے تلامذہ کا دائرہ وسیع ہو" اس عبارت مین اُسکے زیادہ ہے۔

(۷) جس شاعر کو یہ ذوق ہے کہ اُسکے تلامذہ کا دائرہ وسیع ہو، اس مین" اُسکے تلامذہ" کی جگہ " میرے تلامذہ" لکھنا چاہیے۔

(۸) خطائے اجتہادی مشہور عام ہے، اسے چھوڑ کر اجتہادی غلطی لکھنا پھر وہ بھی نثر عاری مین کہان تک قابل داد ہے۔

(۹) " اُسکے اِن جذبات کو صدمہ پہونچا ہوگا" اِس مین جذبات سے پہلے " اِن" بالکل بیکار ہے بلکہ صاف کیون نہ کہدون غلط ہے۔

(۱۰) " ایک عجیب الخلقت شاگرد کثیر الاستاد نکلے" یہان عجیب الخلقت لکھنا کہان تک بامعنی و برمحل ہے۔

(۱۱) " ریخ جو اس سے کہین زائد ہے" دو جیم، دو سین تکرار ہے ہین (تنافر)

(۱۲) " صدمہ پہونچا ہوگا" لکھنے کے بعد ایک دوسرا ریخ جو اس سے زائد ہے

وہ اسلیے اُنھیں پہونچا" یہاں "پہونچا ہوگا" لکھنا چاہیے۔

(۱۳) اگر پہونچا' لکھا تھا تو " ناکام رہے" کافی تھا " ناکام رہے ہین" لکھنا غلط ہے

(۱۴) تاہم کی جگہ لیکن چاہیے۔

تاہم = پھر بھی۔ باوجود اسکے۔ اسکے ہوتے ہوئے۔

(۱۵) اگر " رنج پہونچا" لکھا تھا تو اس "ٹکڑہ مین' ہو گئی ہو گی" لکھنا بے محل ہے صرف ہو گئی کافی تھا۔

(۱۶) "لیکن نفسیات کے اس اصول پر مجھے افسوس اور شعرا سے ہمدردی ہے"

سبحان اللہ عبارت اسکا نام ہے، انشا اسے کہتے ہین، واقعاً نفسیات کا یہ اصول ایسا ہی سقیم ہے کہ اُسپر جہان تک افسوس کیا جائے بجا ہے اس عبارت کو یون ہونا چاہیئے تھا۔

لیکن نفسیات کے اس اُصول پر کہ رنج اور خوشی ہونے کے بعد رنج کی حرارت غالب رہتی ہے۔ مجھے شعرا کی حالت پر افسوس اور اُنسے ہمدردی ہے۔

(۱۷) "اِن دونوں صدمات سے کہین زائد اثر شعرا پر اُن کے خطوط شائع ہونے کا ہوا ہوگا"

"اِن دونون" ادھر " اور کہین زائد اثر" ادھر' بیچ مین "صدمات" کتنا بُرا معلوم ہوتا ہے اگر یہان صدمون لکھا جاتا تو مناسب تھا۔

(۱۸) "صدمات سے کہین زائد اثر" اثر کی جگہ صدمہ لکھنا چاہیے۔

(۱۹) "اثر ہوا ہوگا" اگر صدمہ کی جگہ اثر لکھ گئے تھے تو ہوا ہوگا کے مقام "پڑا ہوگا" کہنا چاہیے تھا۔

(۲۱) "کہین زائد از بعض شعرا پراُن کے خطوط شائع ہونے کا ہوا ہوگا"

یہ زبان اہل زبان کی ہے یا فرنگیون کی (جسے حضرت نیاز افرنجی لکھکر بہت خوش ہوتے ہین) یا نئے تعلیم یافتہ لوگون کی جن کو اُردو یا ہندی نہین آتی، یا انگریزی اسکول کے بچون کی جو انگریزی عبارت کا ترجمہ یون کیا کرتے ہین " اُسنے کہا کہ اُسکے چار بچے ہین" ہم غریب اگلے زمانے والون سے تو آج تک اُردوے معلّےٰ کا یہی فرمان ہو کہ یون لکھو:۔

اُسنے کہا کہ میرے چار بچے ہین،'

(۲۲) "یہان اتنا ضرور کہونگا کہ مُولف نے خطوط شعرا اور خصوصاً وہ عبارتین جو فن سے متعلق نہ تھین بلکہ پرائیوٹ اور ذاتی ضروریات سے وابستہ تھین شائع کرکے علمی فوائد مین کوئی اضافہ نہین کیا، بلکہ اپنی بداخلاقی ستم ظریفی کے لباس مین پیش کی ہی"

سوال یہ ہے کہ جملہ کی یہ ترتیب انگریزی کی تقلید سمجھی جائے یا کچھ اور۔ اُردو کے ادیب تو اسے یون لکھتے:۔

مولف نے خطوط شعرا اور خصوصاً وہ عبارتین شائع کرکے جو فن سے متعلق نہ تھین علمی فوائد مین کوئی اضافہ نہین کیا الخ۔

(۲۳) "خطوط شعرا اور خصوصاً وہ عبارتین"۔ جب عبارتین (اردو کی جمع) لکھنا تھا تو خطوط شعرا کے محل پر شاعرون کے خط اور خصوصاً وہ عبارتین الخ لکھنا چاہیے تھا کہ فصاحت کم نہ ہوتی۔

(۲۴) یہان خصوصاً کو خاصکر سے بدل دیتے تو اور بھی اچھا ہوتا اسلیے کہ ٹاٹ کی

انگیا موبخ کی بجنسہ مشہور مثل ہے۔

(۲۵) خطوط شعرا کے شائع ہونے کو اس تعمیم کے ساتھ ممنوع قرار دینا لا یعنی ہے، شاعرون کے خط شائع کرنا ضروری تھا، اِس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کس شاعر کا انداز تحریر کیا ہے کس کی تحقیق کس پایہ کی ہے، نثر مین اُسکا پایہ پست ہے یا بلند، اور کون شاعر اُردو کی کونسی خدمت انجام دینے کا اہل ہے اور دنیا اُس سے کونسا کام لے سکتی ہے اور خود شعر کو خوش اخلاقی اور فضائل انسانی کی طرف مائل ہونے کا موقع ملے۔

(۲۶) "پرائیویٹ اور ذاتی ضروریات" پرائیویٹ (انگریزی لفظ) لکھنا اور پھر جناب نقاد ایسے علمبردار اُردو کا نہایت عبرت انگیز ہے۔ میرے نزدیک صرف ایسے محل پر انگریزی الفاظ کا صرف جائز ہے جہان اُردو کے الفاظ ادائے مطلب مین قاصر ہون۔

(۲۷) "بلکہ اپنی بداخلاقی ستم ظریفی کے لباس مین پیش کی ہے" مین لکھ آیا ہون کہ حضرت شوق کا یہ فعل بداخلاقی نہین عین اخلاق ہے۔ کیا طبقۂ شعرا مین کچھ ایسے افراد نہین ہین جو شعر و سخن کی اِس بے قدری اور ملک و قوم کی اس بے مائگی کی حالت مین کچھ ایسے مطالبہ کرتے ہین جو اُن پر کسی طرح زیبا نہین مثلاً سفر خرچ وغیرہ کے معاملہ مین کوئی فرسٹ کلاس کا ٹکٹ چاہتا ہے کوئی سکنڈ کا، کوئی ایسا کھانا مانگتا ہے جیسا محمد شاہ رنگیلے نے نادر شاہ کیلیے ترتیب دیا تھا وغیرہ وغیرہ۔

(۲۸) "بد اخلاقی ستم ظریفی کے لباس مین پیش کی ہے" یہان ظاہر کی ہے لکھنا چاہیے تھا داد۔ جناب ناطق کا یہ فقرہ مجھے بہت پسند آیا "رنج از خوشی ہونے کے بعد رنج کی حرارت غالب رہتی ہے۔

ارشاد ناطق:۔ قبل اسکے کہ اصلاحون پر نکتہ چینی ہو شعرا کی طرف سے

مجھے ایک خاص عذر پیش کرنا ہے، مذاق محاکات اور ذوق تخیل یا
انداز اصلاح ہر شاعر کا جُدا گانہ ہے، یہ تو معلومات علمیہ اور خصائص طبعیہ
کا ایک عام مسئلہ ہے۔ مگر ذاتی حالات شعراکے یہ ہین کہ دماغی محنت و فکر
کی کثرت سے ادھر تو افکار معاش مین روز بروز اضافہ ہوتا رہتا ہے
ادھر بالخصوص قلبی و دماغی صحت خراب ہو جاتی ہے اسلیے اُن کی
فکر شعری ہر وقت یکسان نہین ہو سکتی، کبھی اتنا موقع نہین ملتا کہ شاگرد
کی غزل پر مکمل فکر کر سکین کبھی طبیعت کسی کمزوری اور خرابی صحت کی وجہ
سے مانع ہوتی ہے۔ کبھی کاہلی یا عدیم الفرصتی کسی طرح اجازت نہین دیتی
کہ صلاح پر دماغ اور وقت کافی صرف کیا جائے بعض پر یہ نفسانیت
غالب ہو جاتی ہے کہ جو شاگرد ایک مرتبہ بھی اپنے نام کے ساتھ اُنکا اُستاد
ہونا ظاہر نہ کرے اُسکو وہ اپنا شاگرد ہی نہین سمجھتے اور اسیلیے اکثر معمولی
صلاح دیدیا کرتے ہین، اس قسم کے اسباب کی بنا پر مین یہ ضرور کہہ
سکتا ہون کہ تمام شعرا مجموعی حیثیت سے اپنی صلاحون کے ذمہ دار نہین
ہو سکتے لیکن اُس وقت البتہ قابل معافی نہ سمجھے جاتے جب اُنسے
یہ کہدیا جاتا کہ اور اساتذہ سے بھی اس غزل پر صلاح لیجائے گی پھر اگر وہ
صلاح دیتے تو اُسکے پورے ذمہ دار تھے۔ سُنا گیا ہے کہ ایک صاحب
کو عبد العلی شوق کے اس علمی فریب کی اطلاع تھی۔ اسیلیے اُنھون نے
صلاح پر پوری قوت اور توجہ صرف کی ہے

اور اصل یہ ہے کہ اس کتاب کا یہ موضوع بھی نہ تھا کہ اساتذہ کی

صلاحون پر نکتہ چینی کی جائے، بلکہ اُسکا اگر کوئی موضوع ہو سکتا ہے تو یہی
کہ اردو تغزل کے تنوعات کا ایک شگفتہ باغ جس کی ہر روش کا ایک
جداگانہ رنگ ہے منظر مین لایا جائے۔ مگر اس باغبان نے بندشون
کی راہ مین کانٹے بو دیے ہین کہ اب اگر کوئی شخص خط و کتابت کے
ذریعہ سے شاگرد ہونا چاہے گا تو اکثر اساتذہ کانون پر ہاتھ دھرینگے
ممکن ہے کہ رسل و رسائل سے تعلیم و تعلم بند یا کم ہوجائے۔

یہ فہرست جو مین نے اِس کتاب کے نتائج کی مجملاً لکھی ہے
اب اُسکی تشریح و تمثیل "اصلاح سخن" کی اصلاحون سے قلمبند کرتا ہون۔
ممکن ہے کہ اہل فن کے لیے مفید و دلچسپ ہو۔

کتاب مین سولہ غزلین ہین۔ ہر غزل پر تیس پینتیس شعرا کی
اصلاحین ہین ہر اصلاح پر نقد و تبصرہ کیا جائے تو اصل کتاب سے
بیس گنا ہوگا۔ یہان نہ اسقدر طاقت ہے نہ فرصت بطور تمثیل اُس
غزل پر تبصرہ کرتا ہون جو کتاب بھر مین ہر حیثیت سے بہترین غزل
ہے۔ ارمان تمنا، بیابان تمنا۔

التماس بیخود :- اہل فن کا اِس طرح ذکر کرنا بے ادبی و گستاخی ہے یہان طالبان فن
لکھنا چاہیے تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ارشاد ناطق:-

اب اپنا دل تنگ ہے زندان تمنا
(مطلع شوق)
اللہ رے یہ جوش فراوان تمنا

میعرنبوری ۲۹ء صفحہ ۳۵ کالم ۱- سطر ۱۱-۲۵

اس مطلع کی تخئیل شعری یہ ہے کہ تمناؤن مین اسقدر جوش ہوا کہ دل سی وسیع شئے تنگ ہو کر اُن تمناؤن کے لیے زندان بن گئی، شعر مین تین باتین اہم ہین۔ تنگی دل۔ اور اُسکا زندان بنجانا، اور تمناؤن کا جوش و خروش۔

توجیہات لفظی:- "اب" اسلیے ہے کہ پہلے دل زندان نہ تھا تمناؤن نے اسقدر پاؤن پھیلائے کہ دل تنگ ہو کر زندان ہو گیا

عیوب و شبہات:- دل تنگ فارسی ترکیب ہے، اور اہل فارس تنگدل بخیل کو کہتے ہین (محاورۃً) مگر لغتہً حقیقی معنی پر بھی شعرائے عجم نے دل عاشق کے لیے استعمال کیا ہے، خصوصاً حسرت و آرزو کے معاملات مین۔ ترکیب شعری ایسی واقع ہوئی ہے کہ دل تنگ کے زندان بنجانے کی علت جوش فراوان ٹھہرتی ہے اور یہ علت لازمی نہین ہے۔ "اب" بادی النظر مین برائے بیت معلوم ہوتا ہے اور اسی طرح دوسرے مصرع مین "یہ"۔

التماس بیخود۔ بیخود ناچیز تخئیل شعر کے عیب و صواب کے متعلق اپنی رائے اپنی

صلاح کے موقع پر ظاہر کرے گا۔ ابھی جناب نقاد کے زاویہ نظر سے شعر کے محاسن ومعائب پر نظر کرنا مناسب نظر آتا ہے۔

نقد عیوب وشبہات۔ جب اساتذہ عجم "دل تنگ" حقیقی معنی پر بھی استعمال کرتے ہین۔ جناب نقاد بھی اُسے تسلیم کرتے ہین۔ اُسکا استعمال اُردو مین بھی عام ہے اور اتنا عام کہ اُن کے شاگرد (شوق سندیلوی) بھی اُس سے واقف ہین تو کاغذ کو میرے نامۂ اعمال کی طرح سیاہ کرنے کی ضرورت نہ تھی۔

اب رہا شعر کی تخئیل کا عیب وہ مدیر مبصر کی غلط نگاہی پر دلالت کرتا ہے اسلیے کہ اُن کی تبصرہ مین یہ مفہوم بہ تغیر الفاظ کئی جگہ نظر آتا ہے اسکا ماحصل یہ ہوا کہ جوش تمنا کے سبب دل تنگ زندان بنگیا ہے۔ اگر یہ امر لازمی ہوتا کہ جب کسی مکان کے مکین کو جوش فراوان ہو تو وہ مکان زندان بنجائے تو اصلاح کی بالکل ضرورت نہوتی۔

فارسی اور اُردو پر حضرت نقاد کا عبور

عبارت مذکورہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جناب ناطق نے جوش کی تصویر کا صرف ایک ہی رخ دیکھا ہے، بار بار لکھتے ہین کہ مکین کے جوش فراوان سے مکان کا زندان بنجانا سمجھ مین نہین آتا، اور سچ تو ہے سمجھ مین آئے کیون کر آپ جوش کے معنی صرف اُبلنا۔ جوش مارنا اور پھیلنا سمجھتے ہین۔ حالانکہ یہ لفظ اُردو اور فارسی مین کثرت اور ہجوم کے معنون پر بھی آتا ہے۔ مین نکتہ سنجان ایران وہند کے کچھ اشعار لکھتا ہون ؎

فصیح الملک مرزا داغ دہلوی

پھرتے ہین بیقرار بہت تیری راہ مین ۔۔۔ کہتا ہی صاف صاف یہی جوش نقش پا

آسودگان خاک کی نکھو نکے ہین نشان
تیری گلی مین اور ہوین جوش نقش پا
روندی نہین ہے آپنے کیا قبر داغ کی
پھولون کی چادر دسے چھپا جوش نقش پا

ملک الشعرا مفتی امیر احمد مینائی لکھنوی

نسبت ہے راہ عشق سے راہِ حرم کو کیا
یان کثرت سجود ہے وان جوش نقش پا

فخر المتاخرین مرزا غالب

مدت ہوئی ہے یار کو مہمان کئے ہوئے
جوش قدح سے بزم چراغان کئے ہوئے
ہے جوش گل بہار مین یانتک کہ ہر طرف
اُڑتے ہوئے الجھتے ہین مرغ چمن کے پانو

جان معنی و جہان معنی ملا نورالدین ظہوری

از جوش مشتری شدہ بازار رشک گرم
صد جنس شکوہ ریختہ پیش دکان من

شاید یہ کہا جائے کہ "فراوان" مقدار کے لیے مستعمل ہے نہ کہ تعداد کے لیے، اسلیے بلبل شیراز (سعدی علیہ الرحمہ) کے نغمہ کا اعادہ بے محل نہوگا ؎

چہ سالہائے فراوان چہ عمرہائے دراز
کہ خلق بر سر ما بر زمین بخواہد رفت
چنانکہ دست بدست آمدہ ست ملک بما
بدستہائے دگر ہمچنین بخواہد رفت
ق

اب یہ امر پایۂ تحقیق کو پہونچ گیا کہ تخییل شعر مین جو عیب نقاد لاثانی نے نکالا تھا اُسکا کہین وہم وگمان بھی نہین، اور بآسانی سمجھ مین آتا ہے کہ دل یون جوش تمنا (ہجوم تمنا) سے زندان بن سکتا ہے اور یہ علت علت لازمی ہے یعنی جب کسی مکان مین اُسکی وسعت سے زیادہ مجمع ہوگا وہ مکان تکلیف کے اعتبار سے زندان بنجائیگا۔

ارشاد حضرت ناطق:۔ صلاح کے اصول یہ ہین کہ مبتدیون کو صرف لفظی صلاح دیجاتی ہے، یعنی لفظی غلطی درست کی جاتی ہے، اور

معاصر جنوری ۱۹۲۹ء صفحہ ۵۰ سطر ۱-۱

تخیل و مضمون کو ہاتھ نہین لگاتے تاکہ کبی فکرین جمع ہو کر مبتدی کو مشق نظم سے بھی محروم نہ کردین لفظی غلطی نکلجانے کے بعد جب شاگرد کسی قابل ہوجاتا ہے تو بعض عیوب درست کردیئے جاتے ہین اور مضامین اُسوقت بھی بدستور چھوڑ دیئے جاتے ہین، تاکہ وہ اپنے کثرت اغلاط سے گھبرائے نہین اور اُستاد کی افراط صلاح سے مایوس نہو، معمولی اور عیب دار شعر پر اکثر دل بڑھا دینے کے لیے صاد بنا دیا جاتا ہے مبتدی جسقدر ترقی کرتا ہے اُسیقدر اُستاد کی صلاح وسیع اور دقیق ہوتی جاتی ہے یہان تک کہ منتہی کی تخیل پر بھی صلاح دیجاتی ہے، کیونکہ جب یہ معلوم ہوجاتا کہ شاگرد بندش و نظم پر حادی ہوگیا تو ضرور ہے کہ جدت تخیل کی طرف توجہ دلائی جائے اور صحیح اور بے عیب الفاظ بھی اُس صورت مین بدل دیئے جاتے ہین کہ جب وہ بے اثر ہون ایک اُستاد جب چند الفاظ منتہی کے یہان بدل دیتا ہے تو ایک عجیب تاثیر پیدا ہوجاتی ہے، ایسے تلامذہ کے یہان سے وہ اشعار قلم زد کردیئے جاتے ہین جو پامال مضامین کے ہون اور کوئی خاص بات اُن مین نہو لیکن یہی شعر مبتدی کے یہان خلعت صاد سے مخلع ہوتے ہین، آخر مین پھر شعر کا بنانا مشکل ہوتا ہے اور صرف انتخاب کردیا جاتا ہے اس قسم کے اصُول صلاح پر نظر کرنے کے بعد اصلاحین دیکھنا اور اُنپر نقد و تبصرہ کرنا ایک نقاد کے لیے ضروری ہے۔

نتیجہ:۔ اصُول اصلاح کے متعلق صحیفہ ناطق کے آیات پر نظر کرنے کے بعد کہنا پڑتا ہی

کہ ان کے لکھنے کی ضرورت نہ تھی، پست سے پست مرتبہ کا اُستاد بھی اِن سے واقف ہے اگر یہ گفتگوے بے ہنگام چھیڑی تھی تو یہ ضرور بتا دینا تھا کہ خود جناب ناطق اپنے شاگرد (شوق مؤلف کتاب) کو مبتدی جانتے ہین یا کچھ اور، تو معلوم ہو سکتا کہ خود جناب نے یا شعرانے دل بڑھانے کے لیے مہ بنا رے ہین یا اُس کی بلند آہنگیون سے مرعوب ہو کر۔ اکثر اساتذہ کرام کے والانامے تو یہی بتاتے ہین کہ وہ حضرت شوق کو فخر اُستاد شاگرد سمجھتے ہین اور بار بار مشورہ دیتے ہین کہ آپ کو کسی سے صلاح لینے کی ضرورت ہی نہین اسپر خود "صلاح سخن" شاہد ہے۔

صلاح سخن صفحہ ۴۲ سطر ۵

(۱) لسان العصر خان بہادر سید اکبر حسین صاحب مرحوم اکبر الہ آبادی لکھتے ہین

"یہ غزل (مطلع) ۔

یہ نشان پاے گئے گم شدہ دیوانون کے ٹکڑے کچھ آے ہین صحرا سے گریبانون کے

نہایت عمدہ ہے، داد دیتا ہون، الفاظ سبک، بندش چست، قوافی مین احتیاط، خدا ایسی طبیعت مبارک کرے" (بقدر حاجت)

صلاح سخن صفحہ ۸۱ سطر ۱۰ء

(۲) سرمایہ ناز شعراے لکھنؤ محبی مرزا ثاقب قزلباش تحریر فرماتے ہین۔

" ماشاء اللہ دونون غزلین نہایت قابل تعریف ہین، میرا دل اُن کو دیکھکر نہایت خوش ہوا، یہ آپ کا واہمہ ہے کہ آپ محتاج صلاح ہین، مین سچ کہتا ہون کہ ہرگز ایسا نہین ہے اور آپ نہایت خوب فرماتے ہین" (بقدر حاجت)

صلاح سخن صفحہ ۱۸۶ ۱۸۷ سطر آخر داول بہ ترتیب

(۳) محسنی ابو المعظم نواب سراج الدین احمد خان صاحب سائل دہلوی فرماتے ہین غزل ملفوفہ مین نے دیکھی آپ کے معاملہ مین سخت متحیر ہون آپ جیسا

خوش فکر ہوس صلاح کیون کرتا ہے ، مجھے معاف کیجیے گا ، مین تو بار بار یہ خیال کرتا ہون کہ آپ کہین مجکو بناتے نہ ہون آپ کو ہرگز صلاح کی ضرورت نہین ۔"

اتنی مثالین مین نے لکھ دی ہین " صلاح سخن " ابھی اور بہت سی مثالون کی گنجینہ دار ہے مگر ابھی یہ دیکھنا باقی ہے کہ خود حضرت ناطق جناب شوق کو بتدی سمجھتے ہین یا منتہی ، اور اگر یہ بات خود اُن کے تبصرہ سے دکھائی جائے تو زیادہ مناسب ہے اسلیے کہ جو عبارتین صلاح سخن مین درج ہین اُن کے متعلق وثوق کے ساتھ نہین کہا جا سکتا کہ ہر مقام پر دل کی ترجمانی کی گئی ہے ۔ ممکن ہے کہین دل بڑھایا گیا ہو کہین طنز کیا گیا ہو کہین کچھ ہو کہین کچھ ، لیکن جناب نقاد نے جو کچھ اپنے تبصرہ مین تحریر فرمایا ہے اُس مین ان احتمالات کی گنجائش نہین بلکہ وہ اُن کی بے لاگ اور سچی رائے ہے مبصر کے چار ابتدائی پرچون مین یہ عبارتین نظر آتی ہین :۔

(شعر اوّل) ارشاد ناطق :۔

" واقعہ یہ ہے کہ مطلع مین کوئی ایسی غلطی نہین ہے کہ تمام شعرا صلاح دینے پر مجبور ہوتے مگر بالکل بے عیب اور ناقابل ترقی بھی نہین ہے (بقدر ضرورت)

مبصر جنوری ۱۹۱۱ء صفحہ ۲۶ کالم ۱ سطر ۱۱ تا ۱۲

شعر دوم :۔ تمنا کی تشبیہ ایوان سے دی گئی ہے اور یہی انتظام مصرعہ اولی مین رکھا گیا ہے ، اس سلسلہ بیان سے شعر مین محاکات پیدا ہو گئی ہے ۔ (بقدر ضرورت)

مبصر فروری صفحہ ۹ کالم ۱ سطر ۲۰

شعر سوم (ہچکی کی صدا سنتے ہی سمجھے دم آخر + ٹوٹا تھا یہ قفل در زندان تمنا)

ہچکی کی نقل سے بہترین تشبیہ ہے۔"

حضرت ناطق کی ان عبارتون سے صاف ظاہر ہے کہ وہ حضرت شوق کو نہ مبتدی سمجھتے ہین نہ سمجھ سکتے ہین اسلیے کہ لفظی صلاح الگ فرمائی ہے، معنوی عیوب الگ نکالے ہین، کہین تخئیل کی تعریف کی ہے، کہین تشبیہ کی اور (وہ) اور (یہ) کی بحث تو فیصلہ کن ہے۔ اسے دیکھ کر معلوم ہوجاتا ہے کہ حضرت شوق (یہ) کے صحیح محل صرف سے صرف واقف ہی نہین بلکہ اُسکے استعمال پر بھی قادر ہین جس سے اُن کے بارہ اُستاد بقول نقاد بیخبر ہین۔ تیسرے شعر (ہچکی کی صدا الخ) مین اصلاح کے وقت قلم تک نہین لگایا۔ تنقید کے محل پر بھی صرف تحسین و داد پر اکتفا فرمائی ہے۔

مطلع مذکور ہ

اب اپنا دل تنگ ہے زندان تمنّا ‏ ‏ ‏ ‏ اللہ رے یہ جوش فراوان تمنّا

مبصر جنوا صفحہ ۱۷ سطر ۲۴۔ ارشاد حضرت ناطق :۔ اس مطلع پر تیرہ شاعرون نے کوئی اصلاح نہین دی جیسا تھا ویسا ہی رہنے دیا ہے۔ آرزو لکھنوی۔ بیخود دہلوی۔ جگر۔ جلیل۔ دل شاہجہان پوری۔ زہرہ۔ شہرت۔ صفی۔ عزیز۔ مضطر۔ مومن۔ یکتا نے ۳ بنا دیا ہے اور مصرعہ اولیٰ کو تین شاعرون نے برقرار رکھا ہے۔ سائل۔ نظم۔ وحشت۔ ان حضرات نے مصرعہ ثانی

مبصر جنو صفحہ ۰ کالم ۰ سطر ۱-۵ صلاح دی ہے۔ پانچ شاعرون نے صرف مصرعہ اولیٰ پر صلاح دی ہے اور مصرعہ ثانی بدستور رکھا، اکبر، بیباک۔ ناطق، نوح، نیاز فتحپوری۔ چار شاعرون نے دونون مصرعون پر اصلاح

مبصر جنو صفحہ ۶ کالم ۰ سطر ۱۔ دی ہے۔ احسن مارہروی، ریاض، فضل، باقی، شوق مرحوم

یون سمجھنا چاہیے کہ سولہ شاعرون نے کہین نہ کہین صلاح دی ہے اور تیرہ نے بالکل صلاح نہین دی۔

توجیہات صلاح:۔ واقعہ یہ ہے کہ مطلع مین کوئی ایسی غلطی نہین ہے کہ تمام شعرا صلاح دینے پر مجبور ہوتے، مگر بالکل بے عیب اور ناقابل ترقی بھی نہین ہے۔ مذکورہ بالا سطور مین عرض کر چکا ہون۔ مصرع اولیٰ مین "اب" اور ثانی مین "یہ" حشو معلوم ہوتا ہے اگرچہ کچھ نہ کچھ معنی رکھتا ہے، مگر اہل فن چاہتے ہین کہ سامع کے خیال کو کسی عیب شعر کی طرف منتقل ہونے سے بچایئن موجودہ زمانہ کی ترقی فن کی ایک منزل ہے۔ احسن نے اس شعر کی کمزوری کو احسن طریقہ سے رفع کیا ہے۔

احسن:۔ الفت مین دل تنگ ہے زندان تمنّا ؛ اللہ رے مرا جوش فراوان تمنّا۔

اسی اصول پر ریاض نے بھی صلاح دی ہے، پہلے مصرع مین "اب" کو نکالا ہے اور دوسرے مصرع مین "یہ" کو رہنے دیا۔ مگر ایسی بہتر تبدیلی کی ہے کہ "یہ" بجائے حشو معلوم ہونے کے بہترین لفظ بنگیا

ریاض:۔ اپنا ہی دل تنگ ہے زندان تمنّا
اللہ یہ ہے جوش فراوان تمنّا

نوح اور وحشت نے بھی اس عیب کو نظر انداز نہین کیا۔

صلاح نوح:۔ پہلو مین دل اپنا ہے کہ زندان تمنّا

وحشت نے مصرعہ ثانی سے " یہ " کو نکال دیا اور ایسی خوبصورت تبدیلی کی کہ مصرعہ اولیٰ کا " اب " اپنی روشنی دینے لگا۔

صلاح مصرعہ ثانی وحشت :۔ دیکھئے تو کوئی جوش فراوان تمنا

بیخود :۔ مطلع میں غلطی ہے اور ایسی کہ بیان کئے جانے کے بعد حضرت نقاد بھی انگشت بدندان اور سر بگریبان نظر آئینگے ، اگر مصنف کے اصل شعر پر غور کریں تو کھل جائے کہ پہلے مصرعہ " اب اپنا دل تنگ ہے زندان تمنا " میں " اب " مقتضائے بلاغت کو پورا کر رہا ہے اسلیے کہ شاعر نے دل کو اول ہی سے تنگ مانا ہے اور اسلیے تنگ مانا ہے کہ ابتدائے محبت میں جب تمناؤں نے ہجوم کیا ہے تو اسکو خیال گزرا تھا کہ دل کی وسعت اس ہجوم کے لیے کافی نہوگی ، عشق معراج کمال کو پہونچا تو پہلے جس مکان پر ہجوم تمنا کے لیے تنگ ہونے کا خیال تھا وہ زندان نظر آنے لگا۔

حقیقت یہ ہے کہ اسی " اب " اور " دل تنگ " سے ابتدائے عشق اور انتہائے عشق کے ہجوم تمنا کا فرق ظاہر ہوتا ہے اور یہی وہ الفاظ ہیں جنسے تخیل کی محاکات وابستہ ہے یعنی بیان واقعہ ، واقعہ نظر آنے لگتا ہے۔

عیوب لفظی و معنوی کے متعلق بیخود خاکسار کی رائے

میرے نزدیک شعر زیر بحث کے بعض عیب یہ ہیں :۔

مصرعہ اول " اب اپنا دل تنگ ہے زندان تمنا " روانی کے ساتھ پڑھا جائے تو " اب اپنا " میں " اَب اَپ " کا ٹکڑانا مخل فصاحت ہے۔

(۲) اب اپنا میں الف کا گرنا اگرچہ غلط نہیں مگر خانہ براندازِ فصاحت ضرور ہے اپنا سے اپن رہجاتا ہے

(۳) " اپنا " بھی حشو ہے کیونکہ قرینہ مقام حصر کرتا ہے کہ یہ حال اپنا ہی ہے۔
دوسرے مصرعہ مین " یہ " اشارہ قریب ہے جسکا اثر یہ ہے کہ سامع زیادہ متوجہ ہوجاتا ہے مگر" اللہ رے "کے بعد اسکا آنا چستی کی جگہ جھول پیدا کرتا ہے، بلکہ مجھے تو اسی مین تامل ہے کہ " اللہ رے "کے بعد ایسے محل پر " یہ " کا استعمال فصحا نے روا رکھا ہے۔

رہا " دل تنگ " اس مین نہ کوئی غلطی ہے نہ عیب، وجہ اب سے پہلے ظاہر کیجا چکی حضرت نقاد کی تسکین کے لیے مین انھین کا ایک قول پیش کردون جسے وہ جناب نیاز فتحپوری مدیر نگار پر ایراد کرتے ہوئے لکھ آئے ہین۔

ایراد نیاز:- "مصرعہ اول مین فراوانی تمنا کا کوئی ثبوت نہین ہے، اگر دل تنگ زندان تمنا ہوگیا تو اس سے جوش فراوان تمنا کیونکر ثابت ہوا"

رد ایراد از ناطق:- حضرت نیاز کی عبارت سے دو نتیجہ نکلتے ہین۔ یا تو سمجھنے مین اُن کو غلط فہمی ہوئی، یا اپنے مافی الضمیر کو ضروری الفاظ مین ادا نہ کرسکے، اُن کے پہلے فقرہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ عاشق سے فراوانی تمنا کا ثبوت مانگتے ہین گویا ایک عجیب بات ہے

(۲) جوش فراوان تمنا اگر دعوی ہوتا تو ثبوت کا محتاج نہ تھا، کیونکہ تمناؤن کی فراوانی اور اُن کے لوازم کا عاشق کے دل مین موجود ہونا بدیہی ہے"

اِس ایراد سے ظاہر ہے کہ حضرت ناطق عاشق کے دل مین فراوانی تمنا کو مسلّم سمجھتے ہین۔ جب یون ہے تو ابتدائے محبت ہی مین کیسکو ہجوم تمنا پر نظر کرکے اپنا

دل تنگ نظر آئے تو کوئی استبعاد لازم نہین آتا۔

اب مین حضرت احسن و ریاض و نوح و وحشت کی اصلاحون پر نظر کرتا ہون۔

احسن :۔ الفت مین دل تنگ ہے زندان تمنا۔

یہان "الفت مین" کا ٹکڑا بے کار ہے۔ اسلیے کہ غزل کے شعرون مین اسکا اضافہ خواہ مخواہ ایسی حالت مین کوئی معنی نہین رکھتا، جب اُس کی صورت حال خود پکار ہو کر واردات عشق کی مرقع کشی کیجا رہی ہے، علاوہ اسکے "دل تنگ" اس مین بقول ناطق بے کار ہے۔ وہ ابھی تک نقادون کا قافیہ تنگ کرنے کے لیے موجود ہے۔ یہ ضرور ہے کہ یہ "کو نکالکر" اللہ رے مرا جوش فراوان تمنا" کہنے سے مصرعہ کا جھول نکل گیا۔

رہی جناب نوح کی اصلاح " پہلو مین دل اپنا ہے کہ زندان تمنا" اس مین " پہلو مین" اور " اپنا " زائد مین

اسکے سوا یہ کون کہہ سکتا ہے کہ ان بزرگون نے " اب " کو نکالا ہے یا " آپ " کو، مزے کی بات یہ ہے کہ لفظ تنگ کو حضرت ناطق بیکار اور عیب وار بتا آئے ہین، مگر حضرت احسن کی اصلاح مین اُن کو صرف یہ نظر آیا کہ " اب " کو احسن طریقے سے نکالا ہے، باقی تنگ کا عیب حضرت نقاد کے انتقاد کے اعجاز سے خود بخود نکل گیا۔

حضرت ریاض کی اصلاح بھی دل کو نہین لگتی، کہنا تو یہ تھا کہ اللہ کبر یہ جوش فراوان تمنا کہ دل اُن کے لیے تنگ ہوکر زندان بن گیا، اور کہا یہ کہ " اپنا ہی دل تنگ ہے زندان تمنا " اِس مین ہی کی لطافت میری سمجھ مین نہین آتی۔

حضرت وحشت کی اصلاح

اب اپنا دل تنگ ہے زندان تمنّا
دیکھے تو کوئی جوشِ فراوانِ تمنّا

اس مین دوسرے مصرعہ کا یہ ٹکڑا " دیکھے تو کوئی " موتیون مین تُلنے کے قابل ہے، مگر پہلا مصرعہ شرمندہ احسان فصاحت نہوا۔

ارشاد ناطق۔" تقریباً تمام اصلاحین کسی نہ کسی خوبی کا اضافہ ضرور کرتی ہین۔ اور اس شعر مین دو ہی قسم کے عیب ہین۔

لفظی عیب:۔ اب اور یہ کا بیکار ہونا

معنوی عیب:۔ مصرعہ اولیٰ مین لفظ تنگ کوئی خاص معنی نہین دیتا۔ اور دل تنگ کے زندان بنجانے کی علت لازمی اور دلیل مسلم جوش فراوان نہین ہوسکتی۔"

التماس بیخود:۔ اس قول مین تین باتین غلط ہین اور ایک صحیح۔" اب " اور" دل تنگ" شعر کے ضروری اجزا ثابت کئے جاچکے۔ جوش تمنّا سے دل تنگ کا زندان بنجانا اب محتاج ثبوت نہین رہا۔ ہان "یہ" ضرور بیکار ہے۔

ارشاد ناطق:۔ حشو و زوائد سے بچانے کے اصول پر اصلاح دینے والون کی تفصیل علاوہ احسن و ریاض و نوح جنکا ذکر اوپر ہوچکا ہے حسب ذیل ہے

اطہر مصرعہ اولیٰ:۔ اپنا ہے دل تنگ کہ زندان تمنا

مصرعہ اولیٰ سے" اب" نکل گیا

التماس بیخود:۔" اب" تو ضرور نکل گیا، مگر مصرعہ مین کوئی لطافت نہ پیدا ہوئی

اپنا حشو تھا حشو ہی رہا۔

بیباک مصرعہ اوّل

دل رہ نہ سکا ضبط میں زندان تمنّا

ناطق ۔" اب " اور " تنگ " دونون نکل گیا (گئے)

بیخود ۔ اب شعر کا مفہوم یہ ہوگیا کہ باوجود ضبط آرزوئین زندان دل کو توڑ کر نکل گئین۔

شوق قدوائی ۔ پھر میرا دل تنگ ہے زندان تمنّا
قربان ترے جوش فراوان تمنّا

ناطق ۔" اب " اور " یہ " دونون نکل گئے۔

بیخود ۔ پھر کی لفظ بتاتی ہے کہ ایسا پہلے بھی ہوچکا ہے، دوسرے مصرعہ کی صلاح لاجواب ہے ۔ اگر " اللہ رے " سے تعجب کی شان نکلتی ہے تو " قربان ترے " سے عاشقانہ آن نکلتی ہے

ناطق ۔" ان صلاحون مین اور خوبیان بھی پیدا ہوگئین، مگر مین اصول صلاح کی صرف ایک ہی چیز مثالاً پیش کر رہا ہون تاکہ لوگون کو معلوم ہوجائے کہ بالعموم تمام شعرا کی صلاح کسی نہ کسی اصول کے ماتحت ہوتی ہے"

بیخود ۔ خدا جانے یہ کونسا راز سربستہ تھا ۔ جاہل سا جاہل شخص بھی اگر دیوانہ نہین ہے تو جانتا ہے کہ صلاح شعر کیا دنیا کا ہر کام کسی نہ کسی اصول کے ماتحت ہوا کرتا ہے۔

ارشاد ناطق ۔ دوسرا عیب جو اس شعر مین معنوی ہے وہ یہ ہے

کہ مصرعہ اولیٰ میں یہ دعویٰ ہے کہ دل تنگ زندان تمنا ہے، اور دوسرے مصرعہ کا یہ مفہوم ہے کہ اللہ اکبر یہ جوش فراوان تمنا، مطلب یہ ہوا کہ اسقدر جوش تمنا ہے کہ دل تنگ زندان بن گیا ہے، اگر یہ امر لازمی ہوتا کہ جب کسی مکان کے مکین کو جوش فراوان ہو تو وہ مکان زندان بنجائے، تو اسپر اصلاح کی بالکل ضرورت نہو تی۔ اور اگر تمنا کے جوش فراوان سے یہ مفہوم تسلیم کر لیا جائے کہ تمنائین اسقدر وسیع ہو گئین کہ دل سی وسیع شے تنگ ہو کر زندان بن گئی تو شعر صحیح ہو سکتا ہے، مگر کلام کا یہ حسن نہین ہے کہ ایک پہلو سقیم ہو اور دوسرا صحیح"

التماس بیخود۔ یہ عیب معنوی جناب نقاد کے واہمہ کی خلاقی کا آئینہ دار ہے مین لکھ آیا ہون کہ یہان جوش کے معنی ہجوم کے ہین

ارشاد ناطق:۔ "کلام صحیح یعنی معنی دار بلحاظ تخیل و محاکات دو بڑی قسمون مین منقسم ہے (۱) سادہ (۲) پر معنی۔

سادگی یہ ہے کہ مفہوم صاف ہو اور الفاظ مطبوع، ترکیب کلام و ترتیب بیان دلکش و پُر تاثیر۔

پُر معنی یہ ہے کہ الفاظ کم ہون معنی زیادہ محذوفات و مقدرات جسقدر ہون سب لازمی ہون۔

معنی خیز اشعار مین اور بہت شرائط ہین سب کے سب لکھنے کی ضرورت نہین، مین صرف اس طرف توجہ دلانا چاہتا ہون کہ یہ مطلع نہ تو یقینی طور پر غلط ہے نہ بے عیب ہے، اگر غلط ہوتا سب اصلاح دیتے،

بے عیب ہوتا تو کوئی اصلاح نہ دیتا، یا بہت کم دیتے۔ ایک بات یہان اور ظاہر کرنے کی ضرورت ہے، وہ یہ کہ جو شعر سہل ممتنع ہو اُسکے علاوہ کوئی شعر ایسا نہین ہو سکتا کہ اُس مین تبدیلی اور ترقی کی گنجائش نہو کیونکہ قدرت نے شعر کی خوبیون کی کوئی انتہا نہین رکھی جس طرح شطرنج مین فکر کی کوئی حد مقرر نہین ہے اور صدہا چیزین دنیا مین ایسی ہی ہین، بلکہ کسی فن کے کمال کی کوئی حد مقرر نہین کی گئی۔ اصلاح اگر بہتر ہو اظہار کمال ہے اور اگر نہو (بشرطیکہ شعر صرف عیب دار ہو غلطی کی حد تک نہ پہونچے) تو اصلاح دینے والے پر کوئی جرم نہین۔

شاعر قدرتاً آزاد طبع اور نازک مزاج ہوتا ہے، تنخواہ پانے کے بعد بھی ملازم نہین ہوتا جب چاہتا ہے کاہلی اور بے پروائی کرتا ہے جب دل مین آجاتا ہے شاگرد کے ایک شعر پر اتنی فکر کرتا ہے کہ اپنی ایک غزل پر اتنی محنت نہین کرتا، پھر اسکے علاوہ اور بہت سے وجوہ مین بعض کو مین اوپر لکھ چکا ہون۔ مثلاً یہ کہ شاگرد کو مبتدی سمجھکر بہت سی اصلاحین چھوڑ دی جاتی ہین اور عمداً چشم پوشی کی جاتی ہے بلکہ دل بڑھانے کے لیے ص بنا دیا جاتا ہے، جیسا کہ مشاعرہ مین اخلاقاً واہ واہ کر دی جاتی ہے۔ افسوس ہے کہ اس رواج سے باوجود سخت نقصان ہونیکے کوئی صورت اسکے مٹانے کی نہین نکل سکتی، ایک ادنیٰ نقصان اسکا یہ ہے کہ بہت سے جاہل اور ناواقف بعض ایسے اشعار پر مشاعرہ مین چھینٹین اُڑاتے ہین جو بالکل بے معنی اور مہمل ہوتے ہین اگر اُن سے

پوچھا جائے کہ مطلب کیا سمجھے تو کچھ ہرگز نہین بتا سکتے، مگر شعر کی شوکت و شان اور لفاظی کا وقار اُنھین مغالطہ دیتا ہے اور اساتذہ تہذیباً تعریف کر دیتے ہین، محض اس خیال سے کہ دلشکنی نہو، مگر اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ملک مین بے معنی اور سراپا غلط اشعار کا مذاق پھیلتا جاتا ہے۔ کاش شعرا کی ایک کانفرنس ہوتی اور وہ اُسکی اصلاح کرتی۔

اس تبصرہ سے میرا مقصد صرف یہی نہین کہ شوق کے اشعار اور اُن کی اصلاح تک محدود رکھون بلکہ فن اور اہل فن سے جو عام اُمور متعلق ہین اُن پر بھی اساتذۂ فن کو توجہ دلانا چاہتا ہون، جناب شوق بعض اساتذہ کے ص بنا دینے اور شعر کے اصلاح سے محفوظ رہنے پر اپنے دیباچہ مین شاید فخریہ ظاہر کر رہے ہین کہ اُن کا کوئی شعر غلط ہی نہ نکلے گا، کیونکہ ہر شعر پر کسی نہ کسی نے ص ضرور بنایا ہے۔

اصلاح نہ دینے کے وجوہ اگر وہ غور سے پڑھینگے جو کہ مین نے عرض کیے ہین تو غالباً اُس تفاخر مین تذبذب ضرور (پیدا) ہوجائے گا۔"

التماس بیخود۔ مجھے نہایت افسوس ہے کہ جناب نقاد شعر تو شعر نثر کے سمجھنے کی بھی کوشش نہین فرماتے۔ آپ شوق کی عبارت پر تفاخر کا گمان کرتے ہین حالانکہ یہ اُن کی ستم ظریفی ہے اور دل کو لہو کر دینے والی شماتت، اسکا مطلب یہ ہوا کہ شعر غلط ہو یا صحیح ص بنا دینے والون کی کمی نہین ہے۔

ارشادِ ناطق :- ان وجوہ کے علاوہ ایک اور بھی گزارش کرنا پڑی،
وہ یہ کہ سب شعرا قابلیت، علم و تحقیق اور واقفیت فن مین برابر نہین
پھر اصلاح دینے کا سلیقہ ایک جُداگانہ چیز ہے، یہ ضرور نہین کہ ہر عمدہ
شعر کہنے والا اصلاح دینے مین بھی کامل ہو۔ مین یہ اسلیے یاد دلا رہا ہون
کہ اگر اپنے تبصرہ مین کسی شاعر کی اصلاح پر سختی سے نکتہ چینی کرون،
(جس سے میرا نصب العین لطائف و نکات فن کا اظہار ہوگا) اُس سے
یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ وہ شاعر بحیثیت شاعر کمزور ہے، غرضکہ شوق کا
مطلع تخئیل کے لحاظ سے بے عیب نہین ہے اور جو عیب ہے وہ
قریب قریب تمام شعرا نے اُسی نقطۂ نظر سے صلاح دی ہے۔ اصل شعر
نظر مین رکھئے۔

شوق
اب اپنا دل تنگ ہے زندان تمنّا
اللہ رے یہ جوش فراوان تمنّا

اصلاحِ باقی
مدت سے دل تنگ ہے زندان تمنّا
پھر بھی نہین کم جوش فراوان تمنّا

"اب" اور "یہ" بھی نکل گیا، اور وہ بھی عیب نہ رہا کہ جوش فراوان
زندان ہونے کی علت لازمی نہ تھی"

بیخود :- اب شعر کا مطلب یہ ہوگیا کہ اگرچہ تمنا ایک مدت سے دل تنگ
مین قید ہے، مگر اُسکا جوش و خروش ہے کہ کسی طرح کم ہونے کا نام ہی نہین لیتا یعنی
یہ وہ قید ہے کہ زندان بھی اُس کی وحشت کا علاج نہو سکا، حالانکہ مصنف یہ کہتا تھا کہ

تمناؤں نے اسقدر ہجوم کیا کہ دل تنگ اُن کے لیے زندان بن گیا۔ صورت موجودہ مین "اب" نکل گیا تو کیا اور "یہ" نہ رہا تو کیا، اس طرف بھی نگاہ التفات نفرمائی گئی کہ حضرت باقی نے "دل تنگ" کو شعر سے نہین نکالا بلکہ اُس کو بنائے تخییل قرار دیا۔

مین نے حضرت باقی کی صلاح کے متعلق پہلے اظہار خیال کیا، اسلیے کہ پھر یہ مرحلہ دور جا پڑتا۔

آپ شعر زیر بحث مین "اب" کو کسیقدر بیکار بتاتے ہین، حالانکہ اُسکا برمحل ہونا، دکھایا جاچکا۔ آپ لفظ "تنگ" کو برائے بیت سمجھتے ہین، مگر جس طرح دل تنگ تکمیل محاکات کی ابتدا کرتا ہے اُسی طرح "اب" درمیانی اور "زندان" آخری مرحلہ کو طے کرتا ہے یعنی دل جو پہلے سے تنگ تھا اب افزائش تنگی کے سبب سے زندان بن گیا ہے۔

صلاح نظم طباطبائی

اب اپنا دل تنگ ہے زندان تمنا
اور جوش جنون سلسلہ جنبان تمنا

ارشاد ناطق:۔ تخییل کا عیب نکل گیا۔

التماس بیخود:۔ جناب نظم نے اُس عیب کو نکالا جو حقیقت مین تھا، اسلیے کہ اب یہ ایسے شخص کی حالت ہے جسپر اکثر جوش جنون طاری رہتا ہو، اور کبھی کبھی ہوش مین آجائے، جب کچھ حواس درست ہوئے ہین تو کہتا ہے ؎

اب اپنا دل تنگ ہے زندان تمنا — اور جوش جنون سلسلہ جنبان تمنا

اس اجمال کی تفصیل آگے آئے گی۔

جناب طباطبائی نے جوش جنون کا ٹکڑا ایسا رکھدیا ہے کہ اُس کی داد ندینا ظلم ہے، شاگرد (شوق) کی تخیئل صرف اتنی تھی کہ اللہ اکبر یہ جوش فراوان تمنا کہ دل تنگ اُسکے لیے زندان بن گیا ہے، لیکن جوش جنون کا تقاضا اور کوشش یہ ہے کہ گھر مین جگہ ہو یا نہ ہو، ازدحام تمنا بڑھتا ہی جائے۔ جناب نظم نے دوسرے مصرعہ مین جنون کے تقاضائے صحیح کو نظم کیا ہے یعنی جنون کہ احکام عقل سے کوئی سروکار نہین اور واقعہ یہ ہے کہ اپنے مفہوم کے ادا کرنے کے لیے نہایت مناسب الفاظ جمع کئے ہین مثلاً :- دل تنگ، زندان، جنون، سلسلہ۔

مگر یہ ضرور ہوا کہ شاگرد کے خیال کی رو بدل گئی۔ وہ تمناؤن کی کثرت پر اپنا تحیر ظاہر کر رہا تھا اور جناب نظم تقاضائے جنون کی مرقع کشی فرما رہے ہین۔

صلاح نیاز دل شق ہوا وا ہو گیا زندان تمنا

اللہ رے یہ جوش فراوان تمنا

ارشاد ناطق :- "مصرعہ اولیٰ بدل دیا اور جوش کا صحیح معلول ونتیجہ اُس مین نظم کر دیا، اب وہ عیب نہ رہا"

التماس بیخود :- حضرت نیاز نے مصنف کی مراد کے خلاف پہلا مصرع بدل دیا، اور اب شعر کے یہ معنی ہوئے کہ دل مین تمنا دیوانہ کی طرح قید تھی آخر اُسنے وہ جوش وخروش دکھایا کہ خانہ دل شق ہو گیا اور وہ آزاد ہو گئی یعنی اللہ رے جوش کہ دیوار کو در بنا دیا۔

"شق ہو گیا" مین شق کی لفظ سے جوش وخروش کی ترجمانی ضرور ہوتی ہے مگر مصنف کی تخیئل بدل گئی اسکے ماورا "یہ" کا پیدا کیا ہوا جھول بھی نہ نکلا" اور شق ہوا

مین شق کی ہیبت ناک اور وا ہوگیا مین " وا" کی نرم آواز نے توازن صحیح قائم نہ رہنے دیا، اور اس بے ہنگام زیر و بم سے ترنم کو جان دیتے بن پڑی "شق ہوا" اور "وا ہوگیا" مین الف کا دبنا بھی ایسا ہے کہ فصاحت کانون پر ہاتھ رکھتی ہے۔

اصلاح ناطق :- اب دل نظر آتا ہے بیابان تمنا
اللہ رے یہ جوش فراوان تمنا

ارشاد ناطق :- اس مین بھی جوش فراوان کا اقتضا صحیح نظم کیا گیا ہے "

التماس بیخود :- حضرت ناطق کی یہ اصلاح اگر اصلاح کہی جاسکے تو یہ ماننا پڑیگا کہ جناب موصوف نے پہلے مصرع کو فصاحت و روانی کے قالب مین ڈھال دیا ہے مگر مصیبت یہ ہے کہ شعر مین الفاظ کی فصاحت و سلاست کے ساتھ ساتھ بلاغت معنوی کی بھی ضرورت ہے، اب دیکھنا چاہیے کہ اصلاح سے شعر پری بن گیا ہے یا کچھ اور۔

مین تین صورتون سے شعر کا مطلب کہنے کی کوشش کرتا ہون، اہل نظر ملاحظہ فرمائین کہ کسی طرح معنی کی کل بیٹھتی ہے یا نہین

شعر کی موجودہ صورت :- ؎

اب دل نظر آتا ہے بیابان تمنا   اللہ رے یہ جوش فراوان تمنا

پہلی صورت :- اللہ اکبر یہ جوش فراوان کہ دل اب تمناؤن کا جنگل نظر آتا ہے، اس طرح معانی کی چول بیٹھ سکتی ہے۔

جناب مرزا اوج مرحوم جانشین حضرت دبیر اعلی اللہ مقامہ فرماتے ہین ؎

اِس اُجڑے بن بھی لے لکھنو کیا بات ہے تیری
سب اُروٹے معنے کا تجھے جنگل سمجھتے ہیں

مگر جناب ناطق کی صلاح مین اس مطلب کو دو امر مانع ہین :-

اوّل حضرت ناطق کو جوش و ہجوم کے مترادف ہونے کا علم ہی نہین اسلئے اُن کی صلاح مین یہ معنی لینا غلطی ہے۔

دوم - بیابان وشتِ بے آب وگیاہ کو کہتے ہین اسلئے یہ لفظ نہ جنگل کا بدل ہوسکتا ہے نہ کثرت کے معنی دے سکتا ہے۔

دوسری صورت - لفظ جوش کے سہارے پر یون معنی کیے جا سکتے ہین کہ اللہ اکبر یہ جوش تمنا کہ بیابان دل کی وہ حالت ہو رہی ہے جو ایسے بیابان کی ہو جسمین سیل آئی . بلکہ چھائی ہو یعنی جس طرح سیلاب آنے پر تمام بیابان عالم آب نظر آتا ہے اُسی طرح دل بھی عالم تمنا نظر آتا ہے۔ مگر صرف لفظ بیابان یہ معنی نہین دیتا اور شعر ادائے مطلب مین قاصر ہے۔

تیسری صورت - شاعر نے تمنا کو ایسا تودہ خاک (ریگ) فرض کیا ہے جو زمین دل کے کسی گوشہ مین تھا، اور جوش فراوان کو طوفان باد مانا ہے۔ اس آندھی نے تمنا کے تودہ کو یون منتشر کیا کہ ریگ تمنا بیابان دل کے گوشہ گوشہ مین پھیل گئی، یعنی اب دل مین جدھر نظر جاتی ہے تمنا ہی تمنا نظر آتی ہے، لیکن یہ معنی اسلیے نہین کیے جا سکتے کہ شعر مین کوئی اشارہ ایسا نہین جس سے معلوم ہو کہ شاعر نے تمنا کو تودہ ریگ بیابان اور جوش فراوان کو طوفان باد فرض کیا ہے، صرف جوش اور بیابان کا رابطہ ضعیف اتنے معانی کا لنگر نہین اُٹھا سکتا۔

قصہ مختصر یہ کہ شاگرد کا شعر اگرچہ فصاحت سے شرمندہ تھا مگر بلاغت کے منہ سے سرخرو تھا۔ اُستاد (حضرت ناطق) کی صلاح لفظی حیثیت سے دیکھی جائے تو معلوم ہو کہ دوسرے مصرعہ مین "یہ" کا جھول جیسا تھا ابتک باقی ہے اور شعر معنی کی طرف سے بالکل بے نیاز ہوکر رہ گیا ہے، یہان مجھے حضرت ناطق کا یہ قول بے اختیار یاد آتا ہے۔

قولِ ناطق :- یہی اصُول تمام معنی بند اشعار کا ہے کہ دونون مصرعون کے درمیان کچھ الفاظ محذوف ہوتے ہین جو کہ الفاظ سے لزوماً پیدا ہوتے ہین اور وہی باعث ربط ہوتے ہین جو اس فلسفہ سے واقف نہین ہین اور اس رنگ کو (کیا خوبصورت اردو ہے) کہتے ہین اُن کے کلام کا اکثر حصہ مہمل ہوتا ہے۔"

مین دکھا چکا کہ شعر ادائے مطلب مین قاصر ہے لیکن تھوڑی دیر کے لیے مانے لیتا ہون کہ شعر کا وہی مطلب ہے جو مین نے تیسری صورت مین بیان کیا ہے پھر بھی اُس مین اتنے عیب موجود ہین۔

(۱) حضرت ناطق نے شاگرد کی تخئیل بدل دی اور اگرچہ شعر کی بنیاد جوش فراوان ہی پر رکھی، لیکن مدعا شاگرد کو نہ سمجھکر۔ اُسکے شعر مین جوش ہجوم کے معنون پر تھا اور ہجوم سے وہ ذی روحون بلکہ انسانون کی تصویر دکھا رہا تھا۔ جناب ناطق نے ذرون کے بکھر جانے کی کیفیت دکھائی۔ سامع کے لیے جتنا اثر شاگرد کے مرقع مین تھا وہ اس مین باقی نرہا۔ اور قابل افسوس ہے یہ امر کہ تخئیل کا بدلنا بر بنار علم وتحقیق عمل مین نہین آیا۔

(۲) "یہ" کا جھول بحالہ قائم ہے۔

(۳) اب۔ دل تنگ۔ زندان جو تخئیل مصنف کے ضروری اجزا ہی نہ تھے بلکہ

تکمیل محاکات بھی اُنھین کے دم قدم سے وابستہ تھی، صلاح کی آندھی مین اُڑ گئے۔

(۴) یہ شاگرد کے شعر کی صلاح نہین اپنی طرف سے ایک شعر فرمادیا ہے۔

(۵) "اب دل نظر آتا ہے بیابان تمنا" اس مین "نظر آتا ہے" کے ٹکڑے سے مصرع مین روانی تو ضرور پیدا ہوگئی، مگر تمنا ؤن کے جوش مین کمی نظر آنے لگی۔ اسلیے کہ نظر آنے اور درحقیقت موجود ہونے مین بڑا فرق ہے۔

(۶) آندھی کی پیدا کی ہوئی صورت کا ہمیشہ قائم رہنا بھی غیر ممکن ہے اسلیے جوش تمنا مین دوام کی صورت نہین نکلتی۔

ارشاد ناطق:۔ دو شاعرون نے تخیئل بدل دی ہے، بیخود موہانی اور شوق قدوائی"۔

صلاح بیخود:۔ اک قطرہ مین یہ جوش فراوان تمنا +
یا رب ہے دل تنگ کہ طوفان تمنا +

قریب قریب اہم الفاظ وہی ہین۔ دل تنگ اور جوش فراوان تمنا مگر قافیہ بدلا ہوا ہے اور لفظ قطرہ کا، اضافہ ہوا ہے، جس سے تنگیٔ دل خوب ثابت ہوئی، مگر دل تنگ جو ایک ظرف ہے اُسکی تشبیہ طوفان سے غیر مناسب ہے۔

بیخود کی صلاحون مین جوکہ (رکہ زائد ہے) اس کتاب مین اکثر جگہ ہے یہی بات ہے کہ خود ایک شعر کہدیا ہے اور صلاح نہین دی ہے، اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ تخیئل وہ ہو اور ایسی ہو جو اُن کے دماغ کو پسند آئے (یہی حال غالب کا تھا) شوق کی بھی اکثر صلاحین

اسی قسم کی ہین"

التماس بیخود:۔ مین جناب نقاد کا منت گزار ہون کہ مجھے ایک بات مین تو غالب کا ہمرنگ فرمایا، اگرچہ وہ عیب ہی سہی ؎

کم نہین نازشِ ہمنامیٔ چشمِ خوبان (غالب)
تیرا بیمار، برا کیا ہے گر اچھا نہوا

اب وقت آگیا ہے کہ حضرت شوق کے مطلع کی تخیئل مین جو غلطی ہے ظاہر کردی جائے۔ میرے نزدیک یہ تخیئل دو طرح غلط ہے۔

تخیئل کی پہلی غلطی:۔ پہلے مصرع (اب اپنا دل تنگ ہے زندان تمنا) مین جو خیال ادا کیا گیا ہے وہ قطعاً غلط ہے اسلیے کہ خوف وغم وغیرہ کے موقع پر دل مین انقباض پیدا ہوتا ہے اور خوشی کے محل پر انبساط۔ محبت کی تمنائین دل مین انشراح پیدا کرتی ہین اور اہل نظر جانتے ہین کہ محبت کی تمناؤن کے لیے دل مین اتنی وسعت نکلتی ہے کہ غیر تو غیر خود عاشق حیران رہ جاتا ہے ؎

آگاہ نبودم کہ جہانے ز تمناست — بکشود مرا از دلم این راز نگاہے
ارض و سما کہان تری وسعت کو پا سکے — میرا ہی دل وہ ہے کہ جہان تو سما سکے

پھر یہ کہنا کہ خانۂ دل مین تمناؤن کا اتنا ہجوم ہوا کہ یہ گھر اُن کے لئے زندان بن گیا اور وہ اُس مین گھٹ کر رہ گئین غلط اور کسقدر غلط ہے۔

تخیئل کی دوسری غلطی:۔ ادھر سے قطع نظر کرلین تو بھی یہ تخیئل نہایت مکروہ ٹھہرتی ہے اور اسکا ماخذ غالباً بلیک ہول کلکتہ (کلکتہ کی کال کوٹھری) کا فرضی مگر تاریخی واقعہ ہے جو اس طرح بیان کیا گیا ہی کہ سراج الدولہ نے ۱۷۵۶ انگریزون کو کلکتہ کی کال کوٹھری

مین قید کردیا جن مین صرف (۲۳) آدمی داستان مصیبت کے بیان کرنے کیلیے زندہ نکلے باقی جگہ کی تنگی کے سبب سے گھُٹ گھُٹ کے مرگئے۔ یہ واقعہ یا ایسا ہی کوئی تصور اس تخییل کی بنیاد ٹھہرتا ہے جسکے مکروہ اور ہولناک ہونے مین شک نہین اسلیے صاف ظاہر ہے کہ یہ شعر زیر بحث مین کسی طرح آنے کی صلاحیت نہین رکھتا تھا اور اسکا سبب یہ ہے کہ اس مین ذکر ہے محبت کی ولاآویز تمناؤن کا، اس مین بیان ہے عشق کی دل آرا آرزوؤن کا، کہان ان تمناؤن کی دل آرائی، اور کہان زندان کی ہولناکی اور مکروہ صورت، یہان عاشق ہجوم تمنا سے دلتنگ نہین بلکہ محو حیرت ہے ع

اللہ رے یہ جوش فراوان تمنا

حضرت شوق قدوائی کے مصرع سے پتہ چلتا ہے کہ اُنھون نے شاعر کے مفہوم ذہنی کو خوب سمجھا ہے اسلیے کہ اُن کی اصلاح یہ ہے ؎

پھر میرا دل تنگ ہے زندان تمنا
قربان ترے جوش فراوان تمنا

اس مین "قربان ترے" کا ٹکڑا میرے مطلب پر شاہد عادل ہے۔

حدنگاہ ناطق بہرحال یہ تخییل اس محل پر صرف مکروہ نہین غلط بھی ہے۔

اور مدنگاہ بیخود اور یہین سے حدنگاہ ناطق اور مدنگاہ بیخود کا فرق آئینہ ہوجاتا ہے، کوئی ان اشعار کو دیکھکر دھوکا نہ کھائے اسلیئے کہ وہان شاعر نے اس طرح کہا ہے کہ اُسپر کوئی ایراد وارد نہین ہوتا ؎

(غالب) گلہ ہے شوق کو دل مین بھی تنگی جا کا
گہر مین محو ہوا اضطراب دریا کا

(غالب) شرح اسباب گرفتاری خاطر مت پوچھ
اسقدر تنگ ہوا دل کہ مین زندان سمجھا

پہلے شعر مین جہان وسعت وکثرت شوق دکھائی وہان دل کو زندان نہین کہا دوسرے شعر مین جہان دل کو زندان کہا وہان ہجوم شوق وتمنا کا ذکر نہین کیا، اور یہی وہ نازک امتیازات ہین جو نظر بازون کے لیے مخصوص کردیے گئے ہین۔

اب حضرت ناطق کی نکتہ نوازیون کا جائزہ لینا چاہیئے۔

آپ فرماتے ہین کہ تخئیل بدل گئی۔ اسکا مفصل جواب ابھی ابھی دیا جاچکا ہے آگے بڑھ کر ارشاد ہوا ہے:۔

"لفظ قطرہ کا اضافہ ہوا ہے، جس سے تنگیٔ دل خوب ثابت ہوئی"

اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہا جاتا ہے:۔

"دل تنگ، جو ایک ظرف ہے اُسکی تشبیہ طوفان سے غیر مناسب ہے"

کوئی اس اللہ کے بندے سے پوچھے کہ دل جب قطرہ کہا گیا، اور تنگیٔ دل خوب ثابت ہوئی تو دل تنگ ظرف رہا یا نہ رہا۔ خود حضرت ناطق کے ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ ظرف رہا جبھی تو تنگی ثابت ہوئی اسلیے کہ تنگی وفراخی لوازم ظرف سے ہین، پھر اگر اسی قطرہ کو طوفان کہا تو جس طرح قطرہ کہنے سے تنگیٔ دل خوب ثابت ہوئی تھی اسی طرح طوفان کہنے سے جوش تمنا بھی خوب ثابت ہوا، اگر دل کو باعتبار تنگی قطرہ کہنا روا تھا تو باعتبار جوش طوفان کہنے مین کونسی قباحت لازم آتی ہے، اس کی صحت مین قدح کرنا مذاق سلیم سے بیگانگی ظاہر کرنا ہے، اسیلئے آب یا خاک بجوش آمدہ کا ایک نام طوفان بھی ہے، اور قطرہ کو طوفان کہنا عام ہے۔ مرزا غالب فرماتے ہین

دل مین پھر گریہ نے اک شور اٹھایا غالب
آہ جو قطرہ نہ نکلا تھا سو طوفان نکلا

میری اصلاح — اک قطرہ مین یہ جوش فراوان تمنا
یارب ہے دل تنگ کہ طوفان تمنا

اصل شعر:۔ اب اپنا دل تنگ ہے زندان تمنا
اللہ رے یہ جوش فراوان تمنا

اس امر کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ مین اپنی اصلاح کے وجوہ بلاغت بھی بیان کردون۔

وجوہ بلاغت:۔ دل کو باعتبار تنگی قطرہ، اور باعتبار جوش فراوان طوفان تمنا کہا، مصنف نے " اللہ رے یہ کہکر مفہوم استعجاب پیدا کیا تھا، اُس سے کہین زیادہ صرف " یہ " کو جوش فراوان سے پہلے رکھکر پیدا کر دیا۔ دل کو تنگ کہکر لفظون مین تنگی دل کی تصویر کھینچدی، جس نے محاکات کے اثر کو کہین سے کہین پہونچا دیا، پھر دوسرے مصرع مین یارب کہا، اور اُسکے بعد یہ تکرار رکھا ہے " ہے دل تنگ کہ طوفان تمنا " جس سے کچھ سمجھ مین نہ آنے کی کیفیت ظاہر ہوتی ہے قطرہ کا جوش فراوان ظاہر کرنے کے لیے طوفان سے بہتر کیا برابر کا بھی کوئی لفظ نہین ملتا، پھر جب دل خود ہی طوفان تمنا ہو گیا تو جب تک بھی اُسکا (دل کا) وجود تسلیم کیا جائے، جوش فراوان مین کمی متصور نہین۔

یہان یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ مصنف نے جوش کے معنی ہجوم لیے اور بیخود نے جوش مارنا، اسکا جواب یہ ہے کہ جب مصنف کی تخییل مکروہ اور غلط ٹھہری

اور پہلا مصرع بیکار ہوگیا، تو اب صرف دوسرا مصرع رہ گیا۔ لفظ جوش کے دو معنون
مین سے کوئی ایک معنی مدنظر رکھکر مصرع لگا دیا، جوش فراوان مُصنف دکھانا چاہتا
تھا دکھا دیا۔ شاید یہ کہا جائے کہ حضرت ناطق نے بھی تو تخئیل ہی بدل دی، اُسپر اعتراض
کیون ہے، اسکا جواب یہ ہے کہ دو شخصون نے تخئیل بدلی ایک نے بر بنا رتحقیق ایک نے
اسکے برعکس حضرت ناطق کی اصلاح کا سبب معنی جوش سے بے خبری، اور میری
اصلاح کا باعث تخئیل کی غلطی اور کراہت، ان دو باتون مین مشرق و مغرب کا
فرق ہے۔

اصلاح شوق :- نکلا نہ کبھی عشق مین ارمان تمنا
آخر مرا دل ہوگیا زندان تمنا

ارشاد ناطق :" شوق کی اصلاحین بھی بیخود کی سی اصلاحین
مین (یعنی وہ بھی تخئیل بدل دیتے مین)

التماس بیخود :- حضرت ناطق نے فرمایا ہے کہ حضرت شوق بھی اپنی
طرف سے ایک شعر کہہ دیتے ہین اصلاح نہین فرماتے، اِس مطلع کے متعلق حضرت
شوق نے توجیہہ اصلاح کے موقع پر ارشاد فرمایا ہے :-

درحقیقت جوش فراوان کے لیے لازم نہین ہے کہ وہ دل تنگ
کو زندان بنا دے۔ یہی راز اسکا ہے کہ دونون مصرعون مین تعلق ربط
نہین معلوم ہوتا"

اس توجیہہ سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت شوق بھی جناب ناطق کی طرح بلا فہمی
مین گرفتار اور کوتاہیٔ نظر کے آزار مین مبتلا ہین، جب مصنف کی تخئیل جوش کے

دوسرے معنی (ہجوم) یا ذہن نے کے سبب سمجھ مین نہ آئی تو زندان کو عمود قرار دیکر ایک نسخہ لکھ دیا اور اب شعر بالکل سادہ سادہ رہ گیا، اللہ بس باقی ہوس۔

لیکن حضرت شوق نے شعر کو بامعنی رکھا اور حضرت ناطق نے اس کی بھی پروانہ کی، رہی تخئیل مصنف اُسے جناب شوق نے بھی بدل دیا اور جناب نقاد نے بھی۔

ارشادِ ناطق :۔ "اب اس شعر کے متعلق دو باتین اور ہین،

(۱) بہترین و بدترین صلاحیں کون کون سی ہین۔

(۲) صلاح دینے والون نے توجیہین کیسی اور کیا لکھی ہین۔"

توجیہات صلاحی "

باقی :۔ "جوش فراوان تمنا کے سبب سے دل تنگ کا زندان تمنا ہوجانا سمجھ مین نہ آیا، تمنا کا دل تنگ سے نہ نکلنا ہی اُسکے زندان تمنا ہونے کے لیے کافی ہے۔"

ارشادِ ناطق :۔ اِس عبارت کے پہلے فقرہ سے مجھے ذرہ برابر اختلاف نہین ہے مگر دوسرا جملہ یہ ہے کہ تمنا کا دل سے نہ نکلنا ہی دل تنگ کے زندان ہونے کیلیے کافی ہے، بقول جناب باقی ایک یہ کلیہ ٹھہرتا ہے کہ اگر کوئی کہین سے نہ نکلے تو وہ اُسکے لیے زندان ہوگا، مگر میرا خیال مثالین ڈھونڈھتا ہوا دونون عالم سے واپس ہوکر یہ کہتا ہے کہ مثلاً حضرت الیاس جنت سے اور کاظم حسین محشر لکھنؤ سے کسی طرح نہ نکلے، مگر زندانی کہلانیکے

مستحق نہ ہوئے۔"

التماس بیخود:۔ حضرت باقی کے پہلے فقرہ سے مجھے ذرہ برابر اتفاق نہین، اگرچہ جناب ناطق کو اُس سے ذرہ برابر اختلاف نہین، حقیقت یہ ہے کہ حضرت باقی کو بھی جوش کے معنی ہجوم معلوم نہین ہین۔ اب رہا دوسرا جملہ اُسکے لیے نہ عالم علوی کی طرف جائیے نہ عالم سفلی کی طرف آئیے صرف یہ چاہیے کہ اِسے جس طرح اُنھون نے لکھا ہے اُسی طرح رہنے دیجیے کسی کی عبارت مین تحریف کرنا اخلاقی جرم ہے۔

حضرت باقی تحریر فرماتے ہین:۔

"تمنا کا دل تنگ سے نہ نکلنا ہی اُسکے زندان تمنا ہونے کیلیے کافی ہے، جب تک دل کے ساتھ لفظ "تنگ" موجود ہے اُسکا مفہوم قابل اعتراض نہین ہو سکتا، اسکے سوا جب کوئی کسی گھر سے کبھی نہ نکلے تو اُس گھر کو اُسکے لیے زندان نو زندانِ قبر کہدینا بھی غلط نہین۔"

توجیہہ شوق:۔ "دونون مصرعون مین ربط و تعلق نہ تھا درحقیقت جوش فراوان کیلیے لازم نہین ہے کہ وہ دل تنگ کو زندان بنادے۔ یہی راز اسکا ہے کہ دونون مصرعون مین تعلق و ربط نہین معلوم ہوتا۔"

التماس بیخود:۔ یہ بزرگ بھی حضرت باقی و ناطق کی طرح جوش کے دوسرے معنون سے بیخبر ہین۔

توجیہ ناطق :- جوش کا مقتضا وسعت ہے نہ کہ تنگی۔

ارشاد ناطق :- "توجیہ صلاح کے ضوابط یہ ہو سکتے ہیں کہ یا تو وجوہ اصلاح ظاہر ہی نہ کرے، خواہ شعر پر اصلاح دے یا کاٹ دے، اور اگر توجیہات ظاہر کرے تو جسقدر عیوب شعر میں ہوں سب بتا دے پھر اگر اصلاح میں وہ سب عیوب نکل سکیں فبہا، ورنہ یہ کہدے کہ بقیہ عیوب جو اصلاح میں رہ گئے ہیں ان کا نکالنا ضروری نہیں ہے یا نکل نہیں سکتے۔

ناطق کے اس نوٹ سے شبہ ہوتا ہے کہ شعر میں اسکے علاوہ اور کوئی عیب ہی نہ تھا کہ جوش کا مقتضا، وسعت ہے نہ کہ تنگی، حالانکہ شعر میں کئی عیب ہیں، سب سے بڑی وجہیں اس کی دو ہو سکتی ہیں، یا تو بے پروائی وکاہلی، یا یہ کہ قابلیت ہی نہیں کہ جملہ اقسام سمجھ سکیں، واللہ اعلم۔"

الیاس بیخود :- اس فاضلانہ اور مفتیانہ تحریر کا جواب دیا جا چکا، توجیہ کے ضوابط سے اتفاق و اختلاف مفت کا درد سر ہے، ممکن ہے کہ اصلاح دیتے وقت کاہلی و بے پروائی کی ہو، مگر تبصرہ کرتے وقت تو ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا گیا ہے مگر مآل ایک ہی ٹھہرا، رہا قابلیت کا راز اُسے بھی آپ کی حق کوشی اور حقیقت نگاری نے طشت از بام کر دیا۔

توجیہ نوح :- دل تنگ سے کوئی خوبی نہ پیدا ہوئی۔

ارشاد ناطق :- "ایسا ہی اجمال اس نوٹ میں بھی ہے۔"

التماس بیخود :۔ دل تنگ سے جو خوبی پیدا ہوئی ہے وہ اپنے محل پر ظاہر کی جاچکی۔

توجیہ نیاز :۔ مصرعہ اول مین فراوانی تمنا کا کوئی ثبوت نہین ہے۔ اگر دل تنگ زندان ہوگیا تو اس سے جوش فراوان کیونکر ثابت ہوا؟

ارشاد ناطق :۔ حضرت نیاز کی اس عبارت سے دو نتیجے نکلتے ہین، یا تو سمجھنے مین اُن کو غلط فہمی ہوئی (آب حیات کا پانی) یا اپنے مافی الضمیر کو ضروری الفاظ مین ادا نہ کرسکے، اُن کے پہلے فقرہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ عاشق سے فراوانی تمنا کا ثبوت مانگتے ہین گویا ایک عجیب بات ہے، دوسرا فقرہ پڑھ لینے کے بعد یہ راز کھلتا ہے کہ اُنھون نے فراوانی تمنا کو دعوی اور دل تنگ کے زندان ہونے کو اُس کا ثبوت سمجھا ہے، میرا خیال ہے کہ اُن کے ذہن مین اسکے متعلق جو مضمون پیدا ہوا کاغذ پر براہ راست منطبع ہوگیا، کیونکہ جس کو اُنھون نے علت لکھا ہے وہ فی الحقیقت معلول ہے، اور وہ معلول علت ہے، جوش فراوان تمنا اگر دعوی ہوتا، تو ثبوت کا محتاج نہ تھا، کیونکہ تمناؤن کی فراوانی اور اُن کے لوازم کا عاشق کے دل مین موجود ہونا بدیہی ہے، البتہ دل تنگ کا زندان ہونا دعوی ہے، اور اُس کی دلیل جوش فراوان تمنا،

مگر چونکہ جوشش فراوان تمنا کے لیے یہ لازم نہین کہ وہ دل تنگ کو زندان بنا دے۔ اسلیے سب نے صلاح دی، اور خود جناب نیاز نے بھی جس کی مین تعریف کر چکا۔"

التماس بیخود:۔ حضرت نیاز کی عبارت کے متعلق جناب نقاد کی رائے غلط نہین ہے، فرنٹ کی پلیٹ والی تمثیل خوبصورت ہے خدا کرے کہ انھین کی نکتہ آفرینیون کا نتیجہ ہو۔

ارشاد ناطق:۔ "اب یہ سوال باقی رہتا ہے کہ صلاحین کسکی کیسی ہین۔

جناب فضل کی اصلاح میری ذاتی رائے مین نہایت کمزور ہے، کیونکہ اوّل تو صلاح کے اصول سے صلاح نہین دی، بلکہ خود اپنی طرف سے ایک شعر لکھ دیا ہے۔"

صلاح فضل:۔ تو جب سے ہوا قابل احسان تمنا
کرتا ہے ہر اک خلق مین ارمان تمنا

ارشاد ناطق:۔ "معشوق پر تمنا کا احسان ہونا، اس مین بجائے عیب اگر کوئی خوبی ہے تو اُسکے لطف سے مین محروم ہون۔"

التماس بیخود:۔ حضرت نقاد کی یہ رائے ٹھیک ہے۔

ارشاد ناطق:۔ جناب نظم نے دو طرح صلاح دی ہے، ایک کا تذکرہ اور اعتراف مین کر چکا ہون، دوسری صلاح مین اُنھون نے مصرع اولی کو بدلکر اپنا مصرع چسپان کیا ہے۔

اصلاح مظفر

ہے سیل عرم دست بدامان تمنّا
اللہ رے یہ جوش فراوان تمنّا

سیل عرم کا قصۂ پارینہ "ومن یقنت" کی مفصل تفسیرون مین پڑھنے کے بعد قوم عاد کی خوشحالی، اور اُن کے رشک جنت باغون کی بہار، اور کوہ ابلق کی وادی مین آبشار کے ذخیرہ کا بند باندھنا، جس کو مارب کہتے ہین، کیونکہ مارب سلاطین عاد کا دارالسلطنت تھا اور وہیں یہ بند باندھا گیا تھا، پھر اُن کا خدا سے منحرف ہونا، اور بند کا ٹوٹجانا اور سیلاب سے سب کا غرق و فنا ہو جانا، یہ سب تو معلوم ہو گیا، مگر شعر کا مطلب معلوم نہوا۔ "ہے سیل عرم دست بدامان تمنا"

بہترین اصلاحین اوپر گزرین جن کی مین تعریف کر چکا ہون اور یہ سب میری ذاتی رائین ہین۔"

بیخود:۔ اللہ اکبر اِس حسن پر یہ بے نیازیان، اس تبحر پر خود نمائی کا اتنا شوق، خود فروشی کا یہ سودا، حضرت ناطق نے ومن یقنت کی مفصل تفسیرون کا ذکر دنیا کے مرعوب کرنے کیلیے فرمایا تھا، مگر یہ قلعی تیزاب نکلی اور تبحر کا ملمع اُڑ گیا، وہ یون کہ نہ جناب طباطبائی یہ مصرع لگاتے نہ اِس وسیع النظر نقاد کو سیل عرم کا قصہ معلوم ہوتا، مگر مجکو نہایت افسوس ہے کہ اتنی دردسری پر بھی اُن کو شعر کا مطلب نہ معلوم ہوا، جہان اتنی زحمت اُٹھائی تھی لگے ہاتھون بہار عجم پر نظر کر لی ہوتی، تو معلوم ہو جاتا کہ "دست بدامان" مرید کو کہتے ہین، اور شعر پانی ہو جاتا، یعنی تمناؤن کا سیلاب اللہ اکبر سیل عرم بھی اُسکے سامنے پانی بھرتی ہے۔ دنمجھے یہان سیل کو

مذکر لکھتے اچھا معلوم ہوتا ہے) اور اگر یہ سمجھنا تھا کہ شاعر نے سیل عرم کا ذکر کیا کیوں، تو ذرا سے غور میں سمجھ لیتے کہ جس طرح سیل عرم نے قوم عاد کو غرق و فنا کر دیا، اُسی طرح سیل تمنائے عشق نے رذائل نفسانی اور ہوا و ہوس انسانی، بلکہ دنیائے فانی کو دل عاشق سے محو و فنا کر دیا۔

جناب ناطق نے سیل عرم کے ساتھ "قصہ پارینہ" لکھکر یہ دکھانا چاہا ہے کہ یہاں جناب طباطبائی کا مصرع بے معنی ہے، وہیں سیل عرم کے ذکر سے غرابت کا عیب بھی اس میں پیدا ہو گیا ہے،

میرے نزدیک جناب نظم نے اِس تلمیح کو نظم کر کے زبان اردو پر احسان کیا ہے، اور ہماری زبان میں ایک نہایت مہتم بالشان لفظ کا اضافہ فرمایا ہے، اور مصرع ایسا شاندار لگا دیا ہے جو اُن کے مرتبہ کے شایان ہے اور یہی سبب ہے کہ یہ شعر حضرت ناطق کے بس کا نہیں رہا۔

ایک مقلد مجتہد کے لباس میں

حقیقت یہ ہے کہ جناب نقاد یہاں مقلد مجتہد نما نظر آتے ہیں، جناب باقی و شوق (قدوائی) نے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ اس شعر میں جوش فراوان دل کے زندان بنا دینے کی علت ہے، یہ سمجھ میں نہیں آتی جناب ناطق نے اسی بنا پر سر بفلک کشیدہ عمارت بنا دی، اور بنار فاسد علے الفاسد کا خیال نہ فرمایا۔

شعر دوم:۔

کیا ڈالیں کسی آرزوِ تازہ کی بنیاد
نظروں میں ہے بربادیِ ایوانِ تمنا

ارشادِ ناطق:۔

دل میں کسی نئی آرزو کے جگہ دینے مین یہ امر مانع ہے کہ بہت سی تمنائین خاک مین مل چکی ہین اور اُن کی بربادی کا منظر آنکھون مین پھرا کرتا ہے۔ مصرع ثانی ایک دوسرا پہلو بھی رکھتا ہے وہ یہ کہ جو آرزوئین موجود ہین اُن ہی کی بربادی کا سامان نظر آرہا ہے، اب کسی نئی آرزو کے اضافہ کرنے کا کیا موقع ہے دونون معنی مفید مطلب ہین۔

التماس بیخود (۱) جناب نقاد کا یہ ارشاد فطرت انسانی اور سنت عاشقی دونوں کے خلاف ہے اسلئے کہ یہ کہنا کہ بہت سی تمنائین خاک میں مل چکی ہین اور اُن کی بربادی کا منظر آنکھون مین پھرا کرتا ہے۔ اس لئے دوسری آرزو نہ کرنی چاہیئے بلکہ یون کہنا چاہیئے کہ بربادی ایوان تمنا کا واقعہ ابھی تازہ تازہ ہے اس لئے داغ تازہ اور زخم گہرا ہے یہی وجہ ہے کہ نئی تمنا کرنے کو دل نہیں اٹھتا اور صرف یہی ایک صورت ایسی ہے جسمین مصنف کی تخئیل صحیح قرار پاتی ہے

(۲) مصرع ثانی کوئی دوسرا پہلو نہین رکھتا، اس لئے کہ شعر دو مصرعون کا ہوتا ہے دونون مصرعون پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب نقاد کی موشگافیان نقش برآب ہین۔ کیونکہ جب اُن کی اس عبارت سے مصرع ثانی ایک دوسرا پہلو بھی رکھتا ہے وہ یہ کہ جو آرزوئین موجود ہین اُنھی کی بربادی کا سامان نظر آرہا ہے

اب کسی نئی آرزو کے اضافہ کرنے کا کیا موقع ہے، صفحہ ۱۰ سطر ۹ - ۱۱ کی یہ عبارت
ملا دی جاتی ہے یعنی یہ کہ بربادی ابھی ہوئی نہین) ہے اب ہوئی اور اب ہوئی
تو اُنکا باندھا ہوا طلسم تارعنکبوت کی طرح ٹوٹ جاتا ہے کیونکہ جب تمنا کی صبح و شام
ہو رہی ہے بلکہ یہ حالت ہے کہ اب ہوئی اور اب ہوئی تو ایسی حالت مین فطرت انسانی
بھی تمنا آفرینی نہین کرسکتی جسکا جبلی ہونا مشہور خاص و عام ہے چہ جائیکہ عاشق
یہ سوچنے بیٹھے کہ نئی تمنا کرون یا نہ کرون اور پھر یہ فیصلہ بھی کرسکے کہ
ایک تمنا کی تھی اُسکا حشر یہ ہوا اب ایسا نہ کرنا چاہیئے اللہ اکبر انسانی فطرت اور
انسانی احساسات سے اتنی بیگانگی ایک صورت اِس مفہوم کے خلاف واقع ہونیکی یہ ہوئی

دوسری مصیبت فن ادب کی ڈالی ہوئی ہے جسکی صورت یہ ہے :-

نکتہ - اہل خبر جانتے ہین کہ اداے مطلب کے لئے تلازمہ ضروری نہین ہے
مگر جب شاعر یا نثار نے اُسے اپنے اوپر لازم کرلیا تو حد واجب تک اُسکا نباہ واجب ہے
مصنف نے شعر مابہ البحث مین تمنا کو ایوان سے تشبیہ دی ہے اور کہتا ہے
کہ نظرون مین ہے بربادی ایوان تمنا، اور جناب ناطق اسکا دوسرا پہلو یون
دکھاتے ہین کہ ایوان تمنا کی بربادی ابھی ہوئی نہین ہے، نظرون مین ہے
اب ہوئی اور اب ہوئی، تو مین یہ عرض کرنا چاہتا ہون کہ جس کو یہ نظر آرہا ہو کہ
اُسکے بنائے ہوئے ایوان (جھونپڑی نہین) کی دیوار گرا چاہتی ہے چھت آرہنے کو
ہے، سارا محل اڑا اڑا کر بیٹھ جانے کو ہے، کیا وہ ایسے ہولناک اور آفت خیز
وقت مین دوسرا مکان بنانے نہ بنانے کے متعلق غور کرنے اور کوئی فیصلہ کرلینے کی
فرصت پا سکتا ہے اِسلئے کہ اُسے اپنے دلبستگان دامن کے دب کر مرجانے کا خوف

الگ گھر کے ساز و سامان کے خاک مین مل جانے کا خطرہ جدا خود اپنے بنائے ہوئے مکان کے ڈھہ پڑنے کا صدمہ ایک طرف۔ ایسی صورت مین اُسے پریشانی کچھ سوچنے کی اجازت دینے سے رہی شاید اسیر یہ کہا جائے کہ ایوان کہہ دینے سے تمنا کوئی پیچ پچ کا محل تو ہو نہین گئی تو مین کہونگا کہ پھر اس تشبیہ اور تلازمہ کا کام کیا ہوا اسکے علاوہ جس طرح مکان کے ڈھہ جانے سے مذکورہ بالا نقصانات یقینی ہین۔ اسی طرح بربادئی تمنا سے بھی دلشکستگی کا پیدا ہونا افسردگی کا چھا جانا کبھی کبھی جان کا نہ رہنا وغیرہ سب سمجھ مین آنے کی باتین ہین۔ غالباً حضرت ناطق کو سنہ ۱۹۱۵ء کی طوفان خیز بارش یاد نہین جبمین آسمان سے باتین کرنے والی عمارتین خاک ہو کر رہ گئین ہیںے تو اُسوقت لوگون کو ایسا پریشان دیکھا کہ طوفان نوح اور سیل عرم کی پیدا کی ہوئی ہیبت کا تصور ہونے لگا۔

اب یہ امر بخوبی ثابت ہو گیا کہ شعر زیر بحث مین آپکے بتائے ہوئے دوسرے پہلو کی گنجائش نہین۔

ارشاد حضرت ناطق:۔

تمنا کی تشبیہ ایوان سے دی گئی ہے اور یہی انتظام مصرع اولی مین بھی رکھا گیا ہے اسی سلسلۂ بیان سے شعر مین محاکات پیدا ہو گئی ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہر چند تخئیل معمولی ہے مگر شعر اچھا معلوم ہوتا ہے اور سامع کے دل مین ایک کیفیت پیدا کرتا ہے تشبیہ و استعارہ کی مناسبت محاکات و تاثیر پیدا کرنے مین ایک خاص چیز ہے۔ اہل فن ان اصول کو خوب سمجھتے ہین ایک چیز مین کئی صفات

ہوتے ہین ہر صفت کو وجہ شبہ بنا کر اُس چیز سے تشبیہ دے سکتے ہین، جو اُس صفت مین مشترک ہو اور جس مشبہ بہ مین مشبہ کے زیادہ اوصاف موجود ہین اُسکو تشبیہ کامل کہتے ہین، تمام اہل معانی وبیان اس مسئلہ کو جانتے ہین مگر اس راز کو صرف شاعر ہی جانتا ہے کہ بعض موقع پر ادنی سے ادنی وجہ شبہ تشبیہ کامل سے بہتر ہوتی ہے اور بمقابلہ تشبیہ کامل تشبیہ ناقص تاثیر وکیفیت اور بلاغت وفصاحت پیدا کر دیتی ہے عشق ومحبت کی تشبیہ کامل اگر ہو سکتی ہے تو شراب سے کیونکہ حرارت، مستی۔ کیف اور اکثر اوصاف شراب وعشق مین مشترک ہین مگر ایک شاعر نے محبت کو چشمہ سے تشبیہ دی ہے جو کہ ناقص ہے، مگر دیکھیے شعر کس مرتبہ کا ہو گیا

یا رب چہ چشمہ ایست محبت کہ من ازو ... یک قطرہ آب خوردم و دریا گریستم

شوق کے اس شعر مین اسی قسم کا استعارہ (ایوان تمنا) ہے

التماس سجود - یہی انتظام مصرع اولی مین رکھا گیا ہے، کیا انتظام کی جگہ التزام محاورے کا لفظ نہ تھا۔

۲۔ اس سلسلۂ بیان سے شعر مین محاکات پیدا ہو گئی، یہ سلسلہ بیان سے کہنے کا محل ہے یا اس التزام سے کہنے کا موقع، بلکہ اگر اسکے مقام پر صرف، جس سے کہدیا جاتا تو مطلب ادا ہو جاتا یہ مین جانتا ہون کہ انتظام اور سلسلہ الفاظ متناسب ہین۔ مگر اصطلاحات مقررہ کے ترک کا فتوی خدا جانے کہان سے حاصل کیا گیا ہے۔

۳۔ محاکات پیدا ہو گئی ہے، یہ بیان عوام کی سمجھ مین آنے سے رہا، اتنا

اور کہنا چاہیئے تھا کہ اس التزام سے مضمون کی تصویر آنکھون کے سامنے آگئی اور بیان واقعہ عین واقعہ بنگیا جس کی بدولت انسانی حاسہ لطف اُٹھانے لگے۔

۴۔ وجہ شبہ بناکر فصیح ہے یا وجہ شبہہ قرار دیجۂ

۵۔ اس راز کو صرف شاعر ہی جانتا ہے، یہ بیان خلاف واقع ہے شاعر بھی جانتا ہے اور نثار بھی بلکہ ہر نکتہ سنج و باخبر خواہ شاعر و نثار ہو یا نہو۔

۶۔ یارب چہ چشمہ ایست محبت کہ من ازو   یک قطرہ آب خوردم و دریا گریستم

اسمین تشبیہ ناقص کی معجزہ آرائی سمجھنا قصور فہم سے ہے، حقیقت یہ ہے کہ یکقطرہ آب خوردم و دریا گریستم۔ (ایک قطرہ پیا اور آنسوؤن کا دریا بہادیا) اس مفہوم کی ندرت نے شعر کو اس مرتبہ پر پہونچا دیا جس سے استعجاب کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔

ارشاد ناطق:۔

مصرع ثانی مین کسی عیب کو جگہ نہین ملی مگر ہمارے اُستاد خالی شاید کسی نے بہتر اصلاح دی ہو (آیندہ معلوم ہو جائے گا) مصرع اولی مین کیا ڈالین، اگرچہ معلوم ہوتا ہے اسکو بہت سے شعرا نے اصلاح سے مستغنی سمجھا ہے، بالفرض اگر کیا ڈالین، کا نافرمان بھی لیا جائے تو غلطی کی حد تک نہیں پہونچتا، یہی وجہ ہے کہ ۱۲ شاعرون نے کوئی اصلاح نہین دی، یکتا، اطہر۔ افضل۔ بیباک۔ صفی۔ عزیز۔ وحشت۔ بیخود دہلوی جلیل۔ شہرت۔ مومن۔ نوح۔ مگر اکثر شعرا اصلاح دیکر ترقی دینا چاہتے ہین اسلئے بندرہ شاعرون نے اصلاح دی ہے۔

چار شعرا نے دونون مصرعے بنائے ہین۔ بیخود موہانی۔ شوق قدوائی

شفق عمادپوری اور نیاز فتحپوری

اصل شعر کیا ڈالیں کسی آرزوِ تازہ کی بنیاد　　نظروں میں ہے بربادی ایوانِ تمنا

اصلاح بیخود موہانی :-

جب پڑنے لگی آرزوِ تازہ کی امید　　یاد آگئی بربادی ایوانِ تمنّا

ارشاد ناطق :-

تخیل بدل گئی اور اب یہ مفہوم ہوا کہ جب کسی نئی آرزو کا اضافہ ہونے لگا تو گزشتہ تمناؤں کی بربادی یاد آگئی اس میں یہ پتہ نہیں چلتا کہ نئی آرزو کا اضافہ ہوا یا نہیں مگر اصل شعر میں یہ واضح ہے کہ آرزوِ تازہ کی بنیاد قائم نہ ہوسکی، اس واقعہ میں اثر زیادہ ہے البتہ اصلاح میں بظاہر خوبی یہ ہے کہ شعر کا مذاق یہ تھا کہ دل میں آرزو ہی نہیں رہی اور یہ عاشق کے لئے تقریباً غیر ممکن ہے گویا اصلاح سے یہ عیب نکل گیا مگر مصرع ثانی کے دوسرے پہلو نے جس کی میں تشریح کرچکا ہوں پہلے ہی سے اس بدمذاقی کی اصلاح کردی تھی۔ یعنی یہ کہ بربادی تمنا ابھی ہوئی نہیں ہے نظروں میں ہے۔ اب ہوئی اور اب ہوئی، بیخود کی اصلاح میں جب پڑنے لگی بھی اپنے رنگ میں کیا ڈالیں سے کم نہیں ہے، ایک اور لفظی تغیر ہوا ہے کہ مصرع اولیٰ کا آخری لفظ بنیاد ہے اور یاد مصرع ثانی کا پہلا لفظ ہے۔

التماس بیخود :- خدا جانے حضرت ناطق بھول جاتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں کہ کہ شعر کے دونوں مصرع ملکر کوئی مفہوم ادا کرتے ہیں۔ بیشک جناب شوق کا

دوسرا مصرع "نظروں میں ہے بربادی ایوان تمنا" اپنی حد میں بے عیب ہی نہیں بلکہ ڈھلا ہوا مصرع ہے مگر جب تک اسکا پہلا مصرع یہ ہے "کیا ڈالیں کسی آرزو تازہ کی بنیاد" جس کا فطرت کے خلاف ہونا ظاہر ہے اور جسکی طرف خود جناب ناطق نے ان لفظوں میں اشارہ فرمایا ہے " شعر کا مذاق یہ تھا کہ دل میں آرزو ہی نہیں رہی اور یہ عاشق کے لئے تقریباً غیر ممکن ہے گویا اصلاح سے یہ عیب نکل گیا اگر مصرع ثانی کے دوسرے پہلو نے جسکی تشریح کر چکا ہوں پہلے ہی سے اس بد مذاقی کی اصلاح کر دی تھی یعنی یہ کہ بربادی تمنا ابھی ہوئی نہیں ہے نظروں میں ہے اب ہوئی اور اب ہوئی" اسوقت تک اسے ترمیم و اصلاح سے بے نیاز سمجھنا غلطی ہے، انسان اور خاصکر عاشق ایک نہیں ہزار ناکامیوں کے بعد پھر کبھی تمنا نہ کرے قطعاً محال ہے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ تخئیل بدل گئی حضرت نقاد نقص تخئیل کے دفع ہونے یا تخئیل کے پست سے بلند ہو جانے کو بھی تخئیل کا بدلنا کہتے ہیں، میں عرض کر چکا اور خود حضرت ناطق بھی توثیق فرما چکے کہ دل عاشق کا تمنا سے خالی رہنا تقریباً غیر ممکن ہے۔ اگرچہ اسکے ساتھ ساتھ یہ بھی فرمایا ہے کہ اس بد مذاقی کی اصلاح خود شاعر نے کر دی تھی جسکا غلط ہونا ثابت ہو چکا، اس لئے کہ جب تخئیل مکروہ یا غلط ہو تو اسکو صحیح نہ کرنا اپنے فرائض سے چشم پوشی کرنا ہے۔

فرماتے ہیں اس میں یہ پتہ نہیں چلتا کہ نئی آرزو کا اضافہ ہوا یا نہیں ؟

جب فطرت انسانی یوں ہی واقع ہوئی ہے کہ بے تمنا کئے رہ نہ سکے تو ظاہر ہے کہ جب کبھی ایسا ہوا ہوگا بربادی تمنا ضرور یاد آئی ہوگی فرماتے ہیں کہ

اصل شعر مین یہ واضح ہے کہ آرزوے تازہ کی بنیاد قائم نہ ہوسکی، اِس واقعہ مین اثر زیادہ ہے۔ مجھے اس کے متعلق یہ کہنا ہے۔

جب یہ طے ہوگیا کہ تخئیل ہی عقل و فطرت کے خلاف ہے تو اُس کے اثر یا بے اثری سے بحث کرنا مفت کا درد سر ہے پھر بھی مین جناب نقاد کی تسکین کیلئے بتا دینا چاہتا ہون کہ اثر میری اصلاح مین زیادہ ہے۔ اس بات کو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ خوف ناکامی سے تمنا ہی نہ کرنے مین وہ اثر نہین جو اس مین ہے کہ تمنا بھی تبقاضاے فطرت کی اور گذشتہ تلخ تجربون کی بنا پر ہمیشہ دل بھی لرزتا رہا کہ اس تمنا کا بھی وہی انجام ہونے والا ہے جو اب سے پہلے ہوتا رہا ہے اِس ارشاد مین "البتہ اصلاح مین بظاہر یہ خوبی ہے کہ شعر کا مذاق یہ تھا کہ دل مین آرزو ہی نہین رہی اور یہ عاشق کے لئے تقریبًا غیر ممکن ہے، میرے نزدیک صرف اتنا تغیر ضروری ہے کہ بظاہر کی جگہ "درحقیقت" اور تقریبًا کی جگہ "قطعًا" بنا دیا جائے۔

گویا اصلاح سے یہ عیب نکل گیا اس گویا کو دراصل سے بدل دیجئے۔

جب یہ ثابت ہوچکا کہ مصرع ثانی مین کوئی دوسرا پہلو نہین ہے، تو وہ بد مذاقی جسکا اعتراف خود جناب نقاد کو ہے مٹنے سے رہی یہ کہنا کہ اسکا علاج خود مصنف نے کردیا کوئی معقول بات نہین جس مرض کا ازالہ نقاد حکیم (ناطق) کے بس کا نہ ہو اُسکا علاج شاگرد بیمار (جس کو اصلاح لینے کی ضرورت ہے) کیا کرسکے گا۔

کیا ڈالین کسی آرزوِ تازہ کی بنیاد، مین اس مصرع مین ذم کا قائل نہین اور اگر اسمین ذم ہے تو زبان کھولنا دشوار ہوجائے گا۔ کیا کیجئے، کیا دیجئے، کیا لیجئے

کیا ڈالین۔ کیا نکالین۔ کیا رکھئے۔ کیا تھامئے وغیرہ سبھی مین تو ذم ٹھرے گا۔ حقیقت مین پہلوئے ذم ہونا اور بات ہے اور گندہ خیالی سے ذم پیدا کرنا اور بات ہے۔

ایسے مقامات پہ ذم کی بحث کرنے والون مین دو گروہ پیدا ہو گئے ہین ایک تو یہ دعوی کرتا ہے کہ اب زبان اسقدر لطیف ہو گئی ہے کہ پہلے جن مقامات پہ ذم نہین سمجھا جاتا تھا اب وہان بھی سمجھا جانے لگا دوسرے گروہ کا خیال یہ ہے کہ تہذیب اسقدر اُٹھ گئی اور عامیانہ مذاق اتنا عام ہو گیا کہ موقع بے موقع پہلوے ذم کی طرف خیال جانے لگا۔ میرا خیال یہ ہے کہ علم (خصوصًا علم اخلاق) و تہذیب کی کمی۔ شریف و وضیع کا ایک ہی ساتھ تعلیم پانا (مدرسون مکتبون۔ کالجون اور یونیورسٹیون مین) آزادی بیجا کا بڑھ جانا افعال کا بگڑ جانا وغیرہ وغیرہ اس کے اسباب ہین۔

مین جناب نقاد کی خاطر سے تھوڑی دیر کیلئے یہ مان لینے کو تیار ہون کہ کیا ڈالین اور جب پڑنے لگی' مین ذم ہے لیکن بکمال ادب اُن سے ایک سوال کرنا چاہتا ہون۔

سوال۔ کیا نقادی کی یہی شان ہوتی ہے کہ 'جب پڑنے لگی' اور کیا ڈالین' مین تو آپ کو ذم نظر آتا ہے مگر جناب احسن و جناب آرزو اور خود اپنے یہان نظر نہین آتا۔

ڈالے کوئی کیا آرزوئے تازہ کی بنیاد (احسن مرحوم) نظر وہین ہے بربادی ایوان تمنا

کیا ڈالین' مین تو 'کیا' کا ایک باریک پردہ بھی تھا یہان ابتدا یہان سے ہوتی ہے 'ڈالے کوئی کیا' خود جناب ناطق صاحب تبصرہ اصلاح سخن کی اصلاح سے

کیا رکھے کسی آرزو تازہ کی بنیاد　　نظروں میں ہے بربادیٔ ایوانِ تمنا

اسے کہنے والے خیانت کہتے ہیں اور میں سہو کہتا ہوں مگر یہ سہو قیاست کا سہو ہے، ایک اور لفظی تغیر ہوا ہے کہ مصرع اولے کا آخری لفظ بنیاد ہے اور یاد مصرعِ ثانی کا پہلا لفظ ہے، مجھے اس ارشاد کے متعلق صرف یہ کہنا ہے کہ یہاں جناب نقاد کو یہ بتانا تھا کہ بنیاد اور یاد سے صنعت مرفو پیدا ہو گئی اس کے برخلاف اُسے اسطرح لکھا ہے کہ گویا یہ بھی کوئی عیب ہے۔

اصلاحِ شفق

ہونے لگا جب خانۂ دل ہجر میں ویران
یاد آگئی بربادیٔ ایوانِ تمنا

ارشاد ناطق:۔ تخئیل کا بدلنا تو خیر۔ عجیب و غریب تغیر یہ ہے معلوم ہوتا ہے کہ خانۂ دل کا تعلق ایوانِ تمنا سے صرف ہمسائگی کا ہے کہ جب یہ ویران ہونے لگا تو وہ بھی یاد آگیا۔ پرانی تصویری یہ تھی کہ خانۂ دل اور ایوانِ تمنا ایک ہی مکان کے دو نام ہیں۔

التماس بیخود۔ مجھے حضرتِ ناطق سے اس امر میں اتفاق ہے کہ تخئیل بدل گئی لیکن جسے وہ عجیب و غریب تغیر فرماتے ہیں وہ مجھے عجیب و غریب نہیں معلوم ہوتا جب ہجر میں خانۂ دل ویران ہونے لگا تو مجھے ایوانِ تمنا کی بربادی یاد آگئی جناب نقاد نے لفظ ایوان' پر اُچٹتی ہوئی نگاہ ڈالی ہے ورنہ یہ لفظ شہ نشین۔ کوشک دالان۔ قصر۔ کے معنوں پر آتا ہے جب یوں ہے تو یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ خانۂ دل کا تعلق ایوانِ تمنا سے صرف ہمسائگی کا ہے کہ جب یہ ویران ہونے لگا تو وہ بھی یاد آگیا اسلئے کہ جب سارا گھر خاک میں ملنے لگا تو یاد آیا کہ ایوانِ تمنا کی بربادی　—— سے

ویرانی خانۂ دل کی ابتدا ہوئی تھی اور ہم جبھی سمجھ گئے تھے کہ یہ گھر اُجڑے بغیر رہتا نہین ۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اصلاح نے شعر مصنف کو پست کر دیا۔

یہ قول اس تعمیم کے ساتھ صحیح نہین کہ پرانی تھیوری یہ تھی کہ خانۂ دل اور ایوانِ تمنا ایک ہی مکان کے دو نام ہین اسلیئے کہ قرینہ مقام خود ہی فیصلہ کر دیتا ہے کہ یہ ایک ہی مکان کے نام ہین یا دو مکانون کے، حبب ایوانِ تمنا مین تشبیہی اضافت مان لیگئی جسکے معنی یہ ہین "تمنا ہیچو ایوان" اس حالت مین تمنا خود ایوان ٹھری اور دل وہ سرزمین ٹھرا جس مین یہ گھر بنا ہے جیسا کہ جناب ریاض نے فرمایا ہے ؎

ویرانہ دل مین کوئی گھر خاک بنائے نظرون مین ہے بربادی ایوانِ تمنا

اور دل خود بھی ایوان تمنا، کہا جا سکتا ہے جسکے معنی یہ ہوئے کہ دل ایک گھر ہے جسمین تمنائین رہتی ہین ۔ نقادِ بے بدل کے منھ پر تھیوری کا لفظ نہین کھپتا اُردو مین مسلک مشرب ۔ خیال ۔ قول اور نہین معلوم کتنے الفاظ یہی مفہوم ادا کرنیکے لئے موجود ہین ۔

اصلاح شوق

زلفون کو نہ وہ میری نگاہون سے چھپاتے
سنتے جو کبھی حالِ پریشانِ تمنا ،

ارشاد ناطق :۔ اب تو یہ ظاہر کرنیکی ضرورت ہی نہین کہ تخیل بدلگئی بلکہ اب یہ کہنا چاہیئے کہ ایک انقلاب عظیم و افسوسناک ہوا قافیہ تک بدلگیا اور مفہوم یہ رہا کہ زلفون کو چھپا دیا لیکن اگر تمنا کا حال پریشان سنتے تو نہ چھپاتے ۔

التماس بیخود ۔ نہ اسے انقلاب کہیئے نہ قافیہ کے بدلجانے کا ماتم کیجیے یہ شعر حضرت شوق (قدوائی) نے اپنی طرف سے کہدیا ہے اور اصل شعر کو قلم زد فرما دیا ہے

اسے اصلاح سے کوئی سروکار نہین۔

اصلاح نیاز

کیا آ ،زو تازہ ہو پیدا کہ نظر مین
اب تک ہے وہ بربادیٔ ایوانِ تمنا

ارشاد ناطق :- کیا ڈالین، مین جو ذم تھا وہ بھی نہ رہا اور شعر بے عیب ہو گیا مگر اسلوب نظم سے اور لفظ بنیاد کے نکلجانے سے کیفیت شعری اور بیساختگی مین ایک نازک فرق ہو گیا اور لفظ وہ (اسمین اضافت فارسی ہے یا نہین اور ہے تو غلط ہے یا صحیح بیخود) کے اضافہ سے مصرع ثانی کا ایک پہلو روشن مگر دوسرا بالکل تاریک ہو گیا تاہم (یہان تاہم اپنے محل پر استعمال ہوا ہے) گذشتہ اصلاحون سے اور اس اصلاح سے مقابلہ کرنیکے بعد جو نتیجہ نکلتا ہے وہ قابل اعتراف ہے۔

التماس بیخود۔ کیا ڈالین، مین اگر ذم تھا تو ضرور نکل گیا مگر شعر ہمہ تن عیب ہو گیا اور اسلوب نظم اور لفظ بنیاد کے نکلجانے سے نہ کیفیت شعری بڑھی نہ بیساختگی اس لئے کہ بنیاد ڈالنے، کے ٹکڑے پر ایوانِ تمنا کا تلازمہ قائم تھا، یہ ستون گرا اور چھت زمین پر آ رہی، پورا شعر تخئیل شاعر کی محاکات کر رہا تھا وہ بات جاتی رہی میرے اس قول کی تائید جناب نقاد کے اس ارشاد سے ہوتی ہے۔

تمنا کی تشبیہ ایوان سے دیگئی ہے اور یہی انتظام مصرع اولی مین بھی رکھا گیا ہے اس سلسلۂ بیان سے شعر مین محاکات پیدا ہو گئی ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہر چند تخئیل معمولی ہے مگر شعر اچھا معلوم ہوتا ہے اور سامع کے دل مین ایک کیفیت پیدا کرتا ہے،

مصرع ثانی مین تمنا ایوان بنی ہوئی تھی، مصرع اول مین خالی تمنا رہگئی اور مصنف

کا بنایا ہوا ایوان حضرت نیاز کی بے نیازی نے ڈہا دیا۔ اور یہ وہ عیب بلکہ ایسی غلطی ہے جو مشرب ادب مین گناہ کبیرہ ہے، مصنف کا شعر اس سے کہین زیادہ پُر اثر تھا اور اب صاف نظر آنے لگا حضرت شوق سندیلوی کے اُستاد (حضرت نیاز) نہ شاعر ہین نہ ادیب اور جناب ناطق فرماتے ہین کہ یہ اصلاح گذشتہ اصلاحون سے زیادہ لطیف ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ؕ اتنا ضرور ہے کہ حضرت نیاز کی اصلاح کا اتنا حصّہ

کیا آرزو و تازہ ہو پیدا کہ نظر مین — ابتک ہے وہ بربادیٔ ایوانِ تمنا

داد کے قابل ہے اس لئے کہ ابتک وہ بربادیٔ ایوانِ تمنا نظر مین ہے، کہنے سے اگرچہ بربادی ایوانِ تمنا کا واقعہ بہت پُرانا معلوم ہوتا ہے مگر اس سے اُس گہرے نقش کا پتہ چلتا ہے جو اس بربادی نے صاحب مکان کے دِل پر چھوڑا ہے اور عیب تضمین کے ہوتے ہوئے بھی یہ ٹکڑا دلکش ہے۔

ارشاد ناطق:۔ صرف مصرع اولے پر پانچ شعرانے اصلاح دی ہے
احسن۔ آرزو۔ دِل۔ ریاض۔ ناطق۔

اصلاح احسن و آرزو

ڈالے کوئی کیا آرزو و تازہ کی بنیاد
نظرون مین ہے بربادیٔ ایوانِ تمنا

التماس ہیچمدان۔ اصلاح مذکورہ کے متعلق مین اپنی رائے ظاہر کر چکا یہ کہنا اور باقی ہے کہ کیا ڈالین، سے ڈالے کوئی کیا، ایک اعتبار سے سبک تر ہے۔ اور ایک حیثیت سے سنگین تر۔

اصلاح ریاض

ویرانہ دل مین کوئی گھر خاک بنائے
نظرون مین ہے بربادیٔ ایوانِ تمنا

التماس ہیچمدان جناب ریاض کے متعلق جناب ناطق صامت نظر آتے ہین۔

اب شعر کا مفہوم یہ ہوگیا کہ ویرانۂ دل مین تمنا نے گھر بنایا تھا جو برباد ہوکے رہا،
اسلئے معلوم ہوا کہ سرزمین دل کو آبادی راس نہین۔ ویرانہ۔ خاک۔ بربادی۔ ایوان۔ اِن
الفاظ نے شعر کے لطف و اثر کو بڑھادیا ہے کوئی گھر خاک بنائے، اس ٹکڑے مین محاورہ کے
صرف برمحل نے اور زیادہ لطف پیدا کردیا، لفظ ویرانہ سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ صرف
ایوانِ تمنا ہی خاک مین نہین مل گیا بلکہ سرزمین دل مین کہین آبادی کا نام و نشان نہین
ایک ہُو کا میدان ہے جہان ہرطرف خاک اُڑتی ہے۔

مگر یہ سب کچھ سعیٔ اصلاح شعر شوق نہین۔ بیت بیاض ہے۔ تخئیل کچھ
سے کچھ ہوگئی۔

اصلاح دِل

اب کیا کسی اُمید کی بنیاد ہو قائم
نظرون مین ہے بربادیٔ ایوانِ تمنا

التماس بیخود۔ یہان بھی حضرت ناطق کا ناطقہ سربگریبان ہے۔ یہ اصلاح بُری
نہین اس مین وہ عام غلطی نہین جس سے دامن بچانا بہتیرونکو دشوار ہوگیا۔ یہان اب
سے مدت مدید کا گذر جانا ظاہر نہین ہوتا اسلئے ممکن ہے کہ نئی نئی ناکامی کے بعد جب جگر
کے زخم آلے ہون عاشق نے ایسا کہا ہو یہ مفہوم اعتراض کی زد سے باہر ہے۔ بنیاد
قائم، بربادی، ایوان، اتنے الفاظ ملتا سب شعر مین جمع ہوگئے ہین ہان لفظ قائم، نے
شیرینیٔ زبان کو کسی قدر گھٹادیا۔

ارشاد ناطق۔

کیا رکھئے کسی آرزو تازہ کی بنیاد
نظرون مین ہے بربادیٔ ایوانِ تمنا

التماس بیخود۔ اپنی اصلاح کے باب مین بھی حضرت ناطق سر بہ درگو ہین اور کیون

صرف اسلئے کہ کیا رکھئے، مین بھی کیا ڈالین، والازم باقی ہے حقیقت یہ ہے کہ اصلاح نے شعر مصنف مین کوئی خوبی نہین پیدا کی تخئیل کی وہ عام غلطی اسمین بھی موجود ہے۔

ارشاد ناطق:۔ دوسرے مصرع پر چار صاحبون نے اصلاح دی ہے جگر۔ سائل۔ محشر۔ نظم طباطبائی۔ (مہر فروری صفحہ ۱۰ کالم ۲ سطر (۲۲،۲۱) صفحہ ۱۱ کالم ۱ سطر (۱-۲))

کیا ڈالین کسی آرزوِ تازہ کی بنیاد

اصلاح جگر برباد کیا ہجر نے ایوانِ تمنا

ارشاد ناطق:۔ اس تبدیلی کے یہ معنے ہوئے کہ نصف مصرع کا مضمون خارج ہوگیا یعنی نظرون مین ہونا اور نصف باقی رہ گیا۔ بلاغت کا عذاب و ثواب اصلاح کی گردن پر اور ہجر کے اضافہ سے کوئی معنوی بہتر اضافہ نہین ہوا۔

التماس بیخود۔ یہان حضرت ناطق کی رائے معقول ہے۔

اصلاح سائل۔ مسمار ہوا جاتا ہے ایوانِ تمنا

ارشاد ناطق۔ اسکا یہ مفہوم ہوسکتا ہے کہ نئی آرزو کی وجہ سے ایوانِ تمنا مسمار ہوا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ کوئی شے کسی ایک افتاد سے مسمار نہین ہوتی (شے کا مسمار ہونا بھی حضرت ناطق کی محاورہ آفرینی کا ثبوت ہے بیخود) بلکہ متعدد آفتون سے۔ (مہر فروری صفحہ ۱۱ کالم ۱ سطر (۳-۶))

التماس بیخود۔ مین نہ سمجھون تو بھلا کیا کوئی سمجھائے مجھے۔ اس اعتراض آفرینی کی داد کون دے سکتا ہے۔ حق یہ ہے کہ حضرت سائل کی اصلاح خوب ہے اس مین جو زمانہ قائم کیا گیا ہے وہ افزائش معنی و افزونی اثر کا کفیل ہے اس لئے کہ کسی مکان کے

برباد ہو جانیکے بعد اُسکی بربادی کا نظر مین ہونا دل پر اُتنا اثر نہین ڈالتا جتنا خود مکان کو گرتے ہوئے دیکھنا۔ اسلئے کہ وہ گذرے ہوئے واقعہ کی یاد ہے جسکے بعض اجزا کا فراموش ہو جانا یقینی ہے اسکے سوا عرصہ تک کسی بات کا دل مین برابر رہنا اُسکے دل گداز اور ہیبت انگیز اثر کو کم کر دیا کرتا ہے اسلئے کہ طبیعت اُسکی خوگر ہو جاتی ہے۔

یہ ضرور ہے کہ نظرون مین ہے بربادیٔ ایوانِ تمنا ڈھلا ہوا مصرع ہے، مگر جناب سائل کے یہان لفظ مسمار بھی طبع فصاحت پر گران نہین اسلئے کہ گرد و پیش کے الفاظ بھی ایسے ہی لنگردار ہین مثلاً۔ بنیاد۔ آرزو۔ تازہ۔ ایوانِ تمنا۔

اصلاح نظم۔ ہے یاد وہ بربادیٔ ایوانِ تمنا

مبصر فروری صفحہ ۱۱ کالم ۱ سطر (۷–۱۰)

ارشاد ناطق:۔ مفہوم نہین بدلا لفظ بدلگیا۔ اصل مین یون تھا
نظرون مین ہے بربادیٔ ایوانِ تمنا، اصل مصرع مین محاکات ہے
اور اسی کا اثر ہے، اسلئے اصلاح سے اصل مصرع زیادہ فصیح ہے۔

التماس تجوید۔ جناب ناطق کی رائے یہان غلط نہین صرف لفظ فصیح یہان بے محل صرف ہوا ہے اسلئے کہ اس عبارت کے بعد واقع ہوا ہے، اصل مصرع مین محاکات ہے، اور اسی کا اثر ہے، یہان معنی خیز پر معنی بلیغ لکھنا چاہیئے تھا۔ ہان "ہے" حرف ربط کے شروع مصرع مین ہونے سے تعقیب پیدا ہو گئی ہے مگر نظم مین عام ہے۔

شعر سوم
ہچکی کی صدا اب جسے سمجھے دمِ آخر
ٹوٹا تھا یہ قفل درِ زندانِ تمنا

مبصر فروری ۲۹ سنہ ع صفحہ ۱۱ کالم ۱ سطر (۱۱–۲۵) کالم ۲ سطر (۱–۲۲)

ارشاد ناطق:۔ ہچکی کی قفل سے بہترین تشبیہ ہے تخئیل ظاہر ہے
بادی النظر مین ایک عیب ہے کہ ٹوٹا تھا ماضی بعید ہے اور یہ صرف

اشارہ بعید نہین ہے بلکہ قریب ہے اسمین یہ کا مشارٌالیہ قفل نہین ہے نہ کوئی ایک شے بلکہ ایک واقعہ ہے ایسے موقعون پر واقعہ اگرچہ ماضی بعید ہو، مگر 'یہ' کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے (واقعہ نہوا سفوف بڑا جو 'یہ' کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے) مثالون سے واضح ہو گا۔

یہ کیا تھا؟ یہ کون آیا تھا؟ یہ تو ہم جانتے تھے اسکی نحو کا فلسفہ ہے کہ اگر اشارہ بعید یعنی 'وہ' ایسے موقع پر استعمال کیا جائے تو کہین مفہوم بدل جائے گا کہین ایسا معلوم ہوگا کہ اس واقعہ کو بہت زیادہ زمانہ گذر گیا اور کہین کم سے کم اثر اور رندور فقرہ کا جاتا رہے گا ان مثالون کو 'وہ' کے ساتھ دیکھیے۔

یہ کیا تھا؟ وہ کیا تھا؟ (مفہوم بدلگیا) یہ کون آیا تھا؟ وہ کون آیا تھا؟ (فقرہ مہمل ہو گیا) یہ ہمارا کام تھا، وہ ہمارا کام تھا (زمانہ زیادہ بعید ہو گیا) یہ تو ہم جانتے تھے۔ وہ تو ہم جانتے تھے (اثر کم ہو گیا)

ان مثالون سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ہر ماضی بعید کے جملہ مین بعید لازمی نہین ہے بلکہ بعض موقعون پر غلط اور خلاف مقصود ہوتا ہے یہ مصرع کہ ٹوٹا تھا یہ قفل در زندان تمنا، اوہنی اقسام مین سے ہے کہ اشارہ بعید اگر لایا جائے تو اثر اور زور کم ہو جائے گا۔

عام خیال ہے کہ ہر ماضی بعید کو بُعد ہوتا ہے قربت نہین ہوتی، یہ کلیہ ادنے امثالون سے درہم و برہم ہو جاتا ہے ایک سیلاب ابھی آیا تھا ایک سیلاب نوح (غالباً یہ حضرت نیاز کی ہمسائگی کا اثر ہے کہ نوح کے ساتھ حضرت

یا علیہ السلام وغیرہ کہنے کی ضرورت نہین رہی) کے زمانہ مین آیا تھا، وہ جو نوح کے زمانہ مین آیا تھا ساری دنیا کو محیط تھا اور 'یہ' جو ابھی آیا تھا صرف ایشیا تک محدود تھا، دیکھیے دونون ماضی بعید ہین لیکن بالنسبۃ قرب و بُعد ہے اُسی نسبت سے وہ اور یہ کا استعمال ہوتا ہے ہر ماضی بعید کیلئے وہ لازم نہین اسلئے مصرع مین بسبب قربت اثر زیادہ ہے،

ٹوٹا تھا یہ قفل درِ زندانِ تمنا۔

یعنی یہ واقعہ جو ابھی گذرا ہے ہچکی کی صدا نہ تھی بلکہ درِ زندانِ تمنا کا قفل ٹوٹا تھا مگر کثرت رائے میرے خلاف ہے کیونکہ گیارہ شاعرون نے 'یہ' کو 'وہ' سے بدلا ہے، احسن۔ اطہر۔ افضل۔ باقی۔ بیباک۔ بیخود دہلوی جگر۔ یکتا۔ دل۔ سیماب۔ وحشت یا اور بقیہ شعرا مین سے بھی تین شاعرون نے اگرچہ 'یہ' کو 'وہ' نہین بنایا ہے مگر اُنکی اصلاح سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ اُنکی رائے بھی یہی ہے کہ 'وہ' ہونا چاہیئے۔

بیخود۔ جناب ناطق نے اگر صرف اتنا کہدینے پر اکتفا فرمائی ہوتی کہ 'یہ' کا مشار الیہ یہ واقعہ ہے تو بہتر تھا بیان ماضی بعید اور اشارہ بعید و قریب کی بحث کو اتنا طول دینا ضروری نہ تھا۔

اصل شعر۔

ہچکی کی صدا سب جسے سمجھے دمِ آخر ٹوٹا تھا یہ قفل درِ زندانِ تمنا

اصلاح سائل

ہچکی جسے سمجھے ہوئے بیٹھے ہین سب احباب،
ٹوٹا نہ ہو قفل درِ زندانِ تمنا،

ارشادِ ناطق۔ سمجھے ہوئے بیٹھے ہین اکا لطف اس حادثہ مرگ پر قابل توجہ ہے۔

التماس تجوید۔ اصلاح سائل پر یہ کہنا کہ سمجھے ہوئے بیٹھے ہین کا لُطف اس حادثہ مرگ
پر قابل توجہ ہے، اُردوئے معلیٰ کے محاورات سے بیخبری کی خبر دیتا ہے، جناب نقادنے
سمجھے ہوئے بیٹھے ہین، پر تعریض فرمائی ہے، یعنی احباب کیسے نااہل ہین کہ ایک دوست کا تودم
نکل گیا اور یہ ہین کہ ہچکی کو موت کی ہچکی سمجھکر بھی مطمئن بیٹھے ہین نہ رونا ہے نہ تڑپنا حالانکہ زبان اُردو
کے سب سے بڑے گنجینہ دار سائل (یہ میری ذاتی رائے ہے) نے یہ کہا ہی نہین بلکہ محاورہ کے
معنی لئے ہین یعنی احباب جسکو غلطی سے موت کی ہچکی سمجھے وہ قفل درِ زندان کے ٹوٹنے کی آواز
تھی یہ ضرور ہے کہ محاورہ ایسے محل پر صرف کردیا ہے کہ محاورہ دانی کا امتحانی سوال بنکر رہگیا ہے
یہ ین صاف سی مثال دیدون اور یہ مرحلہ طے ہوجائے جیسے کوئی کہے کہ آپ جب اپنی فتح سمجھے
بیٹھے ہین، یا سمجھے ہوئے بیٹھے ہین، وہ کہین آپ کی شکست نہو۔
وجوہ بلاغت اصلاح۔ اس شعر سے پتہ چلتا ہے کہ عاشق نے مرتے دم تک رازِ عشق کو
چھپایا اور یون چھپایا کہ احباب تک ناواقف رہے جب موت کی ہچکی زندگی کا خاتمہ کرگئی
تو وہ بزبانِ حال اطمینان و تفاخر کی شان سے کہتا ہے کہ اے میرے دوستو جب تم موت
کی ہچکی سمجھے وہ قفل درِ زندانِ تمنا کے ٹوٹنے کی آواز تھی یعنی ہم دنیا سے ناکام چلے ساری عمر
اخفائے راز کی کوشش مین کٹ گئی اور تمنا کی بیڑیان موت نے کاٹین۔
۲۔ سب احباب کہنے سے بھی معنی مین زور پیدا ہوگیا ہے یعنی کوئی دوست بھی تاڑ نہ سکا
یہان تک کہ ہمارا خاتمہ ہوگیا۔
۳۔ ہماری موت کوئی معمولی موت نہین بلکہ ایک عاشق ناکام کی موت ہے۔
۴۔ باعتبار الفاظ بھی یہ اصلاح غنیمت ہے ہچکی کے بعد کی 'آجانے سے 'ہچ کیکی'
ہوگیا تھا، سائل نے اس عیب کو بڑے حُسن سے نکال دیا اور دوسرے مصرع مین 'ٹوٹا ہو'

کہکر مصرع کو اور لطیف کر دیا ہے، ہان یہ ضرور ہے کہ صرف ہچکی، کہکر دمِ آخر کی ہچکی مُرادلی اور قفل درِ زندان کے ٹوٹنے کے نازک رابطہ کے بل پر۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ جناب نقادِ اکبر ہچکی کی صدا سب جب سمجھے دمِ آخر، پڑھتے چلے آرہے تھے سمجھ گئے اور کوئی اعتراض نہین فرمایا۔

حضرت ناطق نے اصلاح متذکرہ صدر سے یہ عجیب وغریب نتیجہ نکالا ہے کہ سائل نے بھی ُ دہ، کو صحیح نہین سمجھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اُنکی اصلاح سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہچکی کی مین جو کراہت اور ٹوٹا نہ ہو مین جو لطافت ہے اُسنے اُنکو اسطرف کھینچا۔

اصلاح شفق

ہچکی کی صدا سُن کے مین سمجھا دمِ آخر
ٹوٹا کوئی قفل درِ زندانِ تمنا،

ارشاد ناطق۔ اس اصلاح مین دو نکتے لطیف تر ہین، ہچکی کی صدا سُنکے مین سمجھا دمِ آخر، یعنی مرنے والا کوئی اور شخص ہے اور کوئی قفل جو ٹوٹا تو یہ نتیجہ نکلا کہ بہت سے قفل ہین۔

التماس بیخود۔ جو لطیف نکتے بیان کئے گئے ہین وہ اعتراض آفرینی کے شوق اور دقتِ نظر کے فقدان کی منادی کرتے ہین انہین کوئی بات قابل اعتراض نہین، مین سمجھا، سے یہ تو نہین نکلتا کہ مرنے والا کوئی اور شخص ہے بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرنیوالے کو موت کی ہچکی پر یہ خیال گذرا کہ قفل درِ زندانِ تمنا ٹوٹا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وقت آخر بھی اُسکو اپنی ناکامی اور اپنی تمناؤن کی اسیری کا خیال ہے موت کو وہ ہادم لذات نہین سمجھتا کوئی بری شے نہین قرار دیتا بلکہ ایسا محسن سمجھتا ہے جس نے اُسکے دل مین قید رہنے والی تمناؤن کو آزاد کیا۔ اس بات کا لطیف ہونا تعریف سے بے نیاز ہے، مثال سے میرا مفہوم زیادہ صاف ہو جائے گا۔

(قطعہ بیخود موہانی)

ہنگام نزع سانسین کھنچ کھنچ کے آرہی ہین — جھٹکون سے ٹوٹتی ہین قسمین نباہنے کی

دل مجھ سے پوچھتا ہے مین دل سے پوچھتا ہون — آواز آرہی ہے کسکے کراہنے کی،

فرق اتنا ہے کہ اس قطعہ مین نفس مطمئنہ کی حالت دکھائی گئی ہے اور اصلاح شفق مین، اُس محویت کی جو تمنائے یار کے لوازم سے ہے۔

۲۔ رہا دوسرا اعتراض وہ بھی بے بنیاد ہے" دم آخر وقت نزع کو بھی کہتے ہین اور دم مرگ کو بھی یہ کچھ ضرور نہین کہ مرتے وقت ایک ہی ہچکی آئے اور یہ بھی ضروری نہین کہ در زندان مین ایک ہی قفل ہو، چوک اور امین آباد کی دوکانون مین کئی کئی قفل لگائے جاتے ہین پھر یہ تو قید خانہ ہے۔

یہ اصلاح بھی ظاہر نہین کرتی کہ حضرت شفق" یہ" کو نکالنا چاہتے تھے اور نکالنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ اسے نحوی غلطی سمجھتے تھے بلکہ" مین سمجھا" کے ٹکڑے سے تمنا کی محویت ظاہر ہوتی تھی اسلیئے جب یہ ٹکڑا آیا تو دوسرے مصرع مین یہ تصرف ضروری ٹھہرا اسے ماضی قریب و بعید کی بحث سے کوئی تعلق نہین۔

اصلاح مضطر

ہچکی کی صدا اسکو نہ سمجھو دم آخر
ٹوٹا ہے یہ قفل در زندان تمنا

ارشاد ناطق۔ یہ اصلاح بھی ظاہر کر رہی ہے، کہ ٹوٹا تھا، کے ساتھ یہ انکو بھی ناگوار تھا یہ رہنے دیا لیکن ٹوٹا تھا، کو ٹوٹا ہے، بنا دیا تاکہ زمانہ کا فرق نہ رہے۔

التماس بیخود۔ حضرت ناطق کا یہ خیال صحیح نہین کہ جناب مضطر نے یہ سب جھگڑے یہ کے لئے

کئے بلکہ اپنی اصلاح مین جو صورت اُنھون نے رکھی ہے وہ اُن کے رنگ کی ہے (اُن کا خاص رنگ معاملہ بندی ہے) "سمجھو" سے معلوم ہوتا ہے کہ معشوق سے خطاب ہے کہتے ہین کہ میری موت کو تم معمولی موت نہ سمجھو تمھارے تغافل تمھارے جور وستم سے تمنائین دل کی دل مین رہین اور ان اسیران بدنصیب کی رہائی ہوئی تو موت کے صدقہ مین معشوق کا سامنے موجود ہونا اور میت عاشق کا بزبان حال یہ کہنا شعر مین تکمیل محاکات کر رہا ہے لیکن اصل شعر مین بھی ایک مزہ تھا۔

ارشاد ناطق :- جملہ ۱۲ شاعرون کی یہی رائے ہے اصلاح دینے والون مین صرف نیاز و محشر کی رائے مجھ سے متفق ہے کیونکہ اُنھون نے زمانہ بعید کے ہوتے ہوئے بھی "یہ" جائز رکھا ہے۔

اصلاح نیاز

ہچکی کی صدا سب جسے سمجھے تھے دم نزع
ٹوٹا تھا یہ قفل در زندان تمنا

التماس بیخود۔ جناب نیاز کو "یہ" اور "وہ" سے کوئی غرض نہین بلکہ اصلاح کی صورت خود فیصلہ کئے دیتی ہے کہ جناب موصوف پہلے مصرع مین "سمجھے" ماضی مطلق اور دوسرے مصرع مین "ٹوٹا تھا" ماضی بعید کو کچھ بے جوڑ سا سمجھے اس لئے ہر مصرع مین زمانہ بعید رکھا اور بس یعنی "سمجھے" کو "سمجھے تھے" بنا دیا۔ اور "ٹوٹا تھا" کو بحالہ قائم رکھا۔ اِسے اپنی رائے سے اتفاق سمجھنا غلطی ہے یا مغالطہ۔

اصلاح نیاز سے شعر مین کوئی خوبی پیدا نہین ہوئی بلکہ دو خرابیان بڑھ گئین۔

نکتہ ۱۔ "سمجھے" ماضی مطلق تھا اور "سمجھے تھے" ماضی بعید۔ "سمجھے" سے گذرے ہوئے زمانہ کے متعلق اُتنا بعد مفہوم نہ ہوتا تھا جتنا "سمجھے تھے" مین۔ اسلئے مصنف نے جو صورت اختیار کی تھی کہ یہ معلوم ہو کہ یہ واقعہ جو ابھی گذرا ہے یہ حالت باقی نہ رہی)۔ اور اصلاح اُستاد تحریبا شعر ٹھہری۔

نکتہ ۲ فصاحت کے اعتبار سے یہان دم نزع اور دم آخر مین بڑا فرق ہے یہ دونون ٹکڑے وہ ہین جن پر مصرع اول ختم ہوتا ہے آخر مین صرف ر ساکن ہے اور نزع مین ز اور ع ان دونون ساکنون کے آخر مصرع مین واقع ہونے سے زبان غزل کی نرمی نسبتاً گھٹ گئی، اسلئے کہ تلفظ مین نزع کا عین کچھ اچھل سا جاتا ہے آخر کے تلفظ مین یہ بات نہین مگر یہ باتین ہر کس و ناکس کے بس کی نہین۔ مینے صرف عوام کی نفع رسانی اور خواص کی دلچسپی کیلیے لکھدین اس محل پر نہ جناب نقاد میرے مخاطب ہین نہ اصلاح دینے والے بزرگ۔

اصلاح محشر۔ اے چارہ گر نزع مین کیا چیز تھی ہچکی ٭ ٹوٹا تھا یہ قفل درِ زندانِ تمنا

ارشاد ناطق:۔ اصل مصرع ہچکی کی صدا سب جسے سمجھے دم آخر

فصیح و غیر فصیح کا فیصلہ ناظرین کی رائے پر۔

التماس بیخود۔ معلوم نہین حضرت ناطق کس زبان مین گفتگو فرماتے ہین اکثر انکے قلم سے وہ الفاظ نکلتے ہین جو انکی مراد یا مقتضائے مقام کے خلاف ہوتے ہین یہان فصیح و غیر فصیح کا فیصلہ ناظرین کی رائے پر چھوڑا گیا ہے یہ صرف اسلیے کہ انکے نزدیک حضرت محشر کا مصرع فصیح نہین اور وہ اسے کھلکر کہنا نہین چاہتے لیکن واقعہ اسکے خلاف ہے جناب محشر کی اصلاح مین ہچکی کی ' سے جو کریہ آواز پیدا ہوتی تھی باقی نہین رہی اسلئے اسے اصل مصرع کے مقابلہ مین غیر فصیح کہنا روا نہین اور جہان فصیح و غیر فصیح کا دکھڑا رویا گیا ہے وہان بلیغ و غیر بلیغ کا فیصلہ کرنا چاہیے تھا۔

حضرت محشر کی اصلاح سے شعر مین دو معنوی عیب پیدا ہو گئے ہین۔ یہان چارہ گر سے خطاب لایعنی ہے اگر چارہ گر ہوتا تو معشوق بھی مراد لیا جاسکتا تھا اور مفہوم یہ ہوتا کہ اے معشوق جسکو تو موت کی ہچکی سمجھتا ہے وہ قفل درِ زندان تمنا کے ٹوٹنے کی آواز ہے یعنی تو نے میری کوئی حسرت نہ نکالی آخر یہ نتیجہ ہوا کہ تیرے اسیر کو موت نے آزاد کیا۔

۲ پھر پوچھنے کا یہ انداز بھی کچھ اچھا سا معلوم ہوتا ہے یہ بھی کوئی کہنے کا انداز ہے کہ اے چارہ گر نزع مین جو ہچکی مجھے آئی تھی وہ کیا چیز تھی اچھا تم نہین جانتے تو ہم بتائے دیتے ہین کہ یہ ہچکی نہ تھی بلکہ قفل درِ زندانِ تمنا کے ٹوٹنے کی آواز تھی۔ یہ وقت میت کے پہیلیان بجھوانیکا نہین ہے

نہ اس نے یہان وہ کیفیت پیدا کی جو علامہ فیضی کے یہان نظر آتی ہے۔

نل گفت کہ اے طبیب نادان	بیکار علاج خود گردان رنجم معزا ے
نشتر چہ زنی رگِ جنون را	آگاہ نئی تپ درون را،

یہان اتنا اور بھی کہدینا ہے کہ جب حضرت ناطق یاران سرپل کے متعلق گلفشانی فرماتے ہین تو کیفیت تانکر کوئی نہ کوئی اعتراض جڑ دیتے ہین، جیسے یہان بیخود موہانی، شوق قدوائی۔ اور نیاز فتحپوری کی رائے اصلاح کے بارے مین زیادہ تر قابل سند ہے کیونکہ بیخود اور شوق کو کسی کا شعر ذرا مشکل سے پسند آتا ہے اور اپنے شعر سے بھی زیادہ دوسرے کے شعر کو احتیاط و غور سے دیکھتے ہین (یہ ظالم ایسا بے دلیل دعوے کرتے ہوئے بھی نہین جھجکتا) مگر جب یاران طریقت کی باری آتی ہے تو فصیح و غیر فصیح کا فیصلہ ناظرین کی رائے پر چھوڑتے ہین اور ایسا کیون نہو آخر اپنے بیگانے مین کچھ فرق بھی ہے یا نہین

جناب محشر نے جبتک پہلے مصرع مین بھی تھی، (کیا چیز تھی ہچکی) بڑھا نہ لی اسوقت تک خالی لوٹا تھا کا رہنا گوارا نہ کیا اور جناب نقاد ہین کہ اسے اپنی رائے سے اتفاق ہی سمجھے جاتے ہین ع ستم کردی الہی زندہ باشی ۲۔ ایسے سوال مین کوئی بھی یہ کو وہ سے بدلنے کی ضرورت نہ سمجھے گا غریب محشر ہی پر کیا منحصر ہے۔

حضرت ناطق نے اپنا اور ناظرین مبصر کا جتنا وقت یہ اور وہ کی دوراز کار اور غلط بحث مین ضائع کیا کاش کسی طرح اُسکی تلافی ہو سکتی۔

ارشاد ناطق :۔ ۱۳ شاعرون نے کوئی اصلاح نہین دی لیکن اگر کوئی غلطی ہوتی تو یہ غیر ممکن تھا کہ کوئی اُستاد بے پروائی کرتا اُنکے اسمائے گرامی یہ ہین :۔

بیخود موہانی۔ جلیل۔ آرزو۔ صفی۔ عزیز۔ بزم۔ شہرت۔ زہری۔ نظم۔ ناطق۔ شوق اور دو شاعر ہین جو کہ زمانہ بعید مین بھی یہ کو جائز رکھتے ہین کل پندرہ شاعر ہوئے اُنکے مقابلہ مین ۱۲ شاعر ہین جو کہ اس ترکیب کو نحوی غلطی سمجھتے ہین خیر یہ کوئی تعجب انگیز بات نہین ہے مگر حیرت اس بات کی ہے کہ اگر میری رائے جسکے ساتھ ۱۴ شاعر اور بھی ہین صحیح ہے کہ وہ سے یہ مین اثر زیادہ ہے تو اس نقص مین اسقدر توارد ہونا بہت ہی عجیب ہے ۱۱ شاعرون نے بغیر..... (یہان کچھ عبارت رہگئی ہے بیخود) بعینہ یہی اصلاح دی ہے۔

اصلاح۔ ٹوٹا تھا جو وہ قفلِ درِ زندانِ تمنا

اصل مصرع۔ ٹوٹا تھا جو یہ قفلِ درِ زندانِ تمنا

آخر میں یہ کہنا ہے ہچکی کی صدا، میں، ہچ کیکی ہو جاتا ہے مجھے اسکے نکالنے کی کوشش کرنی چاہیئے تھی۔ میں نے سہل انگاری اور برا کیا۔

شعر چہارم۔

جز خواب نہیں وعدہ باطل کی حقیقت
جز وہم نہیں موجہ طوفانِ تمنا،

ارشاد ناطق:۔
تخئیل اس کی یہ ہے کہ انکے چھوٹے وعدے سے تھوڑی دیر کیلئے ایک مسرت پیدا ہو جاتی ہے وہ ایک خواب سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی اور تمناؤں کا طوفان محض ایک خیالی اور موہوم چیز ہے۔

عیوب۔ اس شعر میں یہ عیب سب سے بڑا ہے کہ دونوں مصرعوں کا باہمی ربط و تعلق بہت ہی کمزور ہے کیونکہ انکے وعدہ سے تمنائیں ضرور پیدا ہوتی ہیں مگر لازم نہیں کہ تمناؤں کا وجود وعدہ پر منحصر ہو جبتک مصرع اولی کی کسی چیز سے مصرع ثانی کی کسی چیز کا تعلق لازمی نہ ہو خواہ وہ لزوم منطقی نہ ہو شاعرانہ ہی ہو اور گو کہ بغیر ربط کے دونوں مصرع اپنی اپنی جگہ پر صحیح و معنی دار ہو سکتے ہیں مگر دونوں مل کر مہمل ہو جاتے ہیں۔ یہی اصول تمام معنی بند اشعار کا ہے کہ دونوں مصرعوں کے درمیان کچھ الفاظ محذوف ہوتے ہیں جو کہ الفاظ سے لزوماً پیدا ہوتے ہیں اور وہی باعث ربط ہوتے ہیں۔

جو اس فلسفہ سے واقف نہیں ہے اور اس رنگ کو کہتے ہیں انکے کلام کا اکثر حصہ مہمل ہوتا ہے ۴ اشاعروں نے اسے اصلاح سے مستغنی رکھا ہے اور گیارہ نے اصلاح دی ہے۔

نمبر ۱- دولخت ہونے کا عیب اس شعر مین غلطی کی حد تک نہین پہونچتا کیونکہ وعدے کیلئے تمنا لازم ہے مگر تمنا کیلئے وعدہ لازم نہین ہے۔ اسلئے تعلق ہے تو اگر کمزور ہے اس کمزور ربط کے علاوہ دوسرا عیب اس شعر مین یہ ہے کہ موج طوفان کی تشبیہ وہم سے نامناسب ہے، وجہ یہ کہ وہم ایک خفیف حس ہے جبتک یہ جنون کی حد تک نہ پہونچے موج طوفان سے مماثل ہونے کے لایق نہین۔

التماس بیخود۔ یہ شعر دولخت نہین اور نہ اس کا ربط کمزور ہے۔ جب وعدہ باطل سے تمناؤن کا پیدا ہونا جناب نقاد بھی تسلیم کرتے ہین تو ربط کو کمزور اور شعر کو دولخت بتانا سراسر ظلم ہے شاعر نے کہین یہ دعوی نہین کیا کہ اسکا عکس بھی صحیح ہے یعنی تمنا کیلئے وعدہ لازم ہے نہ یہ کوئی مسلمہ قید ہے کہ جس بات کا عکس صحیح نہ ہو وہ ناقابل ذکر ہے اور جب یہ بات روزمرہ مشاہدہ مین آتی ہے کہ معشوق کے جھوٹے دعوے سے تمنائین ضرور پیدا ہوتی ہین۔ تو یہ بحث دور از کار ہے۔

اُن کے جھوٹے وعدے سے، مین اُنکے ،ظاہر کرتا ہے کہ یہ وعدہ معشوق ہی کا ہے اور جب ایسا ہے تو عاشق کے منھ پر یہ بات زیب نہین دیتی کہ وہ وعدہ کو یا گو اگرچہ وہ جھوٹا ہی سہی خواب کہے یا طوفان تمنا کو وہم قرار دے اسلئے جناب نقاد کا پہلا فرض یہ تھا کہ وہ شعر کا محمل صحیح بیان فرماتے مگر اُنھون نے تغافل روا رکھا اس لئے اُنکا یہ فرض یا قرض مین ادا کئے دیتا ہون۔

ایسی باتین عاشق کی زبان سے صرف ایسے وقت نکل سکتی ہین جب وہ وعدہ کیا پر انتظار کی کڑیان جھیل رہا ہو اور معشوق کے ایفاء وعدہ مین جتنی دیر ہوتی جائے

اُسکی اُلجھن بڑھتی جائے اور وہ بار بار اُلجھ اُلجھ کرے کہ ؎

جز خواب نہین وعدۂ باطل کی حقیقت ‖ جز وہم نہین موجۂ طوفانِ تمنا

یعنی معشوق نے جھوٹا وعدہ کرکے مجھے تھوڑی دیر کے لئے خوش کردیا اور یہ میری سادگی تھی کہ مینے اُسکے وعدہ کی بنا پر اتنی تمنائین اپنے دل مین پیدا کرلین ورنہ حقیقتًا وعدہ یا خواب ہے اور میری تمناؤن کا طوفان وہم (خیالی و فرضی شئے) ہے اسلئے کہ نہ وہ وعدہ وفا ہونیوالا ہے نہ یہ تمنائین برآنیوالی ہین۔

علاوہ برین جن الفاظ مین یہ مفہوم ادا کیا گیا ہے اُن سے تکلف ٹپکتا اور تصنع برستا ہے۔

دوسرا عیب یہ بتایا گیا ہے کہ وہم ایک حس خفیف ہے اس لئے موج طوفان سے مماثل ہونے کے لائق نہین افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اب جناب نقاد کی تمام قوتین وہم بنکر رہ گئی ہین وہم حس ضعیف ہو یا حس قوی اُسکا خلاق ہنوز زبان زد خاص و عام اور اُس کی یہی صفت بیان وجہ شبہ ہے حضرت ناطق کو غلط مبحث مین یدطولیٰ حاصل ہے۔

غالبًا اونکو خبر نہین کہ وہم کو ضعیف مانا ہے تو یقین کے مقابلہ مین اسلئے کہ یقین کے بعد مرتبہ ہے ظن غالب کا اُسکے بعد خیال کا اُسکے بعد گمان کا سب سے آخر مین (سب سے کم) وہم کا بیان اُسکے قوی یا غیر قوی ہونے سے بحث کرنا بے محل قابلیت جتانے سے زیادہ وقعت نہین رکھتا۔

ہے یون کہ وہم وہ قوت ہے جو اُن چیزون کو موجود کر دکھاتی ہے جنکا وجود خارج مین نہین ہوتا اور یہی سبب ہے کہ اُسے خلاق کہتے ہین اور اسی لئے وہ طوفان سے مماثل ہونے کے قابل ہے۔

اب دیکھنا چاہیئے کہ وہ شاعر جن کی قابلیت جنکا تبحر جنکی اُستادی مسلم ہے اسے

کن موقعون پر استعمال کرتے ہین۔

بلبل شیراز سعدی علیہ الرحمہ

اے برتر از قیاس و خیال و گمان و وہم — وز ہر چہ گفتہ ایم و شنیدیم و خواندہ ایم

وہم کو یہان سب سے سمجھکر اسکا ذکر سب سے آخر مین کیا ہے

بیرون ز کائنات پرد صد ہزار سال ظہیر فاریابی سیمرغ وہم تا ز جناب شِ نشان دہد

جناب ناطق نظر فرمایئن کہ ظہیر سے باخبر شاعر نے وہم کو سیمرغ سے باعتبار قوت تشبیہ دی ہے یا باعتبار ضعف۔ ایسی صورت مین یہ اعتراض آفرینی کوئی وقعت نہین رکھتی۔

حضرت ناطق نے شوق کے شعر مین دو عیب نکالے تھے مگر بحمداللہ وہ عیب، آنکی نارسائی فہم اور نارسائی وہم کا نتیجہ ثابت ہوئے۔

ارشاد ناطق۔ بے ربطی کے عیب کو چار شاعرون نے محسوس کیا اور اصلاح دی۔

اصلاح بیخود موہانی

جز خواب نہین جوش تخیل کی حقیقت — جز وہم نہین ہستی طوفان تمنا

ارشاد ناطق۔ تمنا اور تخیل کا تعلق ظاہر ہے کہ کسقدر بہتر ہے، مگر موج وہم کے ساتھ ایک مناسبت رکھتی تھی اب مطلق طوفان سے وہم کی تشبیہ بالکل بیگانہ ہو گئی۔ یہی صنعت خواب اور جوش تخیل کی تشبیہ مین ہے۔

بیخود۔ مین اپنی اصلاح کی وجہ عرض کر دون۔

توجیہ اصلاح بیخود۔ مجھے صاف نظر آیا کہ دوسرے مصرع (جز وہم نہین ہستی طوفان تمنا) مین فلسفیانہ و عارفانہ شان نکلتی ہے اور حضرت شوق اِسوقت اُس عالم کی سیر کر رہے ہین

جہان دنیا کی ہر شئے بلکہ دنیا خود ہی بے حقیقت نظر آتی ہے، ورنہ معشوق کا وعدہ، وہ جھوٹا ہی سہی خواب کہنے کے قابل نہین ہے، خیر ہم اسے جناب ناطق کی خاطر سے ایسا ہی (بے حقیقت) مانے لیتے ہین مگر عاشق کی تمنائین تو دسیاوی نہین ہوتین یہ وہ نقش ہین کہ جہان ایک بار اُبھرے لوح دل کے ساتھ مٹتے ہین پھر عاشق ہوتے ہوئے یہ کہنا کہ ہماری تمنائین وہم وخیال ہین کوئی معنی نہین رکھتا میرے نزدیک حضرت شوق کا پہلا مصرع بھی اُسی انداز کا کہنا چاہتے تھے جس انداز کا دوسرا مصرع تھا یعنی شعر کے دونون مصرعے جزء سے شروع ہون جیسا فخر المتاخرین مرزا غالب علیہ الرحمہ کا یہ شعر ہے۔

جز نام نہین صورتِ عالم مجھے منظور ۔ جز وہم نہین ہستیٔ اشیا مرے آگے

مصنف سے جب پہلے مصرع مین موجۂ طوفانِ تمنا کا جواب نہ بن پڑا تو وعدہ باطل کا ٹکڑا رکھدیا اور یہ سمجھ کر رکھا کہ یہ کمی اُستاد پوری کریگا۔ مینے دیکھا کہ وعدہ باطل سے تو طوفان کا لنگر نہین اُٹھتا اس لئے اُسے جوش تخیل سے بدلا۔ اور جب جوش تخیلؔ کا ٹکڑا پہلے مصرع مین آگیا تو صاف نظر آیا کہ اس کا بار موجۂ طوفان سے نہین اُٹھتا۔ موجہ کو ہستی سے بدلا اب جوش تخیلؔ اور طوفانِ تمنا برابر کے ٹکڑے ہوگئے اور یہی شعر کی حقیقی روح تھی جس کا بے وجہ بدلنا خلاف عقل تھا اور یہی وجہ تھی کہ صرف اتنی ہی اصلاح ضروری سمجھی گئی

نکتہ۔ ایک بات اور کہتا چلون وہ یہ کہ اہل نظر کی نگاہ مین دنیا جوش تخیلؔ اور جوش تمنا کا دوسرا نام ہے اور اب اس شعر کی فلسفیانہ وعارفانہ شان دیکھئے اور یہ فیصلہ فرمانے کی کوشش کیجئے۔ کہ حضرت شوق کا یہ شعر غالب لاجواب کے شعر کے انداز کا ہوگیا ہے یا نہین۔

جز نام نہین صورتِ عالم مجھے منظور (غالب) جز وہم نہین ہستیِ اشیا مرے آگے

جز خواب نہین جوشِ تخیل کی حقیقت (شوق) جز وہم نہین ہستیِ طوفانِ تمنّا

جاننے والے جانتے ہین کہ ایسی صورت کے سوا جب زورِ طبیعت سے پورا شعر الفاظ مناسب کے قالب مین ڈھل جائے ہمیشہ بنارِ خیال و بنا شعر مصرعِ ثانی پر ہوتی ہے۔ اس لئے دوسرے مصرع پہ مناسب مصرع بہم پہونچانا شاعر کا فرض ہوتا ہے یہ بھی ایک سبب ہے کہ مین نے دوسرے مصرع مین (موجۂ طوفانِ تمنا) دیکھکر پہلے مصرع مین جوشِ تخیل کا رکھنا ضروری سمجھا۔

میری اصلاح کا عیب

یہ ضرور ہوا کہ اس تغیر (جز وہم نہین ہستیِ طوفانِ تمنا) سے مصرع مین ایک عیب پیدا ہو گیا وہ یہ کہ نہین ہستیِ پڑھتے وقت ہین ہنس، ہو جاتا ہے اور فصاحت کے ابرؤن پر بل پڑنے لگتے ہین مگر عجیب اتفاق ہے کہ بالکل یہی بات ہے جو سیدی و مولائی (باعتبار شاعری) مرزا غالب اعلی اللہ مقامہ کے اس شعر مین پیدا ہو گئی ہے۔

جز نام نہین صورتِ عالم مجھے منظور (غالب) جز وہم نہین ہستیِ اشیا مرے آگے

لیکن یہ کوئی ایسا عیب نہین کہ اسکے خیال سے کوئی اچھا مضمون چھوڑ دیا جائے۔

ارشاد حضرت ناطق:۔ سائل نے پہلا مصرعہ علی حالہ رہنے دیا دوسرے مصرع کو یون بدلا ع

جز مرگ نہین موجۂ طوفانِ تمنا

خواب اور مرگ مین ایک خاص مناسبت ہے اور طوفان کے تشبیہ مین بھی وہم سے مرگ بہتر ہے ایک حادثۂ عظیم وہ بھی ہے

اور یہ بھی اس لفظ کے بدلنے سے شعر مین اس خوبی کا بھی اضافہ ہوگیا
کہ طوفانِ تمنا کا ایک نتیجہ خاص مرگ ہے۔

بیخود۔

اصلاح سائل

جز خواب نہین وعدہ باطل کی حقیقت
جز مرگ نہین موجہ طوفانِ تمنا

وعدہ باطل کو خواب کہا۔ موجہ طوفانِ تمنا کو مرگ فرمایا یقیناً مرگ سے خواب بلند تر اور کامل تر ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت سائل نواب کو نیند اور مرگ کو موت کے معنون پر لے رہے ہین اور یہ مدعائے مصنف کے خلاف ہے اُس نے انھین لفظون کو خواب خیال (بے حقیقت) کے معنون پر لیا ہے۔

اگر اصلاح کے مسئلہ سے تعلق نہ رکھا جائے تو یہ شعر حضرت سائل کی قابلیت کا ثبوت ہوسکتا ہے۔

ارشاد ناطق:۔ ناطق نے مصرع ثانی بدستور رکھا مصرع اولے مین اصلاح دی۔

اصلاح ناطق

جز خواب نہین جز زدہ قلزم امید
(جز وہم نہین موجہ طوفان تمنا۔

یہ امر قابل تسلیم ہے کہ لفظی تعلقات باہمی دونون مصرعون کے بہت کچھ ہوگئے اُدھر موج طوفان ادھر قلزم اُدھر تمنا ادھر امید مگر ایک عطف اور دو اضافتون نے مجتمع ہوکر شعر کو گنجلک کردیا اگر دو اضافتون پر عطف کا اضافہ نہ ہوتا تو بھی اصلاح غنیمت ہوتی اور بہت سی باتین ایسی ہوتی

ہین کہ اساتذہ کیلئے جائز ہوتی ہین اصلاح مین ناجائز ہوتی ہین اور اسی طرح اسکا عکس یعنی بہت سے عیوب مبتدی کیلئے عیب نہین مگر اساتذہ کیلئے سخت شرمناک ہین۔

التماس بیخود۔ اس مین شک نہین کہ اصلاح ناطق مین مناسب الفاظ جمع ہو گئے ہین۔ اور یہ بھی واقعہ ہے کہ تمنا کے جواب مین امید کا ٹکڑا بہت اچھا نکالا گیا ہے۔ مگر قابل افسوس ہے یہ امر کہ مد کے ساتھ جزر کا صرف صرف برائے بیت ہی نہین غلط بھی ہے اور سبب یہ ہے کہ مقتضاء مقام کے خلاف ہے اس لئے کہ موجۂ طوفان تمنا کے مقابل مین صرف مد قلزم امید کی ضرورت ہے (جزر گھٹنا) یہ ضرور ہے کہ مد کے ساتھ جزر بالعموم اردو کے محاورہ مین ہے لیکن بلاغت ایسی پابندیون سے آزاد ہے قصہ کوتاہ اس جزر کمبخت نے حضرت نقاد کی اصلاح کو غلط ہی کر کے چھوڑا۔

اصلاح ناطق پر انھین کے ارشاد کے مطابق یہ اعتراض بھی وارد ہوتا ہے کہ موج کی تشبیہ وہم سے نامناسب ہے وجہ یہ کہ وہم ایک خفیف حس ہے جبتک جنون کی حد تک نہ پہونچے موج طوفان سے مماثل ہونے کے لائق نہین۔

جناب ناطق کا یہ ارشاد بھی قابل قبول نہین کہ ایک عطف اور دو اضافتون نے مجتمع ہو کر شعر کو گنجلک کر دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ اضافت ہو یا عطف نہ فصیح کہا جاسکتا ہے نہ غیر فصیح گردو پیش کے الفاظ و تراکیب اُسے غیر فصیح یا فصیح کر دیتے ہین۔ جناب ناطق کا یہ مصرعہ جز خواب نہین جزر و مد قلزم اُمید، جبتک اس مصرعہ کے ساتھ ہے، جز وہم نہین موجۂ طوفان تمنا کسی طرح گنجلک نہین کہا جاسکتا کیونکہ جیسے الفاظ ایک مصرعہ مین ہین ویسے ہی دوسرے مصرع مین۔ انداز بیان اور نشست الفاظ کا انداز

بھی دونون مصرعون مین ایک ہے۔

مثلاً جزخواب نہین کا جواب جزوہم نہین اور جززدہ مدقلزم اُمید کا جواب موجہ طوفانِ تمنا ملکہ میرے نزدیک اگر ایسا ہوتا توازن صحیح قائم نہ رہتا صورت موجودہ مین صنعت ترصیع کی مرصع کاری نظر آتی ہے۔

حضرت نقاد نے پڑھ تو لیا ہے کہ تواتر و توالی اضافات مخل فصاحت ہے مگر کبھی سمجھنے کی کوشش نہین فرمائی تین سے زیادہ اضافتون کا پے درپے آنا بالعموم غیرفصیح سمجھا جاتا ہے مگر محل اور موقع کی شناخت ہر خاص و عام کے بس کی نہین۔

تین اضافتین کیسی میرے نزدیک اگر زیادہ بھی ہون تو مخل فصاحت نہون گی بشرطیکہ اپنے محل پہ ہون اور یہ معلوم ہوتا ہو کہ یہ بین جڑ دی گئی ہین مثلاً ملا جامی لوائح مین فرماتے ہین۔

مرتبہ ثانیہ تعین اوست بہ تعینی جامع مرجمیع تعیناتِ فعلیہ وجوبیہ الہیہ را وجمیع تعیناتِ انفعالیہ امکانیہ کونیہ را۔

لسان الغیب شیرازی کیا خوب کہتا ہے۔

نہ ہر کہ طرف کلہ کج نہاد و تند نشست — کلاہ داری و آئین سروری داند

ہزار نکتۂ باریکتر زمو اینجا ست — نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

(حافظ)

ارشاد ناطق۔ یہ شعر اپنی بندش و ترکیب مین ایک ایسا اٹیشن ہے کہ اسکی جلا پردازی مین ۵ شاعرون نے عجیب قسم کی بے پروائی کی ہے افضل نظم۔ لوح۔ نیاز۔ یکتا

ہان خواب نہین وعدہ باطل کی حقیقت (افضل) ہان وہم نہین موجہ طوفانِ تمنا

ایک لفظ مین تخیل کو ایسا انقلاب عظیم ہو گیا کہ پناہ بخدا اور اب یہ مفہوم ہوا کہ وعدۂ باطل ایک خاص حقیقت رکھتا ہے اور اسی طرح موجۂ طوفانِ تمنا بھی محض وہم نہین مگر یہ دونون کیا ہین یہ دو سوال پیدا ہوتے ہین تمنا کا جواب تو ہر انسان اپنی عقل سے دلیکتا ہے مگر وعدۂ باطل کی حقیقت کا علم ہر کس و ناکس کو نہین۔

التماس ہیچمدان۔ تخیل بدل نہین گئی بلکہ کسی حالت مین بھی غلط نہین رہی شعر مصنف

جز خواب نہین وعدہ باطل کی حقیقت ؎ جز وہم نہین موجۂ طوفانِ تمنا

کی تخیل صرف ایسی حالت مین صحیح تھی کہ عاشق انتظار یار مین بار بار الجھ الجھ کر یہ کہہ اٹھتا ہو لیکن جناب افضل کی اصلاح سے اب ہر حالت مین صحیح ہے بیشک وعدۂ باطل یار بھی تمنا آفرین ہے اور موج طوفانِ تمنا بھی ناقابل انکار حقیقت ہے۔

حضرت ناطق کے پیدا کئے ہوئے سوال کوئی اہمیت نہین رکھتے پہلے سوال کا بُرا بھلا جواب تو وہ خود ہی دے چکے اب رہی وعدۂ باطل کی حقیقت، اس کا جواب اگر اپنی عقل سے ہر شخص نہین دلیکتا تو کیا جناب نقاد کی عقل سے بھی نہین دے سکتا وہ خود ہی اس بات کا جواب دے چکے ہین۔

ارشاد ہوتا ہے "دولخت ہونے کا عیب اس شعر مین غلطی کی حد تک نہین پہونچتا، کیونکہ وعدہ باطل یار کیلئے بھی تمنا لازم" ہے زیادہ واضح طور پہ یون ہے کہ معشوق کے جھوٹے وعدہ سے بھی تمناؤن کا طوفان برپا ہونا بدیہی امر ہے اگر انسان سوفسطائیون اور عارفون کی نظر سے دنیا پہ نظر کر رہا ہے تو اُسے وعدۂ یار کیا خود یار اور یار ہی کیا ساری کائنات بے حقیقت اور

فریب نظر نظر آئیگی لیکن اگر عاشقانہ نظر سے دیکھا جائے تو وعدہ یار (وہ جھوٹا ہی سہی) اور طوفانِ تمنا ہی عملی دامن کا ساتھ نظر آئے گا اور اسکا انکار بداہت کا انکار ہوگا۔

اصلاحِ نظم

جز خواب نہین لذت فانی کی حقیقت
جز وہم نہین موجۂ طوفانِ تمنا

ارشاد ناطق۔ کسقدر پکی بات ہے کہ لذت فانی کی حقیقت ایک خواب سے زیادہ نہین افسوس یہ ہے کہ لذت فانی کا تعلق موج طوفانِ تمنا سے اتنا بھی نہین جتنا اصل شعر مین وعدے سے تھا کہ تمنا تو پیدا ہوتی ہے اور اب تو یہ کہنا پڑتا ہے کہ کجا موجۂ طوفان اور کجا لذت فانی،

اللہ اکبر بات کا سمجھنا بھی کسقدر مشکل ہے معلوم نہین جناب نقاد اس وقت ہین کہان، اسلئے کہ اتو دونون مصرعون مین اتنا اور ایسا ربط پیدا ہوگیا ہے کہ جس نے دیدہ و دانستہ آنکھ بند نہ کرلی ہو اُسے نظر آئے جناب طباطبائی نے مصرع کی حقیقی روح پہچانی اور یہ دیکھکر کہ شاعر کو اسوقت دنیا کی ہر شے بے حقیقت نظر آرہی ہے، وعدۂ باطل، کو لذت فانی سے بدل دیا اور اب مطلب یہ ہوا کہ انسان کی تمناؤن کا طوفان وہم سے زیادہ وقعت نہین رکھتا اور لذت فانی جسکے لئے تمنائین پیدا ہوتی ہین (یا جو تمناؤن کا نتیجہ ہے) وہ خواب سے زیادہ حقیقت نہین رکھتی، انسان کی تمناؤن کے طوفان کو وہم کہا جسکے معنے یہ ہوئے کہ جسطرح وہم کے مرقع مین صدہا تصویرین ایسی نظر آتی ہین جنکا وجود خارج مین نہین ہوتا، اسی طرح طوفانِ تمنا دیکھنے ہی بھر کا ہے

اصلیت کچھ بھی نہین ،لذت فانی ،کو خواب سے تعبیر کیا یعنے جسطرح خواب مین انسان خدا جانے کیا کیا دیکھتا ہے مگر جب آنکھ کھلی تو کچھ نہ تھا۔اب ظاہر ہو گیا کہ لذت فانی کا خواب ہونا کیونکر ممکن ہے۔

ارشاد ناطق ۔ نوح نے تمام شعر مین صرف لفظ موجہ پر نوٹ دیا ہے اور اُسی کو بدلا ہے یعنی اُسکی جگہ کثرت بنا دیا ہے۔

اصلاح نوح

جز خواب نہین وعدۂ باطل کی حقیقت
جز وہم نہین کثرتِ طوفانِ تمنا

التماس بیخود۔حضرت ناطق جناب نوح کی طوفان خروشیوں سے نطق فراموش ہین اور کوئی اچھی بُری رائے نہین دیتے۔

وہم کی خلاقی پر نظر کیجائے تو اُسکے ساتھ کثرت طوفان، ت،اور ط کے تصادم پہ بھی لطیف نظر آتا ہے مگر جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس شاندار اور گران لنگر جزو شعر کا تقابل، وعدۂ باطل ایسے سبک سنگ سے آپڑا ہے تو انتخاب لفاظ کی گردن پر چھُری پھرتی نظر آتی ہے وعدہ باطل کی کشتی کو موجۂ طوفان، ہی بہائے لئے جاتا تھا کثرت طوفان نے تو اُسے ڈبو ہی کر چھوڑا۔

ارشاد ناطق ۔نیاز اکثر توجیہ اصلاح لکھ دیتے ہین اس شعر پر حسب ذیل ہے

توجیہ نیاز چونکہ وعدۂ باطل کا تعلق دوسرے سے ہے اسے وہم کہنا مناسب ہے اور طوفانِ تمنا کا تعلق اپنی ذات سے ہے اس لئے اسکو خواب سے تعبیر کرنا چاہیئے۔

ایراد ناطق ۔یہ بات تو سمجھ مین آگئی کہ طوفانِ تمنا کا تعلق اپنی ذات سے ہے

اور وعدہ باطل کا فریق ثانی ہے مگر سوال یہ ہے کہ کیا طوفان خواب ہو سکے گا اور دوسری مشکل یہ ہے کہ وعدہ باطل وہم کیونکر ہوگا، وعدہ اُسکا ہے نہ کہ ہمارا اگر وعدہ ہوگا تو اُسی کا ہوگا جیسا کہ بقول نیاز یہ کلیہ ہے کہ طوفانِ تمنا ہماری ذات سے تعلق رکھتا ہے لہذا ہمارا خواب ہے پھر اُسکا وعدہ ایک واقعہ ہے، واقعہ وہم نہیں ہو سکتا بلکہ خواب تو ہو بھی سکتا ہے۔

اصلاح نیاز

جز وہم نہیں وعدہ باطل کی حقیقت
جز خواب نہیں موجۂ طوفانِ تمنا

مصرع اولیٰ میں وہم اور حقیقت کا صرف برمحل نہیں ہے اگر ایک بھی بدل جاتا تو صحیح ہو جاتا اور مصرع ثانی میں موجۂ طوفانِ تمنا کا خواب ہونا بعید از قیاس ہے یا تو وہ (وہم) نہیں ہے یا یہ خواب نوم نہیں بلکہ خواب مرگ ہے۔

بیخود۔ بیشک حضرت نیاز کی توجیہ معنی سے بے نیاز ہے۔ مگر جناب نقاد کا ارشاد بھی ایک معما ہے اسلئے کہ کبھی تو ارشاد ہوتا ہے خواب اور وعدہ باطل کی تشبیہ غیر مناسب ہے کبھی ارشاد ہوتا ہے کہ وہم اور موجۂ طوفان میں تشبیہ صحیح نہیں اور یہاں فرماتے ہیں کہ دو میں سے کوئی بدل جاتا تو شعر صحیح ہو جاتا۔

ارشاد ناطق۔ جگر بسوانی کی اصلاح اس شعر میں معنی خیز ہے۔

اصلاح جگر

سمجھے یہ تیرے وعدہ باطل کی حقیقت
ہے وہم و گمان موجۂ طوفانِ تمنا

اگرچہ ہم مقدر ہے گر خیر کچھ ایسا برا نہیں ہے مطلب یہ کہ تیرے

وعدۂ باطل کی حقیقت یہ ہے کہ اُس نے جو ایک طوفانِ تمنا پیدا کر دیا ہے وہ
وہم و گمان سے زیادہ اصلیت نہین رکھتا کیونکہ وعدہ جھوٹا اور تمناؤن
کا جوش بیکار محض۔

التماس ہیچ مدان۔ بعض حضرات کی تحریر کا معجزہ یہ ہے کہ شعر سے شعریت جاتی رہتی
ہے یہی حال ہمارے ناطق صاحب کا بھی ہے۔ آپنے اچھے خاصے شعر کا مطلب لکھکر
اُسے گوہر بے آب ساغر بے شراب بنا دیا ہے جناب جگر نے شب انتظار مین عاشق بیتاب
کے اُلجھنے کی تصویر اچھی اُتاری تھی یعنی

سمجھے یہ ترے وعدۂ باطل کی حقیقت ہے وہم و گمان موجبۂ طوفانِ تمنا

مگر حضرت ناطق۔ 'وہم' کے مقدر ہونے پر فرماتے ہین کہ خیر کچھ ایسا بُرا نہین یہ بھی
آپ کی سخن سنجی کا سحر ہے حالانکہ بیان 'وہم' کا نہ ہونا ہی فصیح و پُر لطف ہے اسلئے
کہ قرینہ خود حصر کرتا ہے کہ یہ واقعہ اپنا ہی ہے، وہم آجاتا، تو حشو کا گھر آباد اور فصاحت
کا گھر ویران ہوجاتا ہاں یہ ضرور ہوا کہ مصنف کا طرز ادا باقی نہ رہا

شعر پنجم۔ اصل شعر

تیری نگہ لطف تھی تمہید محبت
میری نگہ شوق ہے عنوان تمنا

ارشاد ناطق۔ تخیل یہ ہے کہ تو نے جو نگاہِ لطف سے مجھے دیکھا تھا
اُس سے میری محبت کی ابتدا ہوئی (لفظ میری) محذوف ماننا پڑیگا
اور میری نگاہِ شوق سے تمناؤن کا آغاز ہوا۔

ہیچمدان۔ جبتک لفظ محبت عاشق کی طرف مضاف نہ ہو یا قرینہ

سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ نگاہ کا مضاف الیہ جو ہے وہی لفظ تمہید کا مضاف ہونا چاہیئے، علم نحو مذاق عاشقانہ کا ماتحت نہین کہ خواہ مخواہ ایک نیا مضاف الیہ بغیر کسی وجہ کے پیدا کرلے، مگر مذاق عاشقانہ کی یہ سفارش کافی ہے کہ محبت کا مفہوم محبت عاشق ہے۔

دوسرا عیب۔ اس شعر مین یہ بھی ہے کہ شوق اور تمنا کا مفہوم ایک ہی ہے فرض کیجئے کہ شوق دیدار یا وصل ہے مگر اسی کا نام تمنا اور ارمان ہے نگہ شوق کے کئی معنے ہین ایک یہ کہ استعارۃً شوق کو نگاہ فرض کرلیا جائے تو بھی ماننا پڑے گا کہ شوق کسی نہ کسی بات کا ہوگا پس کسی چیز کا بھی شوق ہو تمنا ہے دوسری صورت یہ ہے کہ اضافت بیانیہ سے یہ معنی لئے جائین کہ جو نگاہ مشتاق کا مفہوم ہے یعنی ایسی نگاہ جس سے شوق ظاہر ہوتا ہو۔ تیسرے معنی یہ ہین کہ شوق ایک فرد ذوی العقول مین سے تسلیم کرلیا جائے جس کا صاحب نگاہ ہونا خلاف فطرت نہین ہے اور یہ معنی بیان کی رُو سے جائز و مستعمل ہے جیسا کہ خونِ آرزو، فغانِ دل وغیرہ، چوتھی صورت یہ کہ شوق (تخلص) شاعر کی نگاہ آخری دونون صورتون مین معنی درست ہوتے ہین اور تکرار معنوی واقع نہین ہوتی مگر فن شاعری کا مسلک یہ ہے کہ اگر ایک چیز مفید مطلب نہ ہو تو شعر ناقص ہے اگر مخالف مطلب ہو تو غلط ہے لہذا مصرع ثانی بھی مجروح ہوتا ہے۔

یہ تو ناظرین نے غالبؔ بھلایا نہ ہوگا (کتنا پیارا انداز تقریر ہے گویا تمام ناظرین حضرت ناطق کے شاگرد یا در زر خریدہ غلام ہین) کہ تمہید محبت مین

سوائے مذاق عشق کے کوئی نحوی قرینہ اس امر کا نہین ہے کہ جس کی نگاہ ہے
اُسی کی محبت نہ سمجھی جائے بلکہ ایک دوسرے شخص کی مگر مجھکو اپنی کسی رائے
پر اصرار نہین ہے کیونکہ چوبیس شاعرونکی راے اور میری رائے سے
اختلاف ہے اور صرف دو صاحبون سے تائید، ۲۴ مین سے ۹ نے صاد
کا خلعت دیا ہے اور داد دی ہے، احسن - جگر - ریاض - زہری - صفی
محشر - بیباک - شہرت - نواب - اور دس نے اصلاح سے بے نیاز رکھا
ہے، آرزو - اطہر - بیخود دہلوی - باقی دل - جلیل - مضطر - نظم - نوح
یکتا - باقی پانچ صاحبون نے اصلاح تو دی ہے مگر دونون عیوب کی
پروا نہین کی ہے - ایسی حالت مین ظاہر ہے کہ میری رائے کی وقعت
خود میرے دل مین کیا ہو سکتی ہے - مگر شاید اس فن کی خدمات سے
یہ مباحث باہر نہ ہونگے ممکن ہے کہ تبصرہ بھر مین میرا کوئی خیال صحیح
ہو یا قریب صحت تو اس سے آیندہ کچھ لوگ احتیاط کرینگے -

التماس بیخود - یہ خیال بے بنیاد ہے کہ تیری نگاہ لطف سے میری محبت
کی ابتدا ہوئی پھر اُسکے ساتھ یہ شدت کہ لفظ میری کو محذوف ماننا پڑے گا یہ قول جناب نقاد
کی انتہائی سادگی ظاہر کرتا ہے اس لئے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب صوف
معشوق مین محبت کے جذبہ کا وجود تسلیم ہی نہین کرتے حالانکہ اسکا غلط ہونا محتاج دلیل
نہین، شاید لفظ دلدار، اُنکی نظر سے کبھی گذرا ہی نہین جسکا مفہوم معشوق و
عاشق نواز ہے

دلم بُردی و دلداری نہ کردی (ملا جامی) غمم دادی و غمخواری نہ کردی

جسکو شکستن دلِ عاشق عذاب ہو (مومن) وہ اور جانکنی کے محن و مصیبتا

اگر انسان عاشق ہو مبتلائے ہوس نہ ہو تو یہ ممکن ہی نہین کہ معشوق اُسے نہ چاہے

حضرت ناطق کی عقل آرائیان رنگ لاکے رہین اور اُمور بدیہی کیلئے بھی دلیل و ثبوت کی ضرورت پیش آنے لگی جناب مرزا محمد ہادی صاحب رسوا لکھنوی نے غالبا یہ شعر ایسے ہی موقع کیلئے فرمایا ہے ؎

دکھایا جہل نے تحقیق کا اثر اُلٹا (رسوا) مقدمات بدیہی بھی ہوگئے نظری

یہ ظاہر ہے کہ معشوق کا بیوفا ہونا مشہورات سے ہے اور حضرت نقاد بڑے مشہورات کے حلقہ بگوش، واقفیت سے انھین دور کا واسطہ بھی نہین اُنھون نے کبھی اِس راز کی پردہ کشائی ضروری نہین سمجھی کہ آخر عشاق معشوقونکو بیوفا کہتے کیون ہین مین مختصر طور پر بیان کئے دیتا ہون۔

عاشق دیوانگی شوق مین یہ چاہتا ہے کہ معشوق ہر وقت اُسکی تمناؤن کو پورا کرتا رہے بھلا یہ بات کہان ممکن ہے، عاشق کی اکثر آرزوئین اچھا خاصہ دیوانہ پن ظاہر کرتی ہین معشوق انھین حماقت سمجھتا ہے ظاہر ہے کہ معشوق جسکے قبضہ قدرت مین ہو وہ اگر ایسی آرزو کرے جیسی مرزا غالب علیہ الرحمہ کے اس شعر مین ہے تو اُسے ضدی یا بیوفا کہنا صرف عاشق دیوانہ ہی پر زیبا ہے۔

دھوتا ہون جبکہ پینے کو اُس سیمتن کے پانو (غالب) رکھتا ہے ضد سے کھینچکے باہر لگن کے پانو

ظاہر ہے کہ یہ آرزو کیسی ہے؟

معشوق بیوفا ہو ہی نہین سکتا اسلئے کہ عشق اثر نہ ڈالے محال ہے ہوس کی بات اور ہے مومن خان کے شعر پر نظر ڈالئے تو حقیقت آئینہ ہو جائے۔

یہ غدرِ امتحان جذبِ دل کیسا نکل آیا (مومن) میں الزام انکو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا
یاروں پہ کھل گیا اثرِ الفتِ نہاں (داغ) اُس بُت کے اضطراب نے رسوا کیا مجھے

مصیبت یہ آپڑی ہے کہ ہوس اور عشق میں امتیاز نہیں کیا جاتا ایک زمانہ ایسا بھی گذرا ہے جب معشوق کے معنے رنڈی (اس لفظ سے کوئی صرف جوان عورت ہی نہ سمجھے جیسا کہ میر و انشا و رنگین وغیرہ کے زمانہ میں سمجھا جاتا تھا بلکہ شاہدِ بازاری مراد ہے) عیاش کیلئے لفظ عاشق اور ہوس کے لئے لفظ عشق استعمال ہوتا تھا اور کہ بعض شعرا نے اسی التباس کی وجہ سے معشوق کا لفظ چھوڑ کر محبوب کا لفظ اختیار کیا تھا اور اسلئے اختیار کیا تھا کہ وہ اپنی زبان اور اپنے بیان میں اتنی قدرت نہ پاتے تھے کہ دنیا کو اپنی نوائے دلکش سے شیفتہ و مسحور کرکے لفظ معشوق کو اُسکی حقیقی منزلت پر پہونچا سکتے مثلاً کوئی ایسا نہ تھا جو یوں کہہ سکتا۔

(نظیری نیشاپوری)

تا منفعل ز رنجش بیجا نہ بینمش می آرم اعتراف گناہ نبودہ را
رنجانم از خود ہرگز دلے را کہ می ترسم درو جائے تو باشد

(میلی ہروی)

ز دیدن تو ولم یافت لذتے کہ فاک نعوذ باللہ اگر فکر انتقام کند
بہ بدی در ہمہ جا نام بر آرم کہ مباد (لاادری) خون من ریزی و گویند سزاوار نبود

(سعدی)

عجب است با وجودت کہ وجود من بماند تو بگفتن اندر آئی و مرا سخن بماند
نشوم سیر از نظارۂ تو ہم چنان کز فرات مستسقی

(عراقی)

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت　　　سر دوستان سلامت کہ تو خنجر آزمائی

(غالب)

بسا پاسِ ناموست ز خویشم بدگمان دارد　　　نشود نالہ می ریزم نمک در دیدہ در بانرا

(میر)

دور بیٹھا غبار میر اُس سے　　　عشق بن یہ ادب نہیں آتا

(سودا)

کرتے ہین اسیر قفس و دام بھی فریاد　　　رے سکتے نہین سانس گرفتار محبت

حقیقت یہ ہے کہ عاشق بھی معشوق ہے اور معشوق بھی عاشق ہے محبت دونون کو یکسان بیقرار رکھتی ہے کہا جاتا ہے کہ یہ مقتضائے غیرت عشق ہے کہ طرفین مین ہر ایک اپنے کو عاشق دوسرے کو معشوق کہتا ہے۔

(نکتہ)

مگر میرا یہ خیال نہین۔

میرے نزدیک طرفین اپنے آپ کو عاشق صرف کہتے ہی نہین بلکہ پاتے بھی ہین اس لئے کہ ہر ایک اپنے آپکو حد کا بیقرار اور انتہا کا بیصبر پاتا ہے۔ دوسرے کی بیتابی کا علم اگر ہوتا بھی ہے تو بر بنائے قیاس یا یکجائی کی حالت مین جو کبھی کبھی نصیبون سے میسر آتی ہے کبھی اُسکے بیان کرنے سے کبھی حال پریشان پر نظر کرنے سے اور ظاہر ہے کہ اپنی بیتابیون کا جیسا علم الشان کو خود ہوتا ہے نہ کسی کو ہوتا ہے نہ ہو سکتا ہے یہی راز ہے کہ عاشق و معشوق مین سے ہر ایک اپنے کو عاشق کہتا اور دوسرے کو معشوق سمجھتا ہے اور چونکہ دل چیر کر دیکھنے یا دکھانیکی چیز نہین اسلئے دوسرے کا حال واقعی نہین کھلتا اور ہر ایک اپنے کو زیادہ بیتاب سمجھتا ہے۔

عشق میں بیوفائی کا وجود ہی نہیں اگرچہ کچھ لوگ طبعاً بیوفا ہوتے ہیں مگر عشق انسان کی کایا پلٹ کردیتا ہے دل آجانے پر دوسرے سے بیوفائی کرنے کا تو کیا ذکر ہے حسین ہمیشہ اس بات کو ڈرا کرتے ہیں کہ کہیں ہمارا معشوق بیوفا نہ نکل جائے

رسم و رواج - مجبوری - آزادی - بیتابی اور حیا وغیرہ کی کارفرمائیاں ہوتی ہیں جسے چاہنے والا علم صحیح کے نہونے کی وجہ سے بیوفائی سمجھتا ہے۔

بظاہر شاہدان بازاری میں عشق و وفا معدوم ہے لیکن حقیقت مسکراتی ہے کہ یہ بھی غلط ہے انکا پیشہ انکو بہتیروں سے اظہار محبت پر مجبور کرتا ہے ورنہ وہ بھی کسی ایک شخص پر جان دیتے ہیں سبب حقیقت یہ ہے تو معشوق سے محبت کا انتساب ایک امر واقع ہے اور پھر اسقدر طوفان اٹھانا کیا ضرور ہے۔

۳ :- حضرت ناطق نے اس شعر میں دوسرا عیب یہ بتایا ہے کہ دوسرے مصرع میں تکرار معنوی واقع ہوتی ہے وہ اس لئے کہ شوق و تمنا ہر حالتمیں ایک ہی ہیں اور اس دعوی باطل کے ثابت کرنے میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے ہیں انکی عبارت اوپر نقل کی جاچکی ہے۔

ارشاد ناطق کی بیسر و پائی - اس اعتراض سے مدیر سبحر کی کوتاہی نظر بلکہ فقدان ابصر کا ثبوت ملتا ہے یہی مدیر سبحر جنہوں نے سبحر جنوری کی لوح پر اپنا یہ شعر بخط جلی لکھوایا ہے (جو آگے چلکر نکال دیا گیا)

کن نہفتہ بصورت رموز سیر تھا (ناطق) کہ دور لبسارت ما ہست جز ابصیر تھا

سیرت تو سیرت ہے صورت کے خط و خال کی دلکشی و نفرت انگیزی کے ذوق صحیح سے بھی محروم نظر آتے ہیں۔

اسمین شک نہین کہ کبھی کبھی شوق و تمنا ایک ہی مفہوم ادا کرتے ہین لیکن یہ غلط محض اور محض غلط ہے کہ کہین بھی دوسرے معنے اِن کے نہین لئے جاتے۔ ہے یون کہ لفظ شوق و تمنا مختلف معنون پر نظر آتے ہین کہین شوق تمنا کی فرع کہین تمنا شوق کی فرع نظر آتی ہے اور دونون مین وہی فرق پایا جاتا ہے جو آدمؑ اور اولادِ آدمؑ اور برہمن اور برہما مین نظر آتا ہے کہین شوق نام ہے رغبت و میلان طبیعی و رحجان فطری کا کہین نام ہے عشق کا وغیرہ وغیرہ۔

اگر شوق و تمنا صرف مترادف ہی ہوتے تو شوقِ تمنا آفرین، اور شوق آرزو کیش، کی ترکیبین مہمل ٹھہرتین جو رقعات بیدل مین نظر آتی ہین۔

جب حقیقت یہ ہے تو شعر مابہ البحث کے دوسرے مصرع مین شوق اور تمنا کو یکجا دیکھکر تکرار معنوی کا قائل ہونیوالا صاحب نظر کیا صاحب حواس بھی نہین قرار پاتا۔

مندرجہ ذیل مثالون سے واضح ہو جائے گا کہ لفظ شوق ہر مقام پر تمنا کا قائم مقام نہین ہو سکتا۔

جناب مولوی حکیم سید محمد حسینؑ صاحب گریان اعلی اللہ مقامہ (لکھنوی) منتخب المصائب المعروف بہ مجالس حسینیہ تفسیر آیۂ وقفوہم کی تحت مین لکتے ہین۔

لصائب ... المطبوعہ ... عالم پریس ... ۱۳۲۳ھ

"اور جو شخص کہ جناب امیر المومنینؑ کو دشمن رکھے گا وہ داخل جہنم ہو گا اور ہرگز ہرگز پل صراط سے گذر نہ سکے گا اور حرارت دوزخ اُسکو اسقدر صدمہ پہونچائیگی کہ وہ فریاد کرے گا اور کوئی شخص اُسکی فریاد کو نہ پہونچے گا اور وہ تمنا کرے گا کہ کاش مجھے دنیا کی طرف پھیر دیتے اور مین جناب امیرؑ کو دوست رکھتا یا کاشکے مین جلکر خاکستر ہو جاتا مگر کسی طرح اُس کے عذاب مین تخفیف نہ ہوگی۔ (بقدر حاجت)

کیا کسی مین قدرت ہے کہ اس عبارت (اور وہ تمنا کرے گا۔ الخ) مین تمنا کو شوق سے بدل سکے۔ مولوی محمد حسین صاحب گریان، جناب ناطق کی طرح حکیم (طبیب) بھی تھے مرد فاضل بھی سے تھے اہل زبان بھی تھے طب اور عربی کی کتب متداولہ کا درس بھی دیتے تھے لیکن مجھے یہان اُنکی اُردو سے بحث نہین کہ ٹکسالی تھی یا نہتھی مجھے تو اس مقام سے بحث ہے اسلئے اُنکا معتبر یا غیر معتبر ہونا نفس مسئلہ پر کوئی اثر نہین رکھتا۔

یا اس آیہ کریمہ مین ویقول الکافر یالیتنی کنت ترابا (اور کافر کہے گا کاش مین خاک ہوتا) لیت یعنی کاش حرف تمنا ہے، اس لئے مفہوم یہ ہوا کہ وہ تمنا کرے گا، کاش مین خاک ہوتا یہان تمنا کی جگہ شوق بولنے والا دنیا کے پردہ پر نظر نہین آتا۔

اب مین اساتذہ متقدمین و متاخرین کے کچھ اشعار نقل کرتا ہون جنسے کھل جائے گا کہ شوق اور تمنا کن کن معنون پر بولے جاتے ہین۔

دل کھنچے جاتے ہین اُسی کی اُور (خدائے سخن میر) سارے عالم کی وہ تمنا ہے

تمنا = آرزو یعنی مدعائے آرزو۔

~~~~~~

لکھتے رقعہ لکھے گئے دفتر (خدائے سخن میر) شوق نے بات کیا بڑھائی ہے،

شوق = شوق لفظ تمنا اس محل پہ نہین بولا جا سکتا۔ ـــــ

گر ترے دل مین ہو خیال وصل مین شوق کا زوال (غالب) موج محیط آب مین مارے ہے دست و پا کہ یون

شوق = چونپ۔ دلولہ۔ اُمنگ

~~~~~~

ہے چشم تر مین حسرت دیدار سے نہان (غالب) شوق عنان گسیختہ دریا کہین جسے

شوق عنان گسیختہ = شوق بے اختیار

~~~~~~

نادان ہین جو کہتے ہین کیون جیتے ہو غالب (غالب) قسمت مین ہے مرنے کی تمنا کوئی دن اور
~~~~~~

تمنا = آرزو = یہاں شوق نہیں کہہ سکتے۔ ....

واں سے یاں آئے تھے اے ذوق تو کیا لائے تھے (ذوق) یاں سے تو جائیں گے ہم لاکھ تمنا لیکر

تمنا = آرزو۔ یہاں لفظ شوق آنیکا شوق کرتے گھبراتا ہے ......

وقت آخر پوچھتے ہو کیا ہماری آرزو (داغ) اشکباری ہے تمنا بیقراری آرزو

تمنا = آرزو یہاں لفظ شوق کی گنجائش ہی نہیں۔ .....

ہوتی ہے وہاں اور تمناؤں کی ترقی (داغ) اے ذوق فزوں ہو بھی اسے شوق سوا ہو

شوق = شوق۔ اسے تمنا سے بدلئے پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ .....

لے اے دل بیتاب تمنائے شفا کر (داغ) درماں سے ہوا درد و الم اور زیادہ

تمنا = آرزو۔ یہاں شوق کی جگہ نہیں ......

آجکل ہے اونکو تصویروں سے شوق (داغ) کیا کبھی دیکھی تھی حیرانی مری

شوق۔ شوق اور تمنا کو دوربانش محل قدم بڑھانے اجازت نہیں دیتی

ان کو ہے مدعا سے وہ تمنا (داغ) جس بات کی ہم نے آرزو کی

تمنا = آرزو۔ شوق اور عرض ہٹنے کا شوق کرے تو بری ٹھہرے ......

لے دیکھے یہاں دل میں ہے کیا ایک تمنا (داغ) وہ تا بزباں خوف سے لائی نہیں جاتی

تمنا = آرزو یہاں شوق کو لائیے تو اسیطرح آئے جس طرح دروپدی کو رونگے دربار میں آئی تھی۔

ہجر میں سونیکی ایسی ہے تمنا اے نذیر (خواجہ وزیر لکھنوی) دیکھتا ہوں اسکو حسرت سے جسے آتی ہے نیند

تمنا = آرزو .....

اب اس امر میں جائے دم زدن نہیں۔ کہ شوق ہر جگہ تمنا کا مترادف نہیں ہوا کرتا یہاں نگاہ شوق سے مراد شوق بھری نگاہ کے سوا کچھ نہیں۔

ارشاد ناطق۔ چند خاص اصلاحوں کی طرف توجہ دلاتا ہوں جن سے کسی نہ کسی مسئلہ پر روشنی پڑ سکتی ہے۔

تیری نگہ لطف ہے تمہید محبت
اصلاح افضل
میری نگہ شوق ہے عنوانِ تمنا

صرف پہلے مصرع میں 'تھی' کی جگہ 'ہے' بنایا ہے شاعر کا تو یہ مقصد تھا کہ ایک مرتبہ اُسنے نگاہ لطف سے جو دیکھہ لیا تو عاشق کیلئے محبت اور تمناؤں کا سلسلہ شروع ہو گیا مگر اصلاح یہ کہہ رہی ہے کہ وہ برابر نگاہِ لطف سے دیکھہ رہا ہے یعنیہ یہی اصلاح شفق نے دی ہے۔

التماس بیخود۔ 'تھی' اور 'ہے' کا جھگڑا انشاء اللہ میری اصلاح کے موقع پر طے ہو رہے گا اور جناب نقاد نے شعر کا جو مطلب بیان فرمایا ہے اس پر بھی وہیں نظر کرلی جائیگی۔

ارشاد ناطق۔ بیخود موہانی نے لفظ محبت کو تغافل سے بدلکر اپنی ذہانت کا ثبوت دیا ہے مگر افسوس ہے کہ 'تھی' کو 'ہے' بنادیا کہ جس سے مذاق عشق و تقاضائے حسن کی توہین ہوتی ہے کاش وہ ایک ہی لفظ بدلتے۔

التماس بیخود۔ میں جناب نقاد کا ممنون گزار ہوں کہ محبت کو تغافل سے بدلنے پر اظہار پسندیدگی فرمایا۔

اب میں 'تھی' اور 'ہے' پر بالتفصیل بحث کرنیکی اجازت چاہتا ہوں اسمیں شک نہیں کہ جیسا زمانہ حضرت شوق نے اس شعر میں قائم کرنا چاہا تھا (اور قائم نہ ہو سکا) وہ داد کے قابل ہوا کرتا ہے۔
(مثلاً)

کھلے گریباں وپر اب کے تو صیاد (داغ علیہ الرحمہ) قفس رکھا ہوا ہے آشیاں میں،

"اُٹھا جاتا ہے پردہ درمیان سے (داغ علیہ الرحمہ) فغان کو لاگ ٹھہری آسمان سے"

دیا دل اب تو جو مرضی خدا کی (داغ علیہ الرحمہ) جفا کی اِن بتوں نے یا وفا کی

ان اشعار مین کُھلے گڑکے ساتھہ قفس رکھا ہوا ہے۔ اُٹھا جاتا ہے۔ اُٹھ جائیگا کے محل پر اور جفا کی وفا کی، جفا کرین اور وفا کرین کے مقام پر رکھنا قابل داد ہے اس طرح یہ الفاظ صرف ہوئے ہین کہ فصاحت بلائین لیتی ہے روزمرہ دعائین دیتا ہے۔ حضرت شوق نے بھی ایسا ہی کرنا چاہا تھا افسوس ہے کہ بن نہ پڑا اگر وہ کسی طرح قابل ملامت نہین اساتذہ سے یوہین سیکھا کرتے ہین جس مقام پر لکھنو کے سب سے بڑے نقاد (بزعم خود) حضرت ناطق کو لغزش ہو وہان حضرت شوق کی لغزش کو دیکھنا جناب نقاد کی توہین کرنا ہے۔

اب مین عرض کردون کہ "تھی" اور "ہے" کے ساتھہ رہنے مین شعر کا کوئی معقول مفہوم ہے بھی یا نہین۔

یہ شعر اپنی اصلی حالت پر رہے تو مفہوم یہ ہوگا۔

اصل شعر۔

تیری نگہ لطف تھی تمہید محبت میری نگہ شوق ہے عنوانِ تمنا

شعر کی تخیل۔ تیری نگاہ لطف تیری محبت کی تمہید تھی۔ اور میری نگاہِ شوق تمنا کا عنوان ہے یعنی تو نے جو نگاہِ لطف سے مجھے دیکھا تھا تو وہ تیری محبت کی تمہید تھی اور اُس سے یہ پتہ چلتا تھا کہ یہ التفات آگے بڑھ کر محبت ہوجائے گا لیکن ایسا نہین ہوا مگر میری نگاہِ شوق ابھی تک مضمونِ تمنا کی سرخی (عنوان) بنی ہوئی ہے یعنی اگرچہ تو نے مجھ سے محبت نہین کی مگر مین ابھی تک منزلِ آغاز تمنا مین ہون۔

ع تیری نگاہِ لطف تمہید محبت تھی، اب عین محبت ہوگئی یعنی تمہید اب اصل مضمون

(محبت، بن گئی اگر ُ تھی ُ سے یہ مطلب نکالا جائے تو کوئی امر مانع نہین۔

نکتہ۔ ایک نازک بات کہہ لون تو آگے بڑہون۔

شاعر نے پہلے مصرع مین ُ نگاہ لطف ُ کو تمہید محبت اور دوسرے مصرع مین ُ نگاہ شوق ُ کو عنوان تمنا کہا ہے شعر مین تمہید و عنوان کا تقابل موجود ہے اسلئے یہان عنوان (سرخی۔ سرنامہ) بھی معنًا تمہید ہی کے لگ بھگ بلکہ اُس سے پست لفظ ٹھہرتا ہے اور اب صاف کھلجاتا ہے کہ پہلے مصرع مین بھی ُ تھی ُ کی جگہ ُ ہے ُ ہونا چاہیئے۔ اور اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ کہنا کہ تو نے کبھی مجھے نگاہ لطف سے دیکھا تھا، اُسوقت سے آجتک یعنی اتنا زمانہ گذرنے کے بعد بھی میری نگاہ (مضمونِ تمنا) دفتر تمنا نہ بنی عنوان تمنا بنی رہی کیسی لغو بات ہے، دوسری لغویت اسکی یہ ہے کہ ُ تمہید ُ عنوان اور اصل مضمون کی درمیانی منزل ہے یعنی پہلے عنوان قائم قائم کرتے ہین پھر تمہید لکھتے ہین آخر مین ربط دیکر اصل مضمون (مدعا) شروع کر دیا کرتے ہین، یہ کتنی ناموزون بات ہے کہ معشوق تو محبت کے عنوان سے آگے بڑہکر تمہید تک پہونچ گیا اور عاشق صاحب ابھی تک عنوان کی پہلی منزل مین کھڑے یا پڑے ہین یہی سبب تھا کہ مینے پہلے مصرع مین ُ تھی ُ کو ُ ہے ُ سے بدل دیا اور اب شعر کی یہ صورت ہو گئی۔

بیخود خاکسار کی اصلاح

تیری نگہ لطف ہے تمہید تغافل
میری نگہ شوق ہے عنوانِ تمنا

اور شعر کا مفہوم یہ ہو گیا کہ تیری نگاہ لطف کا انجام تغافل ہے اور میری نگاہ شوق کا انجام تمنا یعنی تو آگے بڑہکر سراپا تغافل اور مین سراپا تمنا ہو جاؤنگا۔

جناب نقاد کی سخن سنجی سے ڈرتا ہون اس لئے مناسب نظر آتا ہے کہ میری اصلاح

سے جو بات شعر مین پیدا ہو گئی ہے اُسے سمجھا بھی دون۔

وجوہِ بلاغت۔ اول دن سے یہ جاننا۔ کہ جو آج مہربان ہے کل نامہربان ہو جائے گا۔ اور تغافل کرے گا پھر اُسکی تمنا کرنا اور ہمیشہ تمنا کرنا بلکہ سراپا تمنا بنجانا زیادہ اثرانگیز ہے۔ شعر کی صورت موجودہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ معشوق کی رفتار اور اُسکی اُفتادِ مزاج سے عاشق بیخبر نہین وہ خوب جانتا ہے کہ مجھ سی محبت کرنا تو درکنار مین اِسے یاد بھی نہ رہونگا پھر بھی اپنے دل کو اسقدر بے اختیار پاتا ہے کہ یہ سمجھ لینے پر مجبور ہے ع جو کچھ مرے نصیب کا ہونا تھا ہو گیا یعنی ہم ایسے پھنسے کہ اب کبھی دامِ محبت سے رہائی نہوگی۔

میری اصلاح مین 'تمہید و عنوان' والے اعتراض کی گنجائش نہین اسلئے کہ یہان 'تمہید محبت' کا ٹکڑا 'تمہید تغافل' سے بدلگیا ہے اگر معشوق عنوان تغافل سے تمہید تغافل تک پہونچگیا تو کیا علاوہ برین یہ بات بھی ہے کہ اس ٹکڑے سے یہ بھی نکلتا ہے کہ التفات یار مین انداز تغافل کی جھلک پائی جاتی ہے۔

یہان 'ہے' سے وہ دوام پیدا ہو گیا ہے جو حضرت ناطق کے نزدیک 'تھی' اور 'ہے' کے اجتماع سے ممکن تھا۔

اگر یہ کہا جائے کہ صرف 'تھی' کو 'ہے' سے بدل دینا کافی تھا 'تمہید محبت' کو تمہید تغافل سے کیون بدلا اسکا جواب یہ ہے کہ شعرِ مصنف (تیری نگہ لطف تھی تمہید محبت، میری نگہ شوق ہے عنوان تمنا) مین 'تھی' کو 'ہے' سے بدل دینے کے بعد شعر کا یہ مفہوم ہوتا ہے کہ تو مجھ سے محبت کرے گا مین تیری تمنا کرونگا۔ یہ اگر واقعہ بھی ہو تو شعر مین کہنے کے قابل نہین ہے یہ تو بنیون کا سا بیوہار ہے، پہلے شعر عامیانہ تھا اب شاعرانہ ہے۔

ارشادِ ناطق۔ عزیز کی اصلاح مین مصرع اولے کے دونون عیب نکل گئے

ع تیری نگہ لطف تھی تمہید مظالم۔ البتہ لفظ مظالم حسن تغزل اور شیرینی
زبان میں مخل ہے اور ردیف کا اجتماع تنافر پیدا کرتا ہے

التماس بیخود۔ شعر میں وہ عیب ایسے ہی کہاں کہ کھل جاتے ہاں جناب کا یہ ارشاد بجا ہے کہ تغزل سے مظالم کا بار نہیں اٹھتا۔ اور تنافر بھی پیدا ہو گیا ہے مجھے اتنا اور کہنا ہے کہ "تھی" اور "ہے" کا ساتھ اس محل پر غلط ہے۔

اصلاح مومن

تیری نگہ لطف تھی اک شوق کی تحریک
(مصرعہ ثانی بدستور) میری نگہ شوق الخ

ارشاد ناطق۔ نگہ کی تکرار میں جو لطف تھا وہ شوق کی تکرار سے
شرمندہ ہو گیا۔

التماس بیخود۔ لاریب شوق کی تکرار سے نگاہ کی تکرار کا لطف جاتا رہا مگر حضرت ناطق کو جناب مومن کا ممنون ہونا چاہیئے کیونکہ انھوں نے جناب نقاد کے خیال کی عملی تائید فرمائی ہے، جناب نقاد نے زور دیا تھا کہ محبت کے ساتھ میری محذوف ماننا پڑیگا انھوں نے اسے عملاً دکھا دیا۔ اور اب انکا مرکوز خاطر اصلاح مومن میں صاف نظر آتا ہے یعنی وہ فرماتے ہیں کہ تیری نگاہ لطف نے میرے شوق کی تحریک کی اور میری نگاہ شوق سے تمناؤں کا آغاز ہوا۔ یہ اصلاح جناب ناطق کے لئے باعث امتنان اور فن کیلئے موجب حیف ہے "تھی" اور "ہے" کا استعمال یہاں بھی صحیح نہیں ہوا۔

اصلاح ناطق

تیری نظر لطف تھی پیغام محبت
میری نگہ شوق ہے عنوان تمنا

ارشاد ناطق۔ مصرع اولی میں تو کوئی عیب نہیں رہا مگر مصرعہ ثانی کا

نقص تکرار شوق و تمنا قیامت تک کیلئے باقی رہ گیا کیونکہ اس کے بعد صرف نیاز کی اصلاح قابل ذکر رہ جاتی ہے۔

التماس بیخود۔ نگہ لطف اور نگہ شوق سے جو تکرار نگاہ کا لطف تھا وہ "نگہ" کو نظر سے بدل دینے مین جاتا رہا اگر ایک جگہ نگاہ کو نظر سے بدلا تھا تو دوسری جگہ بھی ایسا ہی کرنا تھا غالباً جناب نقاد کو خیال آیا کہ ایک ہی لفظ کا دو بار ایک ہی شعر مین آنا مخل فصاحت ہے یہ یاد آنا تھا کہ قیامت آئی۔ نگہ نظر سے بدلی گئی حالانکہ یہان اقتضاے مقام یہی تھا کہ یہ تکرار باقی رکھی جاتی۔

یہ امر مشتبہ ہے کہ یہان 'پیغام محبت' کے کیا معنی لئے گئے ہین۔ اس لئے کہ ہر صاحب فہم تو یہ سمجھے گا کہ وہ نگاہ لطف جو محبت کا پیغام تھی یہ مفہوم ادا کر رہی تھی کہ مین تم سے محبت کرتا ہون، مگر جناب ناطق فرمائین گے کہ نہین اس کا مفہوم یہ تھا کہ تم مجھ سے محبت کرو اسلئے کہ حضرت نقاد "تمہید محبت کے مقام پر نہایت زور دیکر فرما چکے ہین کہ محبت کے ساتھ "میری" محذوف ماننا پڑے گا) اور میری نگاہ شوق نے اتنا سہارا پاکر تمناؤن کا آغاز کر دیا۔ یہان بھی "تھی" کی جگہ "ہے" چاہیئے اور یہ اصلاح نہایت خوبصورت اصلاح ٹھرتی ہے وہ یون کہ نگاہ لطف یار کبھی محبت کا پیام لائی تھی، حضرت ناطق وہ پیام آتے وقت جس مقام پر تھے یعنی آغاز تمنا کی منزل مین آج بھی وہین موجود ہین ایک قدم آگے نہین بڑھا پایا ہان اگر "عنوان تمنا" کی جگہ طومار تمنا ہوتا تو یقیناً اصلاح اگرچہ پھر بھی ناقص رہتی اسلئے کہ دوسرے مصرع مین عنوان تمنا ہے، اسکے مقابل مین دوسرے مصرع مین تمہید محبت یا کوئی ایسا ہی ٹکڑا ہونا چاہیئے تھا لفظ "تمہید" کو اس شعر سے کوئی ایسا شاعر جو ادیب ہو کبھی نہ نکالے گا) لیکن شعر ضرور اچھا ہو جاتا برا ہو قافیہ کی قید کا جس نے زنجیر پا ہو کر "عنوان" کو "طومار" سے بدلنے

نہ دیا اسلئے یہ عیب تاقیامت باقی رہ گیا۔

عیب متذکرہ صدر مشرب عاشقی مین گناہ کبیرہ کے مرتبہ تک پہونچتا ہے اس لئے کہ خود نگاہ یار اور خالی نگاہِ یار نہین نگاہ لطف یا پیغام محبت لائے اور اُس پر ایک زمانہ گذر جائے جس کا ادراک شعر مین تھی، اور ہے کے ہونے سے ہوتا ہے اور عاشق تمنا کی ابتدائی منزل ہی مین ہو بلکہ جہان کھڑا ہو وہین کھڑا رہ جائے۔

اصلاح نیاز

تیری نگہ لطف نہو وعدۂ تسکین
میری نگہ شوق ہے عنوانِ تمنا

ارشاد ناطق۔ دوسرے مصرع کا عیب بدستور رہا اور پہلے مصرع کی نظم و بندش اصل شعر سے خوبی مین کم ہو گئین۔

بلکہ نہ ہو کے اجمال نے مہمل اور مصرع ثانی سے بے تعلق کر دیا ہے۔

التماس بیخود۔ دوسرے مصرع مین کوئی عیب نہ تھا یہ ضرور ہے کہ پہلے دونون مصرعون مین ترصیع کی سی شان نکلتی تھی وہ اصلاح نیاز سے جاتی رہی لیکن نہ ہو سے جو اجمال پیدا ہوا وہ مجھکو نظر نہین آتا مین تو شعر کا صاف مطلب یہ سمجھا ہون کہ تیری نگاہ لطف وعدۂ تسکین نہ ہو نہ سہی مگر میری نگاہِ شوق عنوان تمنا ہے یعنی تو اگر مہربان ہو کر نامہربان ہو جائے تو ایسے تو جان مین ترک تمنا پر قدرت نہین۔ کھتا میرا جو حال ہے وہی رہے گا اتنا نقص ضرور ہے کہ لفظ عنوان طومار کیلئے جگہ خالی کرنا چاہتا ہے مگر حضرت نیاز کی نگاہ قہر اُسے وہین رہنے پر مجبور کرتی ہے۔ ایک بات یہ بھی ہے کہ وعدۂ تسکین اس شعر مین کوئی خوبصورت ٹکڑا نہین ہے۔

شعر ششم۔

اصل شعر

اے قافلۂ یاس گذر دل مین نہ ہو کر
پامال نہ کر گورِ غریبانِ تمنا

ارشاد ناطق۔ صرف تعقیب کی خرابی ہے، نثر سے تخیل صاف ہو جاتی ہے۔ اے قافلۂ یاس دل مین ہو کر نہ گذر، تمنا کے گورِ غریبان پامال نہ کر، اس شعر کو ۲ شعرا نے اصلاح سے بچا دیا ہے ۴ نے شعر کو خارج کر کے اپنی طرف سے ایک ایک شعر موزون کر دیا ہے اور ۱۹ نے اصلاح دی ہے، بہترین اصلاحون مین ایک بیخود موہانی کی بھی اصلاح ہے۔

۹ مارچ [illegible] صفحہ [illegible] کالم ۱ سطر (۱۴-۱۷)

۲۳ مارچ سنہ ۲۹ء صفحہ ۳۶ کالم ۱ سطر (۱۶-۲۰)

اصلاح بیخود موہانی

اب قافلۂ یاس مرے دل سے نہ گذرے
پامال نہ ہو گورِ غریبانِ تمنا،

ہر چند کہ سب عیب نکل گئے مگر فن شعر بھی وہ نازک فن ہے کہ تاثیر شعر ایک جداگانہ شئے ہے جو اثر اصل مصرع مین تھا وہ اصلاح مین نہ رہا اس کا راز یہ ہے کہ قافلۂ یاس کی طرف خطاب نہ رہا کیف شعری بعض لوگون کی اصلاح مین کافور ہو جاتا ہے، اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ شاید ان لوگون نے خود کبھی کسی سے اصلاح نہین لی ہے کہ جس کا یہ نتیجہ ہو جاتا ہے کہ اپنی ذہانت و قابلیت سے حتی الامکان کام لیتے ہین مگر اصلاح کی تمام راہون سے نابلد ہین اس لئے ایسے لوگ اگر صحیح

اصلاح دیدین تو اور بھی قابل تعریف ہین۔

التماس بیخود موہانی۔

(عبارت نقاد کی دلآرائی و دلربائی)

جناب نقاد کی اُردو بھی عجیب اُردو ہے صلہ ہے موصول ندارد مبتدا ہے خبر غائب۔ ارشاد ہوتا ہے۔

"ہر چند کہ سب عیوب نکل گئے مگر فن شعر بھی وہ نازک فن ہے کہ تاثیر ایک جداگانہ شے ہے"۔

سبحان اللہ اس اُردو کا کیا کہنا مگر فن شعر وہ نازک فن ہے کہ تاثیر ایک جداگانہ شئے ہے "وہ نازک فن ہے" کے بعد صلہ آنا چاہئیے وہ غائب ہے۔

یہ ٹکڑا بھی نہایت خولصورت ہے

کیفِ شعری بعض لوگون کی اصلاح مین کافور ہوجاتا ہے اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ شاید ان لوگون نے خود کبھی کسی سے اصلاح نہین لی ہے کہ جس کا یہ نتیجہ ہوجاتا ہے (ہوتا ہے لکھنا چاہئیے) کہ اپنی ذہانت و قابلیت سے حتی الامکان کام لیتے ہین مگر اصلاح کی تمام راہون سے نابلد ہین، اس لئے ایسے لوگ اگر صحیح اصلاح دیدین تو اور بھی قابل تعریف ہین۔

"مگر اصلاح کی تمام راہون سے نابلد ہین" کے بعد اس مفہوم کو ادا کرنا چاہئیے تھا کہ اسی سے بھٹک جاتے اور بہکی بہکی باتین کرنے لگتے ہین جبتک اس مفہوم کا کوئی ٹکڑا نہ ہو عبارت مختل ہی نہین بے معنی ہے۔

مطالب نقاد کی دل آرائی

ارشاد ہوتا ہے کہ صرف تعقیب کی خرابی (نقص) ہے اگر اتنی ہی خرابی ہوتی تو مجھے کیا خدا نے خراب کیا تھا کہ اتر سی شے کو آپ کے قول کے مطابق مٹا کر رکھ دیتا بندہ پرور مجھے تعجب آتا ہے اس لئے کہ مینے اپنی اصلاح مین اسے قافلۂ یاس کو اب قافلۂ یاس بنا دیا تھا اس پر بھی جناب کو تنبہ نہ ہوا یہ ٹکڑا اداب نہایت معنی خیز تھا اور بہت بڑا مفہوم اپنے دامن مین لئے تھا اس لئے کہ کیا دنیا مین کوئی کہہ سکتا ہے کہ تمناؤن کو خاک مین ملانے والا یاس کے سوا کوئی اور بھی ہے 'اب' کہنے سے مدعا یہ تھا کہ تمناؤن کا بچپن تمناؤن کی جوانی جس نے خاک مین ملائی وہ یہی ظالم ہے۔

ایسی حالت مین قافلۂ یاس کو گورِ غریبانِ تمنا کے پامال نہ کرنے کا حکم دینا یا ایسی التجا اُسکے سامنے پیش کرنا خلاف عقل ہے جسے تمناؤن کی رعنائی آرزوؤن کی زیبائی پر رحم نہ آیا وہ اُنکی قبرون کے پامال کرنے مین تامل کیون کرنے لگا۔ اس لئے قافلۂ یاس کو مخاطب کرنا معیوب ہی نہین غلط بھی ہے۔

نکتہ۔ دوسرا سبب اس سے بھی زیادہ لطیف و نازک ہے اور وہ یہ ہے کہ جسنے کسی کی گود کے پالونکو یون خاک مین ملایا ہو اُسے مخاطب کرنیکو جی ہی نہین چاہتا اس نکتہ سے ہر ماہر نفسیات واقف ہے اور یہی سبب تھا کہ مینے اس محل پر قافلۂ یاس کو مخاطب کرنا صرف بدنما ہی نہین غلط اور بے محل سمجھا۔

اب رہی تمنا۔ اس کے لئے کوئی قید نہین تمنا امر محال کی بھی ہوتی ہے اور دل کا مجبور تمنا ہونا ظاہر ہے، مثلاً مُردے کا زندہ ہو جانا غیر ممکن ہے مگر ہم یہ الفاظ برابر سنتے ہین کاش نہ مرتا کاش جی اُٹھتا۔

اسکے علاوہ یہ سمجھنے مین کون سا امر مانع ہے کہ یہ تمنا خالی تمنا نہ ہو بلکہ دعا ہو اور مخاطب

وہ ہو جس کا لقب مقلب القلوب (خدا) ہے یعنی جو دل کے بدل دینے پر قدرت رکھتا ہے۔

اب رہا اثر اور بے اثری کا مرحلہ اسکا طے ہونا آسان ہے کسی بیداد گر سے (جس نے کسی کے لاڈلون پر دنیا کا کوئی ظلم اُٹھا نہ رکھا ہو) یہ التجا کرنا کہ ان کی قبرونکو پامال نہ کر۔ بین اثر زیادہ ہے یا اپنے دل ہی مین یہ تمنا کرنے مین کہ اسے کاش یہ قافلہ جس نے مجھے اتنے ناشاد نامراد اُٹھ جانیوالونکا سوگوار بنا دیا ہے اب ادھر سے نہ گذرتا اور میرے نازپروردونکی قبرین پامال نہ ہوتین۔ اس بے لبسی کی تمنا یا دعا اور اس دل مین بے اختیار پیدا ہونیوالی تمنا یا دعا کے اثر کی کہین پناہ ہے۔

اسے قافلۂ یاس گذر دل مین نہ ہو کر۔ پامال نہ کر گور غریبان تمنا۔ مین اگر پامال نہ کر کی جگہ پامال نہ ہو کہا جاتا تو عجیب آنا ظاہر نہ ہوتا اس لئے کہ کر مین ارادہ کا دخل پایا جاتا ہے اور ہو مین صرف اظہار تمنا مضمر ہے۔

جناب نقاد نے بعض اصلاحون سے اثر کے کافور ہو جانیکی شکایت کی ہے مجھے بھی یہی شکایت ہے مگر محض حضرت نقاد ایسے (جیسے) شعرا سے۔ ایسی اصلاح کے صدقے جایئے کہ جب کسی صحیح شعر کو ہاتھ لگا دیا غلط ہوئے بغیر نہ رہا۔

جناب نے یہ بھی فرمایا ہے کہ شاید ان لوگون نے خود کسی سے اصلاح نہین لی یہی سبب ہے کہ اصلاح کی تمام راہون سے نابلد ہین مجھے اسکے متعلق صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ وہب و کسب دو چیزین ہین کچھ شاعری پر منحصر نہین ہر فن مین درجۂ کمال تک پہونچنے کا حق اور ایجاد و اختراع کا منصب صرف صاحبانِ طبع خداداد کو پہونچتا ہے مین نے ایک قصیدہ کے مطلع مین اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

دنیا کا بیان اور ہے بیخود کا بیان اور (مطلع بیخود موہانی) فطرت کی زبان اور ہے قدرت کی زبان اور

اصلاح کے معاملہ مین اس ناچیز کی رائے یہ ہے کہ کلام اساتذہ اور کتب آئمہ فن سے بڑھ کر کوئی اُستاد نہین انکے ہوتے کسی صاحب عقل سلیم کو اُستاد کی ضرورت نہین اور خاصکر اُستاد ناقص کی. شوق اور ذہانت رہبری کیلئے کافی ہین - یہ ضرور ہے کہ اگر کسی تیز طبع شخص کو اُستاد شفیق وکامل خدا دیدے تو وہ معراج کمال تک بہت جلد پہونچ سکتا ہے اور بس لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بھی عرض کرونگا کہ اگر ایسا اُستاد نہ ملا اور وہ شخص زمانہ کی ٹھوکرین کھاکر خود ہی راہ راست پر آگیا تو یہ صورت پہلی صورت سے افضل ہے اس لئے کہ اُس نے جو کچھ سیکھا ہے عملاً سیکھا ہے - ایسے آدمی سے غلطی ہوگی بھی تو بتقاضائے بشریت جو قابل ملامت نہین مجھے بعض حضرات کی تہیدستی و بے مائگی پر نہایت افسوس آتا ہے جنھون نے خود تحصیل علم وکمال کیلئے جان دیدی اُستاد شفیق نے بھی لہو پانی ایک کردیا مگر پھر بھی خالی ہاتھ رہے اور اُستاد کو اپنی تعلیم و تربیت گردگان گنبد نظر آئی اُسکی روح ہاتھ ملتی ہے اور کہتی ہے ؎

تہی دستانِ قسمت را چہ سود از رہبر کامل ۔ کہ خضر از آبِ حیوان تشنہ می آرد سکندر را

شعر ہفتم - مقطع غزل

اصل شعر

اے شوق نہ کیون روح کو پرواز ہو دشوار
پیوست کلیجے مین ہے پیکانِ تمنا

ارشاد ناطق - تخیل شاعرانہ یہ ہے کہ پیکان چبھنے سے روح بھی زخمی ہوگئی (یہ ہے ثقات کا دابِ تکلم) مگر خرابی یہ ہے کہ روح اگرچہ جگر (کلیجے) دماغ اور دل ہر سہ مقامات پر ہوتی ہے جسکو روح طبیعی شرح

نفسانی اور روح حیوانی کہتے ہین مگر شاعرانہ مذاق طبی اصول پر نہین ہے بلکہ صرف دل مین روح کا مخزن مشہور ہوگیا ہے جس طرح خصوصیت روح دل کیلئے مقبول عام ہوگئی ہے اُسی طرح عوام مین کلیجہ دل کے معنون مین مشہور ہے شاید اسی وجہ سے شوق نے کلیجہ نظم کیا ہے اور جن اساتذہ نے اسکو جائز رکھا اُنکا بھی یہی خیال ہوگا مگر ثقاة مین کلیجہ دل کے معنون پر مستعمل نہین ہے۔ بظاہر اسکے دو جواب ہوسکتے ہین اول یہ کہ اگر کلیجے یعنی جگر مین تیر پیوست تھے تو ممکن ہے کہ دل مین بھی ہو ایک کے اثبات سے دوسرے کی نفی لازم نہین آتی (حکمائے اخلاق نے اسی کو سفہ کہا ہے (یعنی بے ضرورت دماغ سوزی کرنا) دوسری بات یہ ہے کہ کم از کم کلیجہ مین جو روح ہے وہ تو تیر کی پابند (کیا کہنا ایسے محاورے شاہدان بازاری مین عام ہین بیخود) ہوگئی ہے تاہم یہ جواب کافی نہین منطق اور چیز ہے اور شاعری اور شے، شعر مین غلطی نہ عیب ضرور ہے ابوالعلا ناطق۔

التماس بیخود۔ اس الف لیلہ اس طلسم ہوشربا اس بوستان خیال کا خلاصہ صرف اسقدر ہے کہ ثقات کلیجا دل کے معنون پر نہین بولتے، اور اگر یہ دعوے رد ہوجائے تو جناب ناطق کی ناطقہ آرائیان سرد و بے ہنگام ٹھہرین مین خدا کا نام لیکر لوحِ طلسم کا عکس ڈالتا ہون جناب نقاد ذرا غور سے ملاحظہ فرمائین کہ اشعار ذیل مین کلیجا دل کے معنون پر ہے یا نہین اور کلیجا دل کا قائم مقام ہوسکتا ہے یا نہین۔ شعرائے ذیل گروہ ثقات سے ہین یا انبوہِ عوام سے۔ اس کا فیصلہ خود جناب نقاد پر چھوڑا جاتا ہے۔

کبھی مین عین رونے مین جگر سو آہ کرتا ہون (میر تقی میر) کہ دل ٹکڑے ہوجائین یارون کے ہوائے شر بنگالی سے

جگر = دل ۔ آہ کا تعلق جگر سے نہیں دل سے ہے ۔

(میر تقی میر)

یہ زخم جگر داورِ محشر سے ہمارا
انصاف طلب ہے تری بیدادگری کا

زخم جگر = زخم دل ۔ اس لئے کہ احساس بیداد و فریاد بیداد کا تعلق دل سے ہے ۔

(میر تقی میر)

پیغام غم جگر کا گلزار تک نہ پہونچا
نالہ مرا چمن کی دیوار تک نہ پہونچا

خوشی اور غم کا احساس دل سے متعلق ہے ۔

(غالب علیہ الرحمہ)

شق ہو گیا ہے سینہ خوشا لذت فراغ
تکلیف پردہ داری زخم جگر گئی

زخم جگر = زخم دل ۔ یعنی اب اخفائے راز محبت سے نجات مل گئی ۔

(غالب علیہ الرحمہ)

لگے نظر نہ کہیں انکے دست و بازو کو
یہ لوگ کیوں مرے زخم جگر کو دیکھتے ہیں

زخم جگر = زخم دل ۔ یہاں دست و بازو سے مراد حسن و نگاہ و ادائے یار کے سوا کچھ نہیں اور ایسے وار دل ہی پہ ہوتے ہیں ۔

(ذوق)

وہ چشم مخمور اک نظر سے چھوڑے لاکھوں جو نشتر سے
تو ہوں رواں ہر رگ جگر سے لہو مئے لالہ رنگ ہو کر

رگ جگر = رگ دل ۔ اس لئے کہ نگاہ و ناز کے نشتر دل ہی میں اترتے ہیں ۔

(ذوق)

لذت سے محبت کی ہے ہر زخم جگر کو
ذوقِ نمک درد و الم اور زیادہ

زخم جگر = زخم دل ۔ ذوق الم دل سے متعلق ہے جگر غریب مفت میں بدنام ہے ۔

(داغ)

کیا کرے داغ کوئی اُسکی محبت کا علاج — وہ کلیجا ہی نہین جس مین یہ ناسور نہین

کلیجا = دل۔ محبت کے ناسور کا تعلق براہِ راست دل سے ہے۔

(داغ)

فریادِ جگر، نغمہ نے، نالۂ بلبل — دلکش ہو کسی طرح کی ہو کوئی صدا ہو

فریادِ جگر = دل کی فریاد۔

(داغ)

سینے سے اپنے ساتھ اُڑا کر یہ لیگئے — گویا تمھارے تیر تھے میرے جگر کے پانو

جگر = دل۔ اس لئے کہ تیر سے نگاہ و ادائے یار مُراد ہے۔

(داغ)

رہ گئے لاکھون کلیجا تھام کر — آنکھ جس جانب تمھاری اُٹھ گئی

کلیجا = دل۔ اس لئے کہ نگاہِ یار کا اثر دل پر براہِ راست پڑتا ہے اسکے بعد جگر بھی متاثر ہو تو مضائقہ نہین۔

(امیر)

کلیجا تھام لوگے جب سنوگے — نہ سنوائے خدا شیون کسی کا

کلیجا = دل۔ نالہ کا اثر دل پر پڑتا ہے۔

اور اساتذہ کرام کے یہان جگر کو دل کے معنون پر آتے ہوئے دیکھکر بیخود خاکسار نے بھی کہا ہے۔

(بیخود موہانی)

حالت پہ میری چھوڑ دے اے چارہ گر مجھے — مرنے نہ دیگی لذتِ دردِ جگر مجھے

حضرت ناطق کو اسی مین تامل ہے کہ دل کے مضمون پر کلیجا ثقات بولتے ہین یا نہیں مین عرض کردن کلیجا تو کلیجا ہے اساتذہ سینہ اور چھاتی کہتے ہین اور دل مُراد لیتے ہین۔

(ذوقؔ)

ہان تامل دم ناوک فگنی خوب نہین ابھی چھاتی مری تیرون سے چھنی خوب نہین

چھاتی = دل۔ سبب یہ کہ نگاہ یار دل کو چھلنی کرتی ہے نہ کہ سینہ کو۔

حضرت نقاد۔ روح کی قسمین، اثبات و نفی کی بحثین علامہ دہر ہونے کے ثبوت ہین پیش کرتے ہین لیکن تحقیق اور سخن فہمی اُن کے متعلق یون منادی کرتی ہے ع عالم ہمہ افسانۂ ما دارد و ما ہیچ۔

ارشاد ناطق۔ صرف چھ شاعرون نے کلیجہ کو بدل دیا ہے، باقیؔ۔ بزمؔ مومنؔ۔ ناطقؔ۔ نظمؔ۔ محشرؔ۔ انمین سے ہم نے کلیجہ کو دل سے بدلدیا ہے۔

اصلاح باقیؔ

کیون روح نہ مضطر رہے شوق اُسکی خلش سے
پیوست مرے دل مین ہے پیکان تمنا

ارشاد ناطق۔ تخیل بدل گئی اور بہت ہی معمولی ہو گئی مگر مصرع ثانی درست ہو گیا۔

التماس بیخود۔ یقیناً تخیل بدلگئی اور شعر شوق مین جدت مضمون سے جو شان پیدا ہو گئی تھی جاتی رہی مگر الفاظ بہت خوبصورت اور مناسب جمع ہو گئے۔ رہا مصرع ثانی وہ پہلے ہی سے درست تھا ہان "کلیجے" کی جگہ "مرے دل" کے رکھنے سے مصرع کی روانی کسیقدر کم ہو گئی۔

اصلاح محشرؔ

(مصرعہ اولےٰ بدستور)
پیوست ہوا دل مین جو پیکان تمنا

ارشاد ناطق۔ مصرع ثانی دُرست ہوا چُست نہ ہوا کیونکہ جو بیکار ہے۔

التماس بیخود۔ مصرع ثانی نہ دُرست ہوا نہ چُست ہاں جو خواہ مخواہ کیلئے آ گیا۔

اصلاح ناطق

اسے شوق نہ کیوں روح کو دشوار ہو پرواز
پیوست مرے دل میں ہے پیکانِ تمنا

ارشاد ناطق۔ مصرع ثانی بے عیب ہو گیا۔ مگر مصرع اولیٰ میں اب بھی کسی قدر تعقیب ہے۔

التماس بیخود۔ مصنف کا شعر یوں تھا ؎ اے شوق ہے اب روح کو پرواز بھی دشوار
پیوست کلیجے میں ہے پیکانِ تمنا۔

اُس کا مفہوم یہ تھا کہ جبتک تمنا کے یار نہ کی تھی جینا سہل اور مرجانا آسان تھا اب دنیا سے یہ آرزو لیکر اُٹھ جانا سخت مشکل ہے اس لئے کہ دل کسی طرح اس نامرادی کی موت پہ راضی نہیں اور جناب ناطق کی اصلاح سے یہ مفہوم ہو گیا کہ میرے دل میں پیکانِ تمنا پیوست ہے اور یہی سبب ہے کہ روح کیلئے پرواز مشکل ہو گئی ہے مختصر یہ کہ میرے دم کے آسانی سے نہ نکلنے کا سبب یہ ہے کہ مجھے کسی کی تمنا ہے۔ خدائے سخن میر فرماتے ہیں ؎

دمِ مرگ دشوار دی جان اُن نے
مگر میر کو آرزو تھی ہوس کی ،

اب ظاہر ہے کہ جناب ناطق نے مصنف کی تخئیل بدلدی اُس نے 'اب' اور 'بھی' کے معنی خیز ٹکڑے رکھے تھے، جناب نقاد نے صرف شاہِ مضمون کے زیور ہی نہیں لوٹ لئے بلکہ گیسو بھی کاٹ لئے اور اصلاح کے متعلق صلا نہ شد بلا شد کا مضمون صادق آنے لگا، دوسرے مصرع میں 'کلیجے' صرف ایک لفظ تھا جسکی وجہ سے شعر میں بہتے دریا کی روانی تھی 'مرے دل' کے ٹکڑے سے 'مرے' کا اضافہ بوجھ ہوا اور کوئی کام نہ نکلا یہ بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ پرواز بھی

دشوار، کا ٹکڑا دشوار رہو پرواز، سے کیون بدلا گیا، یہ بجا ہے کہ شعر مصنف مین ”ہے“ حرف ربط شروع مصرع مین تھا جسے آخر مصرع مین ہونا چاہیئے اصلاح تعقیب کا کچھ علاج ضرور ہوا مگر جناب حکیم صاحب نے ”پرواز، کو آخر مصرع مین رکھکر ایک درد اور پیدا کر دیا۔

اصلاح نوح

اے شوق کرے روح جو پرواز تو کیونکر
پیوست مرے دل مین ہے پیکان تمنا

ارشاد ناطق ۔ مصرع ثانی بے عیب ہو گیا مگر مصرع اولی مین تعقیب اور ضعف نظم اصل مصرع سے بھی زیادہ ہے۔

التماس بیخود ۔ مصرع ثانی مین اتنا عیب تو ضرور پیدا ہوا کہ کلیجا دل سے بوجہ بدلا گیا تعقیب اس مین اتنی ہی ہے جتنی مصنف کے مصرع مین تھی (یعنی جہان اُس نے ”کرے، کہا ہے مصنف نے ”ہے، کہا تھا، باقی ضعف نظم کا تو کہین اس مین شائبہ تک نہین بلکہ حشو کو ایسے حسن سے سمیٹا ہے کہ بے اختیار واہ نکلتی ہے مگر ایک نازک غلطی جناب نوح سے ضرور ہوئی ہے وہ یہ کہ اُنھون نے روح کے پرواز کرنیکو مشکل کی جگہ غیر ممکن کہدیا۔ یہان دشوار یا دشوار کے معنی کا کوئی لفظ رکھنا ضروری تھا۔

ارشاد ناطق ۔ شوق کے اس شعر مین تخیل اسقدر معمولی ہے کہ اسی کو تخیل شاعرانہ کہتے ہین یعنی تیر کے پیوست ہونے کی وجہ سے روح پرواز کرنے سے معذور ہو گئی ہے۔ اس زمانہ مین فن نے اتنی ترقی تو ضرور کی ہے کہ تخیل شعری وسیع ہو رہا ہے، اور تخیل شاعرانہ متروک ہو رہا ہے

التماس بیخود ۔ جناب ناطق فرماتے ہین کہ اب تخیل شعری وسیع ہو رہی ہے اور مجھے حیرت ہے کہ یہ کس دنیا کا حال بیان کیا جا رہا ہے مجھے تو یہ حالت کہین نظر نہین آتی خدا وہ دن کرے

کہ ہمارا بدنصیب ملک اس نعمت عظمےٰ پر سجدہ شکر بجالانے کا موقع پائے۔ حضرت ناطق کا یہ کہنا کہ روح پرواز کرنے سے معذور ہوگئی۔ غلط ہے اور اسی طرح غلط ہے جس طرح جناب نوح کی اصلاح مین اس لئے کہ دشوار اور محال مین بڑا فرق ہے۔ یہ تخیل شاعرانہ نہین تخیل شاعر ہے اور ندرت کا پہلو لئے ہوئے۔

ارشاد ناطق۔ ہم صاحبون نے تخیل کو بدلا ہے دیکھنا یہ ہے کہ تبدیلی کیسی ہوئی

اصلاح افضل

اے شوق کھنچی روح کھنچا تیر جو اس کا
پیوست کلیجے مین ہے پیکانِ تمنا

ارشاد ناطق۔ مصرع اولی بدستور رہا اگر اسکے معنی بیان کرون تو ممکن ہے کہ مفہوم شاعر (یعنی مُصلح) کا نہ ہو۔

التماس بیخود۔ جناب نقاد کا یہ ارشاد میری سمجھ مین نہین آتا کہ پہلا مصرع بدستور رہا غالباً یا لغزش قلم یا سہو کاتب ہے۔ ناقد بے بدل بیان دوسرا مصرع لکھنا چاہتا تھا۔

جناب نقاد نے اصلاح جناب افضل کے متعلق کچھ نہین کہا۔ اصلاح موجودہ سے تخیل مصنف بدل گئی اور ندرت خیال جاتی رہی لیکن شعر زیادہ لطیف ہو گیا مفہوم یہ ہو گیا کہ ادھر تیر کھنچا ادھر دم نکل گیا گویا اب ہماری زندگی جبھی تک ہے جبتک معشوق کا تیر جگر سے نہ نکلے یعنی اب ہماری زندگی کا انحصار التفات ناز پر ہے یہ نہ رہا تو ہم نہ رہے۔

اصلاح بیباک

بیتابیٔ شوق جگر افگار نہ پوچھو
(مصرعۂ ثانی بدستور)

ارشاد ناطق۔ ایک شعریت تو پیدا ہو گئی۔

التماس بیخود۔ اس ترمیم سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کے شعر میں شعریت نہ تھی اور
یہ انکشاف عجیب انکشاف ہے۔ حضرت بیباک کی اصلاح سے تخیل شعر بدل گئی جس میں
ندرت بھی تھی مگر اس میں شک نہیں کہ شعر سیدھا سادہ اور خوبصورت ہو گیا۔ "جگر افگار"
کے اضافہ سے شعر کا اثر بھی بڑھ گیا، ایک طرح کی تڑپ اور بے ساختگی پیدا ہو گئی۔

اصلاح ریاض

اے شوق اب اُٹھنے کا نہیں ہاتھ جگر سے
پیوست کلیجے میں ہے پیکان تمنا

ارشاد ناطق۔ (اصلاح بیباک) کی کیفیت ریاض کی اصلاح میں ہی ہوئی
ہے بلکہ اس ترکیب سے مصرع اولی کو بدلا ہے کہ مصرع ثانی میں کلیجے
پر جو اعتراض ہوتا تھا وہ بھی رفع ہو گیا۔

التماس بیخود۔ کلیجے پر جو اعتراض تھا وہ مدیر مبصر کی عدم بصیرت کا نتیجہ تھا، اساتذہ
اساتذہ نے اُسے باطل کر دیا، یہ ضرور ہے کہ شعر میں مزہ پہلے سے بہت زیادہ ہو گیا۔ اگرچہ
مصنف کی تخیل قائم نہ رہی۔ اس ٹکڑے سے "اب اُٹھنے کا نہیں ہاتھ جگر سے" زبان کی لطافت اور
روزمرہ کی نظافت بڑھ گئی۔

ارشاد ناطق۔۔

اصلاح نظم

اے شوق رہے روح کو پروانہ کی تحریک
(مصرعہ ثانی بدستور)

اس کے معانی اور مشکلات کو مجھ سے زیادہ ناظرین حل کر سکتے ہیں، کیونکہ
"تحریک رہنے" کا محاورہ عام لوگوں سے مخفی ہے اور تیر کی پیوستگی سے
پروانہ روح کی تحریک کیونکر ہوتی رہے گی نقاد نہیں سمجھ سکتا۔

۱۸ اپریل نمبر ۲۱ کالم ۲ سطر (۱۱-۱۶)

التماس بیخود: یہان حضرت ناطق کی جسارت پر اہل دل انگشت بدندان رہ جائینگے، اسلیے کہ جناب طباطبائی کی اصلاح کے متعلق جناب نقاد لکھتے ہین کہ مصرع ثانی بدستور، حالانکہ انکی اصلاح یون ہے ؎

لے شوق سے ہے روح کو پرواز کی تحریک
سینے مین کھٹکتا ہے پیکان تمنا

مین اسے اُن کے سہو نظر سے تعبیر کرتا ہون، مگر اتنا ضرور کہونگا کہ تخیل مصنف کے بدل جانے کی طرف سے صرف نظر کرین تو ماننا پڑے گا کہ اب شعر زیادہ مزیدار ہو گیا، جب سینے مین پیکان تمنا کھٹکتا رہیگا تو ظاہر ہے کہ روح جلد پرواز کریگی، شاعر نے روح کے ساتھ لفظ پرواز رکھا ہے اس سے ظاہر ہے کہ اُسے طائر فرض کیا ہے، اگر کوئی کھٹکا ہوتا ہے، تو وہ طائر کو جلد آمادہ پرواز کریگا، مین نہین سمجھ سکتا کہ اس مین کونسا اشکال پیدا ہو گیا کہ جناب ناطق سا پہلوان نقد و تبصرہ سپر انداختہ نظر آتا ہے

صاف لفظون مین شعر کا مفہوم یہ ہے کہ دیکھو ترک تمنا نہ کرنا ورنہ دنیا مین اُلجھکر رہجاوگے اور اس زندگی سے جو حقیقت مین اسیری کا دوسرا نام ہے نجات نہ ملے گی۔

مین حضرت ناطق کے اس تبصرہ مین ابتدا سے دیکھتا چلا آتا ہون کہ جناب موصوف جناب طباطبائی اور مجھ ناچیز کی صلاحون کے خلاف کچھ نہ کچھ لب کشائی ضرور فرماتے ہین، اور حضرت طباطبائی کے متعلق اکثر ارشاد ہوتا ہے کہ انکی صلاح سمجھ مین نہ آئی، گویا جناب موصوف مہمل گو ہین، اور شاید ہے

بھی کچھ ایسا ہی کہ جب حضرت ناطق سا نکتہ آفرین اور سُخن سنج، اُن کی صلاحون کے سمجھنے سے معذور ہے تو بباد شما چہ رسد، یہ وہ ناقد ہے جو اپنے کو نقاد لکھتے ہوئے نہ جھجکتا ہے نہ شرماتا ہے۔

میرا خیال یہ ہے کہ غالباً یہ سعیٔ ناکام وغیر محمود صرف اسلیے ہے کہ جناب طبا طبائی کی ادبی قابلیت، شاعرانہ عزت، محققانہ عظمت، (اگرچہ یہ باتین خفا ہو جانے کے بعد اُن مین کچھ دیر کےلیے باقی نہین رہتین) ہندوستان مین مسلم ہے، اگر جناب نقاد کے زورِ قلم نے اُسے مٹا دیا تو بڑا کام اور بڑا نام کیا، لیکن یہ سودائے خام ہے۔

مطلع کی اصلاح مین "ہے سیل عزم دست بدامان تمنا" یہ مصرع حضرت نقاد کی سمجھ مین نہ آیا، اور غضب یہ ہے کہ دمن لقینت کی مفصل تفسیرون کے ملاحظہ کرنے پر بھی ناکامی ہی رہی، صرف اُن مقامات پر جناب طبا طبائی کی جان بچ گئی ہے جہان اُنھون نے شعر کو ہاتھ نہین لگایا، صرف مطلع کی ایک اصلاح یعنی "اور جوشِ جنون سلسلہ جنبانِ تمنا" تو حضرت نقاد کی سمجھ مین آئی، جسکا اعتراف اُنھون نے فرمایا ہے، مگر وہان بھی من چہ می سرایم و طنبورۂ من چہ می سراید ہی کا معاملہ ہے، لیکن بیخود ناشاد وہ بدنصیب ہے کہ شعر کو بحالہ قائم رکھنے پر بھی، یہ سُن لیا کرتا ہے۔

قول ناطق

ایک آخری بات اِس مسئلہ کے متعلق یہ بھی کہنے کے قابل ہے کہ بیخود موہانی شوق قدوائی اور نیاز فتحپوری کی رائے صلاح کے بارے مین زیادہ قابلِ سند ہے کیونکہ بیخود اور شوق کو کسیکا شعر ذرا مشکل سے پسند آتا ہے اور اپنے شعر سے

بھی زیادہ دوسرے کے شعر کو احتیاط و غور سے دیکھتے ہین، اگر اِس شعر مین یہ نحوی نقص ہوتا تو وہ چشم پوشی کرنے والے نہ تھے، یہ ارشاد مبصر فروری صفحہ ۱۲ کالم ۲ سطرہ تا ۱۰ مین نظر آتا ہے جہان اِس شعر ؎

ہچکی کی صدا سب جسے سمجھے دم آخر
ٹوٹا تھا یہ قفل در زندان تمنا

مین جناب نقاد نے "یہ" اور "وہ" کے محل استعمال کے متعلق بحث فرمائی ہے مگر مجھے اِن کرم فرمائیوں پر کوئی شکوہ نہین مجھے یہ اشعار رہ رہ کر یاد آتے ہین،

(غالب) نظر لگے نہ کہین اُن کے دست و بازو کو
یہ لوگ کیون مرے زخم جگر کو دیکھتے ہین

(داغ) قضا کا نام لین تقدیر کو دین، مجھ کو سین
مرے قاتل کا چرچا کیون نہ ہو میرے سوگوارون مین

مین تو یہ بھی نہین کہنا چاہتا ؎

چو خود کردند راز خویشتن فاش
عراقی را چرا بدنام کردند

بندۂ ناچیز

خاکسار محمد احمد بیخود موہانی

ایم۔ اے۔ منشی فاضل

پروفیسر شیعہ کالج

"لکھنؤ"

زندگی اک طور سے جلوہ گر ہونے کو ہے - ایسی کالی رات سے پیدا سحر
اب فسوں شاہ و ملا سے اثر ہونے کو ہے - اب کہ بنا آپ اپنی چارہ گر

اس جہاں میں ایک ایسا انقلاب آنے کو ہے
ذرہ ذرہ اب چمک کر آفتاب ہونے کو ہے

[illegible]

غلط نامہ گنجینۂ تحقیق

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲	۴	سنگسری	سنکسری	۱۰۰	۱۴	حرف بحرف نقل کردیا ہے	نقل کردیا ہے
۷	۱۱	تنقید کا م	تنقید	۱۰۶	۶	دوسرا شعر	دوسرا شعر برابر ہے تو
۱۲	۱	آئینہ بدست	آئینہ بدست	〃	۷	ہو	ہے
〃	۳	وہ خدا تو	وہ، تو خدا	۱۱۹	۳	بہاتا	پاتا
〃	۹	خوانشدہ	جو خوانشدہ	۱۲۲	۲	جتنے میں	جتنے
۱۵	۹	اول، سوختن	دل سوختن	〃	۱۰	جسمانیت	جسمانیات
۱۶	۸	ادھر ہونے لگا	ادھر کھچنے لگا	۱۲۵	۱۳	جناب ہملنے	انھوں نے
۱۶	۹	کی صحبت رہتی	کا ارشاد	۱۲۷	۱۵	بسیتہ اگر بر	بسینہ اگر بہ
۲۲	۷	اشتگیں سو کم	منگیں کم ہو گئیں	۱۳۰	۱۲	غم دالفت	غم الفت
۲۵	۱	تو	کہ شعر تو	۱۳۴	۱۵	یہانتک کہ	یہانتک
۳۰	۱	افسوس ہے	افسوس ہوا	۱۴۲	۷	فارسی مضمار	فارس مضمار
۳۵	۱۷	مضون پر	مضمون پر	۱۴۳	۱۱	اسمیں	کہ اسمیں
۴۰	۹	مثالیں لکھتا	مثالیں دیتا	۱۴۶	۸	کا ترجمان ہے	کے ترجمان ہیں
۵۲	۱۴	ظہیر فاریابی	،	۱۴۹	۱۱	علامہ	علامہ
۵۹	۲	بحر	بہر	۱۵۱	۱	ہجوم و رنج	ہجوم رنج
〃	۷	ادا ہوا	ادا ہو	۱۶۰	۱۳	ایک خیالات کی دنیا	خیالات کی ایک دنیا
〃	۱۰	[illegible] گیا	[illegible] آگیا	۱۷۵	۱۹	مذہب	اسکے مذہب
۶۳	۳	زار ہو	زار زار ہوا	۱۷۸	۳	خاص قابل تفریق	خاصیات قابل تفریق
۶۵	۵	اسقدر ہوگا	اسقدر عجیب	۱۸۵	۱۱	عامۃ الودو	عامۃ الورود
۷۶	۳	جن کا	جس کا	۱۹۳	۱	بلگرامی	لکھنوی
۷۹	۷	ملفوت	ملفوظ	۱۹۵	۱۴	کھینچدیا ہے	کھینچدیا گیا ہے
۸۰	۱۷	ان اشعار	اس شعر	۱۹۸	۴	بانگ یا زنسبت آیا	بانگ باز نسبت آیا
۹۴	۱۰	تو اپنا چھیڑ	تو اپنا راگ چھیڑ	۲۰۰	۱۳	مانع نہو سکیں	مانع نہو سکیں یہ افلاک میرے لئے مانع نہو سکینگے
۹۷	۷	سالہ	رسالہ				
۱۰۰	۱۲	سہا کا مضمون	سہا کے مضمون	۲۰۹	۱۳	تو	یہ تو

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	غلط	غلط	صحیح
۲۰۳	۵	نکلا	نکالتا	۲۸۱	۴	امید	بنیاد
۲۰۵	۱۸	پڑا	پڑھا	۲۸۸	۴	لگا	لگا کہ
۲۲۲	۲	شور بہ قیمت	شور با بقیمت	۲۸۹	۱۳	ممکن سا ہے	کہ یہ ممکن ہے
۲۲۳	۲	خلوت	حلوا	۳۰۲	۱۰	عام	عام ہے
۲۲۵	۱	ہمدمی	ہمدمی زند	۳۰۳	۴	سب سمجھ کر	سب ہے تو ہی سمجھ کر
۲۲۶	۵	چلیے تو	اسلیے کہ	۳۰۷	۶	سرقت صرفہ	سرقہ سرقت
۲۳۵	۱۸	دو جیم دو سین	دو جیمیں دو سینیں	۳۱۵	۱۴	یہ قول	یہ قول
۲۳۸	۶	شعر کو	شعرا کو	۳۱۷	۶	کہ بعض	بعض
۲۴۸	۵	مذکورے	مذکورہ	۳۳۳	۱	ملقب	منقلب
۲۵۹	۴	تمنا	تمنا	۳۳۹	۱۴	ہوس کی	کسی کی
۲۸۰	۸	اس مفہوم	کے مفہوم				

معذرت

بد نصیبی تھی کہ یہ گنہگار اور کاتبان اعمال بار بار تپ و لرزہ کی مہمانداریوں میں ایسے اُلجھے رہے کہ غلط نامہ وبال دوش ہی رہا خدا کرے کہ "گنجینۂ تحقیق "شرح دیوان اردوئے غالب" حجم (۶۰۰) کا پیش خیمہ ہو۔

ناچیز

بیخود موہانی